لغت

حی

مصطلحات علوم وفنون عربیہ

از

محیؔ الدین غازی اجمیری

انجمن ترقی اُردو پاکستان
بابائے اُردو روڈ۔ کراچی نمبر ۱۱

مصطلحات علوم و فنون عربیہ

از

محی الدین غازی اجمیری

انجمن ترقی اُردو پاکستان
بابائے اردو روڈ کراچی نمبر۱

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو پاکستان شمارہ ۳۸۸

اشاعت اوّل : ۱۹۷۶ء - ۱۹۷۸ء

تعداد : ایک ہزار

طابع : انجمن پریس نشتر روڈ۔ کراچی

قیمت : روپے

فہرست مندرجات

جمیل الدین عالیؔ
معتمد اعزازی

حرفے چند

یہ کتاب غالباً اردو زبان میں اپنی وضع کی پہلی کتاب ہے۔ ہمیں توقع تھی کہ ہم مخدومی پروفیسر مولانا منتخب الحق خیر آبادی سے اس کتاب اور صاحب کتاب مرحوم و مغفور کے متعلق مقدمے کے بہانے ایک سیر حاصل مقالہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور ہم پورے دو برس مولانا موصوف کے پیچھے پڑے۔ مرتب یا مصنف۔ مرحوم و مغفور کی آرزو بھی یہی تھی کہ ان کی کاوش پر مولانا منتخب الحق خیر آبادی کی مکمل تصدیق نہیں تو ایک سیر حاصل گفتگو ہی سرِ دست ریکارڈ پر آجائے، مرحوم مولانا موصوف سے عمر میں خاصے بڑے ہونے کے باوجود مولانا کے علم و فضل اور خاندانی مرتبے سے بہت متاثر تھے۔ خود کو مکتب خیر آباد کا خوشہ چیں کہتے تھے اور راقم الحروف کے علم میں ہے کہ جب وہ ان اصطلاحات پر کام کر رہے تھے تو سخت گرمی اور ٹرانسپورٹ کی بے شمار مشکلات کے باوجود دوڑ دوڑ کر مولانا کے پاس جاتے تھے۔

ہم نے یہ مسودہ دو برس سے زیادہ اس امید پر روکے رکھا کہ مولانا صاحب اس پر تفصیلاً لکھیں گے لیکن اوّلاً جامعہ کراچی میں ان کی تدریسی مصروفیات اور بعد میں ریٹائرمنٹ نقل مکانی اور دوسری مجبوریوں کے سبب یا تو وہ اس پر ایسی توجہ نہ دے سکے جیسی ہماری اور مرتب مرحوم کی آرزو تھی یا انہوں نے ہمارے مسلسل اصرار کے باوجود کتاب کے متن پر مطلوبہ اظہار رائے پسند نہ فرمایا۔ بہر حال ہم ان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے مرتب مرحوم کا تعارف لکھا اور ان کی عمومی توصیف بھی فرمائی۔ ایک لحاظ سے یہ بھی مرتب مرحوم کے لئے اور ہمارے

لئے سند ہے کیونکہ اہل علم کی رائے میں جنوبی ایشیا میں اس موضوع پر مولانا منتخب الحق خیرآبادی سے زیادہ جاننے والے علماء نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔

غازی محی الدین اجمیری مرحوم کا تعارف خود حضرت مولانا منتخب الحق خیرآبادی نے اگلے صفحات پر کر دیا ہے۔ راقم الحروف کو ان کے فضائل دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ مرحوم کے ساتھ نا انصافی ہوگی۔ اگر اس عدیم المثال کتاب کے بارے میں ان کے ذوق و شوق اور محنت کا ذکر نہ کیا جائے۔

انجمن سے ان کا تعارف جناب ممتاز حسن مرحوم نے کرایا تھا۔ ممتاز حسن صاحب میں بہت سی عجیب و غریب خوبیوں کے علاوہ ایک خصوصیت یہ تھی کہ علم کے ہر گوشے سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور اپنی ان گنت مصروفیتوں کے باوجود نہ صرف اسے خود حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ پوری پوری کوشش کرتے کہ وہ کسی نہ کسی ذریعے سے عام بھی ہو جائے۔ وہ بڑے اور نہایت مصروف رہنے والے سرکاری عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود علم و فن کے لئے وقت نکالتے اہل علم کو تلاش کرتے اور جہاں پاتے کسی نہ کسی طرح ان سے استفادہ عام کی صورتیں پیدا کرتے۔

راقم الحروف کو یاد نہیں کہ ممتاز حسن مرحوم غازی محی الدین اجمیری صاحب مرحوم و مغفور سے کہاں ملے۔ اتنا یاد ہے کہ ایک دن انہیں انجمن میں تقریباً پا بجولاں لائے اور فرمایا حضرت اس سے پیشتر کہ یہ چل دیں جو کچھ ان کے پاس ہے ان سے اگلوا لیجئے۔

غازی صاحب سے راقم الحروف کا واسطہ کئی سال رہا۔ انہوں نے اس منصوبے پر کام شروع کر دیا تھا۔ اور انجمن اپنے وسائل کی محدودات کے باوجود انہیں کافی آسانیاں بہم پہنچاتی تھی۔ لیکن وہ مسلسل شاکی رہتے تھے۔ یہ منصوبہ وہ واقعی بڑی سنجیدگی سے پورا کرنا چاہتے تھے۔ وہ خود بہت کچھ جانتے تھے لیکن اپنی ہر بات پر علمائے قدیم و جدید کا کام بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی مطلوبہ کتابیں جس حد تک ممکن ہوا انہیں دکھائی گئیں۔ انہیں لاہور جا کر قیام کرنے کی سہولت بہم پہنچائی گئی۔ انہیں حسب طلب ایک معاون بھی انجمن کے خرچ پر دیا گیا۔ وہ سب کچھ کیا گیا جو ممکن تھا مگر سچ یہ ہے کہ ہماری مصطلحات علمیہ

پر کئی مکاتبِ فکر رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔ سب کا احاطہ ان کے لیے ناممکن تھا محدود وسائل میں کام کرنے والوں کے لیے شاید اب بھی آسان نہ ہو۔

ان حالات میں انجمن غازی صاحب مرحوم کی لیاقت اور محنت کو صدقِ دل سے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے بھی یہ بات ریکارڈ پر لانا ضروری سمجھتی ہے کہ مصطلحات مندرجہ کے تمام معانی و مفاہیم کی ذمہ داری غازی صاحب مرحوم و مغفور پر ہے۔ اگر کسی لفظ کی اصطلاح کے بیان کردہ مطالب میں کسی مکتبِ فکر کو اختلاف ہے تو وہ سر آنکھوں پر لیکن واضح رہے کہ اس سلسلہ میں انجمن کو صرف ایک ناشر تصور کیا جائے۔

یوں راقم الحروف نے ترتیبِ کتاب کے زمانے میں بھی پوچھ گچھ کی تھی اور اب تک چند سے چند ذی علم سے استفادہ کر کے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ غازی صاحب مرحوم کے بیان کردہ مطالب میں کوئی بنیادی یا کسی مکتبِ فکر کے لئے دل آزاری کا کوئی مضمون نہیں۔ بیشتر بلکہ تمام تر مفاہیم غیر اختلافی ہیں۔

اردو زبان میں ایسی کتاب کی ضرورت جیسی آج ہے کبھی پہلے نہ تھی۔ آج ایسے لوگ آہستہ آہستہ ختم ہوتے جاتے ہیں جو اپنی ابتدائی مذہبی تعلیم اور عربی فارسی سے لازمی واقفیت کے سبب بہت سی مصطلحات علمیہ سے واقف تھے۔ آج کیفیت یہ ہے کہ ایک طرف تو ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔ دوسری طرف ادھیڑ عمر کے لوگ بھی بھولے جاتے ہیں تیسری طرف نئی نسل ہے جو صرف تھوڑی بہت انگریزی جانتی ہے اور اس کے ذریعے بھی ان مفاہیم اور مطالب تک اس کی دسترس نہیں جو نہ صرف مذہبی اور ثقافتی تقریر و تحریر بلکہ فکری مشقوں کے لئے بھی ناگزیر ہیں۔

ساتھ ہی ایک نیا سلسلہ ابھر رہا ہے۔ بہت سے لوگ جو کلاسیکی علم کے احیا پر زور دیتے ہیں اور اس باب میں مخلصانہ ذوق و شوق سے کام لیتے ہیں اکثر مصطلحاتِ علمیہ کو بالکل غلط معنے میں استعمال کرتے ہیں۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو وحدت الوجود، وحدت الشہود جیسی عام اور مشہور مصطلحات کا بیّن فرق معلوم نہیں۔ ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ایک ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح بہت سے طالب علموں کے لئے یہ کتاب ایک

ایسا ذخیرہ علم ہے جو صحیح علمی بول چال اور سوچ بچار کے لئے انتہائی مفید ہے۔

اور عام قاری کے لئے بھی یہ امر باعثِ فخر ہونا چاہیے کہ اب اردو زبان میں ان الفاظ اور مصطلحات کی ایک ایسی خاصی مبسوط شرح آگئی جو پہلے صرف چند فارسی اور عربی داں حلقوں تک محدود تھی۔ اس کتاب کی مدد سے ایک عام اردو قاری بھی نہ صرف اپنی عام معلومات میں اضافہ کر سکتا ہے بلکہ کسی برخود غلط ناواقف لکھنے والے یا مقرر کی غلطی بھی پرکھ سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ غازی صاحب مرحوم نے مصطلحات پر انسائیکلوپیڈیائی کام نہیں کیا۔ وہ اکیلے تھے دوسری بات یہ یاد رہے کہ نہ وہ جدید ذہن کے بزرگ تھے نہ ان کا ماخذ مغربی علوم یا سائنس تھے نہ وہ ان کی طرف جانا چاہتے تھے اس لئے قارئین کو کہیں کہیں تشنگی محسوس ہوگی۔ مثلاً طب پر ان کی شرح بہت مختصر ہے اور بڑی حد تک قدیم تمام بنیاد مذہبی تصورات پر مبنی ہے۔ اس باب میں ہمیں ان کے اس بیان سے تعرض نہیں کہ علم طب کسبی یا آسمانی ہے کیونکہ تمام علوم کا دھانہ وہ مشرقی ہوں خواہ مغربی، مخزن و منبع ذات باری ہے لیکن جدید طرزِ بیان کے مطابق طب کی اصطلاح تھوڑی بہت سائنسی اور ارتقائی تبصرہ بھی طلب کرتی ہے۔ بہرحال اس معاملے میں ان کے کام کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جہاں علم طب کے ارتقاء پر بہت کچھ جانتے ہیں بہت کم لوگ ان کلاسیکی مطالب سے واقف ہوں گے جو غازی صاحب مرحوم کی کاوش نے ہم تک پہنچا دیئے ہیں۔

جدید دور میں کلاسیکی علم کی ضرورت ایک موضوع بحث ہے لیکن اتنا سب کسی اختلاف کے بغیر مانتے ہیں کسی بھی موضوع پر کلاسیکی علم حاصل کئے بغیر تکمیل علم بلکہ تحریری کاوشوں کی طرف بڑھنا کسی بھی بے شمار خطرات سے خالی نہیں۔ ایک بڑا مغربی مکتبِ فکر تو یہاں تک کہتا ہے کہ تمام موجودہ علوم و فنون میں کوئی علم کوئی فن ایسا نہیں جس پر قدما و متوسطین نے کچھ نہ کچھ فکر و تجربہ نہ کیا ہو۔ یہ کہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی اور پھیلتی ہوئی فکری و تجرباتی کاوشوں نے کلاسیکی کلیات و مسلمات میں ترمیم کردی یا ان کی مکمل تنسیخ کردی اس سے کلاسیکی متنوں کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کوپرنیکس اور گلیلیو نے پورے دو ہزار سالہ نظام بطلیموس کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں مگر بطلیموس کی کاوشوں کا مقام اسی طرح بلند ہے۔ کہ اس کے نظام کائنات

کی تغلیط پوری طرح ہوئی مگر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نظام بطلیموسی نہ ہوتا تو کوپرنیکس اور گلیلیو کونسی بجز باقی بنیادیں بھی نہ مل پاتیں۔ ایک مغربی مکتب فکر تو کلاسیکی علم کو فکر کے لئے اسی طرح ضروری قرار دیتا ہے جیسے پرندوں کے لئے ہوا۔ پر خواہ کتنے ہی مضبوط اور کامل ہوں ہوا کے بغیر وہ کام نہیں کر سکتے۔ کلاسیکی مسافروں کے احسانات جدید اور آنے والے فکری عازمین سفر کے لئے عظیم سے کم تر نہیں۔

ظاہر ہے کہ "مصطلحات علمیہ" میں سائنسی مصطلحات کم ہیں کیونکہ اس ترتیب میں دانستہ طور پر زور ان مصطلحات پر دیا گیا ہے جو کلاسیکی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ کتاب جدید سائنس کی کتاب نہیں بنیادی طور پر کلاسیکی عربی علوم و فنون اور معقولات و منقولات کے ضمن میں کوئی ڈھائی ہزار ایسے الفاظ و مصطلحات کی مختصر شرح ہے جن کا جاننا بطور خاص اردو داں طالب علموں استادوں مفکروں اور لکھنے والوں کے لئے ضروری ہے اگر اس سے قرار واقعی استفادہ کیا جائے تو نہ صرف آج کے بہت سے سننے اور پڑھنے والے بلکہ سوچنے والے بولنے والے اور لکھنے والے بھی خبط مطلب اور غلط مباحث سے بچ جایا کریں گے۔

اللہ تعالےٰ غازی محی الدین اجمیری مرحوم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ وہ اردو کو اور اردو کے ذریعے نہ جانے کتنے لوگوں کو علم کے وہ ذخیرے دے گئے جو عربی فارسی نہ جاننے والوں کو معلوم ہی نہ تھے۔ اور واضح رہے کہ آج کل ایسی دقت طلب ہی کیا آسان ترین تصنیفات و تالیفات کے جو سرکاری معاوضے سنے جاتے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے ہم انہیں اتنے بڑے کام کا کوئی معاوضہ نہیں پیش کر سکے۔ ان ڈھائی سو صفحات اور پورے دو سال محنت کے عوض انہوں نے ہم سے پانچ ہزار روپے سے زیادہ وصول نہیں کئے تھے۔ ان کو اصل اجر اللہ تعالےٰ سے مل رہا ہوگا۔ اس بات کا ذکر ہم نے دانستہ اس امر پر زور دینے کے لئے کیا ہے کہ دوسرے اہل دل کو بھی معلوم رہے۔

جیسا کہ آپ خود غازی صاحب مرحوم کے تبصرے میں دیکھیں گے ان کا کام بڑھ رہا تھا اور بہت سے الفاظ اور مصطلحات جن پر کام ہو چکا تھا یا ہو رہا تھا۔ اس کتاب میں شامل نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب حریف مئے مردافگن عشق کون ہوتا ہے۔

تعارف

ان ابهی درر تنظیم بنیان البیان وتشنیف اذان
الاذهان حمد مبدع خلق الانسان وعلمه البیان
والصلوٰة والسلام علی افصح الناطقین وابلغ الخلائق
اجمعین سیدنا ومولٰینا محمد وآله الانجبین
واصحابه الاکرمین۔

مخدوم محترم جناب غازی محی الدین صاحب (عرف پیارے میاں صاحب) عمدۃ المحققین زبدۃ المدققین شیخ اجل علامۃ الہند معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علاتی بھائی تھے اور ان ہی کی آغوشِ تربیت میں پلے بڑھے تھے۔ ابتدا سے انتہا تک تمام علوم و فنون میں بلا شرکتِ غیرے ان ہی کے شاگردِ رشید تھے۔ ذہن و ذکا میں آپ اپنی نظیر تھے۔ جرأت و بے باکی اور شجاعت و بے خوفی کچھ تو ورثہ میں ملی تھی اور بہت کچھ علامۃ الہند جیسے بطلِ جلیل بھائی کے فیضِ صحبت نے ان کے اندر پیدا کر دی تھی۔

غازی صاحب مرحوم نے تعلیم سے فراغت کے بعد مسندِ درس و تدریس پر متمکن ہونے کے بجائے میدانِ سیاست کو اپنی جولاں گاہ بنایا۔ انھوں نے ابتداءً اجمیر شریف کی مقامی سیاست میں حصہ لیا۔ پھر بہت ہی جلد ملکی سیاست کے ایک زعیم کی حیثیت سے اسلامیانِ ہند کی قیادت سنبھال اور "خلافت" کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے مولٰینا شوکت علی مرحوم کے دستِ راست بن کر ملک و ملت کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ تحریکِ پاکستان میں بھی انھوں نے

مسلم لیگ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، اجمیر شریف اور راجپوتانے میں تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے میں جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ان میں مرزا عبدالقادر بیگ مرحوم اور غازی محی الدین صاحب مرحوم کے نام ہمیشہ سرفہرست رہیں گے۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد غازی صاحب مرحوم پاکستان آگئے اور حیدرآباد سندھ میں قیام پذیر ہوئے اور عملی سیاست سے گویا کنارہ کش ہوگئے۔ پھر غالباً ۶۳ء میں جامعہ محمدی جھنگ میں پرنسپل کی حیثیت سے علمی خدمت پر فائز ہوئے۔ اور پورے چالیس سال تک سیاست سے وابستہ رہنے کے بعد علمی مسند سنبھال لی۔ اسی زمانے میں غازی مرحوم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ طلبہ کو زیادہ تر مشکلات کا سامنا اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ وہ علمی مصطلحات سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے اور یہ دشواری دوسرے پڑھے لکھوں کو بھی پیش آیا کرتی ہے۔ اس لیے اردو زبان میں ایک ایسی کتاب کا مرتب ہونا ضروری ہے۔ جس سے اہل علم کی اس دشواری کا ازالہ ہوجائے۔ چنانچہ غازی صاحب مرحوم نے پیرانہ سالی اور دوسرے بہت سے موانع کے باوجود قلم و قرطاس کو دعوت دی اور چند ماہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سال کی قلیل مدت میں پیش نظر کتاب مرتب فرمادی۔ اس کتاب کی تالیف میں محترم جناب ممتاز حسن صاحب مرحوم (سابق سیکرٹری وزارت مال حکومت پاکستان) اور محترم جناب جمیل الدین عالی صاحب کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کو بہت بڑا دخل ہے۔

افسوس ہے کہ غازی صاحب مرحوم کی اچانک وفات نے اس امر کا موقع نہیں دیا کہ وہ اپنی اس تالیف پر نظر ثانی فرماسکیں ورنہ یہ کتاب اور زیادہ وسیع، جامع اور محققانہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع خلائق بنائے اور مرحوم کے اس صدقہ جاریہ کو ان کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔

(اللھم آمین)

منتخب الحق

۳ر جولائی ۱۹۷۸ء

عربی علوم و فنون، معقولات و منقولات کے مخصوص الفاظ و مصطلحات

اُن کے مفاہیم و معانی

اور

شرح

ہر علم و فن کی مخصوص مصطلحات ہوا کرتی ہیں اور کچھ مخصوص الفاظ ہوتے ہیں جن کے علمی و فنی مفاہیم و معانی اس سے قدرے مختلف ہوتے ہیں جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں، عربی علوم و فنون خواہ منقولات ہوں، یا معقولات' یا علوم الٰہیہ ان سب میں جو مصطلحات اور الفاظ جا بہ جا بکثرت سے استعمال ہوتے رہتے ہیں ان کی تشریح اور مفاہیم و معانی کی وضاحت مصنفین اپنی اپنی مصنفہ کتب میں کسی ایک جگہ کر دیتے ہیں۔ بعض مصنفین ایسا بھی نہیں کرتے بلکہ اپنے پیش رو مصنفین کی تشریح و وضاحت کو کافی سمجھ لیتے ہیں۔ اب طالب علم کہاں سے کتاب لائے' اور اُس کے اوراق میں کہاں تشریحات و معانی تلاش کرتا پھرے

سارے متداول عربی علوم و فنون خاص کر حکمت و فلسفہ بجائے خود ایک مشکل فن ہے۔ اس میں الٰہیات' طبیعیات' ریاضیات، مجردات و مادیات' علویات و سفلیات' افلاک و عناصر اور اُن سے زیادہ دقیق، نازک اور مشکل سے مشکل مسائل زیر بحث آتے ہیں۔ علم و فن کے شائقین اور طالبین علوم کو اُن مصطلحات اور مخصوص الفاظ کی تشریح کسی ایک جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بڑی پریشانی لاحق ہوتی ہے' بے شمار مصطلحات کی تشریح اور مخصوص فنی الفاظ کے مفاہیم و معانی کو وہ کہاں تک ذہن میں محفوظ و مستحضر رکھ سکتے ہیں۔

عربی زبان کی دو ایک کتابوں میں بلا شبہ اِن مصطلحات میں سے بیشتر کی تشریح یکجائی طور پر کی گئی ہے۔ لیکن اولاً تو یہ کتابیں کمیاب بلکہ نایاب ہیں اور طلبہ کی دسترس سے باہر

دوسرے ان عنقا صفت کتابوں کے مؤلفین تشریح و وضاحت کو وسعت دیتے ہوئے اس قدر دور تک لے گئے ہیں، اور انھوں نے ایک ایک لفظ اور ایک ایک اصطلاح کی تشریح اس قدر متضاد الفاظ اور مختلف انداز میں کی ہے کہ یہ تشریح بجائے خود ایک معمہ اور چیستان بن گئی ہے اور الفاظ و مصطلحات کے مفاہیم و معانی خود تشریح کی روشنی میں گم ہو کر رہ گئے ہیں جن کو پڑھ کر طالب علم حیران و درماندہ اور کورا کا کورا رہ جاتا ہے اور اس کا خواب تعبیرات کی کثرت سے اور زیادہ پریشان ہو جاتا ہے۔ مزید برآں اردو زبان میں ان مصطلحات کا نہ ہونا بجائے خود بہت بڑی کمی تھی۔ جس کو اب سے بہت پہلے پورا ہو جانا چاہیے تھا۔ ان وجوہ کے پیشِ نظر اس مشکل کو حل کرنے کی ایک سعی نا تمام کی گئی ہے اور حروفِ تہجی کے لحاظ سے مصطلحات کی تشریح اور الفاظ مخصوصہ کے معانی و مفاہیم سہل سے سہل اردو میں کم سے کم الفاظ میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر علم و فن کے طلبہ اور اسکالرز عربی علوم و فنون کے تمام شعبوں میں ضروری حد تک اجمالی بصیرت پیدا کر لیں گے اور وہ اہلِ علم کی زبان اور کتابوں کا مفہوم سمجھ سکیں گے

یہ ظاہر ہے کہ مصطلحات اور تشریح طلب الفاظ کی حد و نہایت نہیں ہے، ان سب کا احاطہ کرنے اور قیدِ تحریر میں لانے کا کوئی شخص دعویٰ نہیں کر سکتا۔ تاہم قارئین دیکھیں گے کہ جہاں تک موجودہ دور کے مروجہ علوم و فنون عربی کا تعلق ہے، اس مجموعے میں بڑی وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ ان کا احاطہ کیا گیا ہے اور کم و بیش تین ہزار مصطلحات کی تشریح سہل اردو زبان میں کر دی گئی ہے۔ مزید برآں ہر اصطلاح سے متعلق مختلف الخیال مصنفین کی متضاد و مختلف تعبیرات کو پیشِ نظر رکھ کر ایک ایسی حدِ مشترک اور ایسا قابلِ قبول مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سب کی تعبیرات مجموعی طور پر اس میں سمو دی گئی ہیں۔ مثلاً آپ ایک حکمت کی اصطلاح کو لیجیے اور مختلف مصنفین کی ایک دوسرے سے مختلف تعبیرات و تشریحات کو ملاحظہ فرمائیے۔ کسی فاضل نے موجوداتِ خارجی و ذہنی کے واقعی اور نفس الامری حالات کو جان لینے کا نام حکمت رکھا ہے۔ کسی نے موجودات میں سے صرف خارجی موجودات کو داخل کیا ہے اور ذہنی موجودات کو خارج کر دیا ہے۔ کسی نے بقدر طاقتِ بشری کی قید لگا دی ہے اور کسی نے اس کی بجائے بقدر طاقت اوساط الناس کی قید شامل کر دی ہے۔ ہر ایک مصنف کی تعریف پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں اور ایرادات کا لامتناہی

سلسلہ ختم ہونے پر نہیں آتا۔ جن کی وجہ سے کوئی معنی منقح اور متعین نہیں ہو پاتے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس مجموعے میں حکمت کی تعریف جن جامع الفاظ میں پیش کی گئی ہے، اس میں تمام مصنفین و فلاسفہ کا نقطۂ نظر مشترکہ طور پر آ گیا ہے اور سارے اعتراضات و ایرادات رفع ہو گئے ہیں۔ عصرِ حاضر میں علوم و فنون ترقی کی جس معراج پر پہنچ چکے ہیں اُن کے مقابلے میں قدیم علوم و فنون کی جو حیثیت رہ جاتی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ آج کے تمام ترقی یافتہ علوم و فنون کی بنیاد اور خشتِ اول وہی علوم و فنون ہیں جو قدیم کہلاتے ہیں اور جن کو مختلف زمانوں میں مختلف زبانوں سے ا ِز بان میں منتقل کر لیا گیا تھا۔ اس دور کے علم و فن کی ساری درخشانیاں اور تابانیاں اُنھیں قدیم علوم کی رہینِ منت اور اُنھیں کی اساس پر قائم ہیں۔ لہٰذا عصرِ حاضر کے دانش وروں کے لیے بھی قدیم علوم و فنون سے واقفیت ناگزیر ہے۔ اس مجموعے میں غیر ضروری اور از کار رفتہ قسم کے الفاظ اور عام طور پر شہرت پذیر اور معلوم عوام مصطلحات کو قلم انداز کر دیا گیا ہے اور صرف اِن مصطلحات کو جگہ دی گئی ہے جو موجودہ دورِ علمی کی ضروریات و مقتضیات کے مطابق اور طالبین علوم و فنون کے لیے ناگزیر تھیں۔ تاہم اس امر کی ضرورت ہے کہ عصرِ حاضر کے ماہرین علوم و فنون اس مجموعے پر ناقدانہ نظر ڈالیں اور کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کی نشاندہی فرمائیں تاکہ اُن کی اصلاح و درستی کی جا سکے۔ ع

ماعلینا یا اخی الا البلاغ

محی الدین غازی اجمیری

اعتذار

چند سالہ ذہنی کاوشوں اور دماغی تراوشوں کے ثمرات اہلِ علم و طالبان علوم کی خدمت میں پیش ہیں۔ یہ ثمرات تلخ ہیں یا شیریں اور علوم وفنون معقولات ومنقولات کا یہ افشردہ طالبین علوم وفنون کے علمی ذوق کو کس حد تک تسکین و سیرابی دے سکے گا اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی کر سکیں گے۔

کم وبیش ڈھائی ہزار علمی مصطلحات کی تشریح اور فنی الفاظ کے معانی ومفاہیم اس وقت مکمل ہو چکے تھے جن کو یارانِ نکتہ داں کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ ابھی بہت سی مصطلحات اور صدہا الفاظ تشریح طلب متفرق پرزوں اور پرچوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ جن کی تکمیل اگر ہو گئی تو اُن کو آئندہ متوقع اشاعت میں شامل کر دیا جائے گا۔

یہ مہم ایک ایسے طالب علم نے سر کرنے کی جسارت کی ہے جو کسی علم وفن میں ماہر قطعاً نہیں ہے اور جس کی حد تام صرف اس قدر ہے کہ وہ ایک خام کار اور برائے نام طالب علم ہے۔ مصطلحات و علمی الفاظ کے مفاہیم ومعانی کی بتیین اور ان کی تشریح کے ضمن میں فروگذاشتیں اور لغزشیں لازماً نظر آئیں گی، ماہرینِ علم وفن سے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ

اگر من ناتواں ہستم ۔۔۔۔

تو بہ من چوں جواں مرداں نظر کن

جن کوتاہیوں اور غلطیوں کی نشاندہی کی جائے گی اُن کی درستی آئندہ اشاعت میں کر دی جائے گی۔

محی الدین غازی اجمیری

ماخذ
"مصطلحات علوم وفنون عربیہ"

تمتع زہر گوشۂ یافتم ۔۔۔ زہر خرمنے خوشۂ یافتم

اس کتاب کے بیشتر مضامین ومقالات اور مصطلحات کے مفاہیم ومعانی کی تعیین وتبیین اور تشریح مختلف علوم وفنون کی کتب ذیل سے اخذ کی گئی ہے اور کچھ تشریحات ان بیانات اور تقاریر پر مبنی ہیں جو دورانِ درس یا مختلف صحبتوں میں اساتذہ کرام سے مسموع ہوئی تھیں اور جو ذہن ودماغ میں محفوظ رہ گئی تھیں۔

تفاسیر

تفسیر جلالین (از جلال الدین سیوطی) تفسیر مدارک (از ابو البرکات عبداللہ ابن احمد بن محمود نسفی) تفسیر بیضاوی (از ناصر الدین ابو الخیر عبداللہ ابن محمد ابن علی) تفسیر کشاف (از جار اللہ زمخشری) تفسیر کبیر (از امام فخر الدین رازی) تفسیر بحر مواج (از قاضی شہاب الدین دولت آبادی) اور ترجمان القرآن (از ابو الکلام آزاد)

احادیث

مشکوات شریف (از ولی الدین خطیب) صحاح ستہ (۱) سنن نسائی (از امام احمد بن شعیب بن علی) (۲) سنن ابن ماجہ (از امام محمد بن یزید بن ماجہ) (۳) صحیح مسلم (از امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج) (۴) ترمذی (از امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی) (۵) ابو داؤد (از ابو داؤد سجستانی (۶) صحیح بخاری (از محمد اسماعیل بخاری) عینی شرح بخاری (از بدر الدین عینی) موطا امام مالک موطا امام محمد۔

اصول حدیث

نخبۃ الفکر، شرح نخبۃ الفکر (از عسقلانی)

فقہ

کنزالدقائق (از صدرالشریعہ یا تاج الشریعہ) شرح وقایہ (از صدرالشریعہ) ہدایہ (ازمرغینانی)، فتاوائے عالمگیر (از متعدد علماء)

اصُول فقہ

اصول شاشی (از نظام الدین شاشی) نورالانوار (از ملا احمد جیون شیخ احمد) حسامی (از حسام الدین)، تلویح توضیح (تلویح شرح توضیح از علامہ تفتازانی، توضیح از صدرالشریعہ عبیداللہ ابن مسعود) منہاج الاصول (از قاضی بیضاوی) تنویرالمنار (از علامہ حکیم سید برکات احمدؒ)

کلام و عقائد

شرح عقائد نسفی (از علامہ تفتازانی) شرح عقاید جلالی (از جلال الدین دوانی) شرح عقائد خیالی (از احمد موسیٰ خیالی رومی) فصل الخطاب (از علامہ حکیم سید برکات احمدؒ) الکلام و علم الکلام (از علامہ شبلی نعمانی) مسئلہ جبر و قدر (از علامہ حکیم سید برکات احمدؒ) امتناع النظیر (از علامہ حکیم سید برکات احمدؒ)

تصوّف و اخلاق

کشف المحجوب (از شیخ علی ہجویری داتا گنج بخشؒ) مثنوی مولانا روم، اخلاق جلالی (از محقق دوانی) فتوحاتِ مکیہ و فصوص الحکم (از محی الدین ابن عربی) احیاء العلوم عربی و کیمیائے سعادت (از امام غزالی)

فن میراث

کتاب الفرائض (سراجی) (از سراج السجاوندی) شریفیہ (از میر سید شریف جرجانی)

صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع وغیرہ

شافیہ و کافیہ (از ابن حاجب) شرح جامی (از مولانا جامی) مختصر المعانی و مطول (از علامہ تفتازانی) و متعدد کتب فنون فصاحت و بلاغت۔

منطق

مرقات (از علامہ فضل امام خیرآبادی) شرح مرقات (از علامہ عبدالحق خیرآبادی)۔

شرح شہید بیطار قطبی (از قطب الدین رازی) میر قطبی (از سید شریف جرجانی) ملا حسن (از ملا محمد حسن) حمد اللہ (از حمد اللہ سندیلوی) رسالہ میر زاہد ملا جلال (از میر زاہد ہروی) شرح مسلم بحر العلوم (از مولٰنا عبد العلی بحر العلوم) قاضی مبارک (از قاضی محمد مبارک گوپاموی) در حواشی قاضی مبارک از محققین فضل حق عبد الحق فترا ادن القول انصاری (از علامہ برکات احمدؒ) رسالہ دیو دالبطی (از علامہ حکیم سید برکات احمدؒ)

فن ہیئت اقلیدس

تحریر اقلیدس جملہ مقالات (از نصیر الدین طوسی) تصریح (از بہاء الدین عاملی) ملخص فی الہیئت (از محمود ابن محمد چغمینی) شرح چغمینی (از قاضی زادہ رومی) رسالہ الطہ لابت (از رسالہ اگر ساؤذی سیوس (از ساؤذی سیوس)

طب

موجز (از علاء الدین قریشی) سدیدی (از ملا سدید الدین) نفیسی (از ملا نفیس ابن عوض) شرح اسباب (از نفیس الدین کرمانی) قانون شیخ (از ابن سینا) و دیگر کتب طب عربی فارسی و اردو

تاریخ و سیر

سیرۃ النبیؐ (از شبلی و سید سلیمان ندوی) و دیگر متعدد کتب سیر عربی فارسی اردو

حکمت و فلسفہ طبیعیات و الہیات

ہدیہ سعیدیہ (از علامہ فضل حق خیرآبادی) الجواہر الثانیۃ (از علامہ فضل حق) میبذی (از حسن ابن معین میبذی) شرح ہدایت الحکمت (از علامہ عبد الحق خیرآبادی) زبدۃ الحکمت (از عبد الحق خیرآبادی) رموز الحکمت (از مولٰنا محمد شریف اعظم گڑھی) صدرا (از صدر الدین شیرازی) شمس بازغہ (از ملا محمود جونپوری) اشارات (از شیخ الرئیس) شرح اشارات (از رازی و طوسی) محاکات (از قطب الدین رازی) شفاء شیخ الرئیس الدقق الیمین (از میر باقر داماد) الحجۃ البالغہ (از علامہ حکیم سید برکات احمدؒ) معارف اسلامیہ قلمی (از علامہ حکیم سید برکات احمد ؒ)

عشرۂ کاملہ (از برکات احمدؒ) امام الکلام فی التحقیق حقیقۃ الاجسام (از علامہ برکات احمدؒ) نبراس الحرکت (از برکات احمدؒ) اتقان العرفان (از برکات احمدؒ مترجمہ حکیم محمود احمد برکاتی) تحقیق انیق (از برکات احمدؒ) رسالہ مبحث وجود خارجی (از برکات احمدؒ) ہیاکل النور (از شیخ الاشراق) شرح ہیاکل النور (از جلال الدین محقق دوانی) احسن الکلام (از علامہ محمد احمد الہاشمی البرکاتی مرحوم) آئینہ افلاک (از مولینا حکیم سید محمود احمد برکاتی نبیرہ علامہ حکیم سید برکات احمدؒ)

کُتبِ مصطلحات

دستور العلماء عربی (از فاضل عبد النبی احمد نگری) التعریفات (از جرجانی) مصطلحات عرفاء و شعراء، فرہنگ مصطلحات و دیگر متعدد کتب مصطلحات عربی۔

متفرق کُتب

حجۃ اللہ البالغہ (از شاہ ولی اللہؒ) اسفار اربعہ (از صدر الدین شیرازی) عقلیات و متعدد کتب ابن تیمیہؒ و ابن قیمؒ و ابن رُشدؒ جملہ تصانیف و تالیفات نیرین الاعظمین (ابو الکلام و اقبال)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

الف

اللّٰہ :- اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کا نام ہے جو واجب الوجود ہے اور تمام صفاتِ کمالیہ کی جامع ہے اور ہر قسم کے نقص و زوال سے پاک و صاف اور بری ہے۔

آل :- اس کی اصل اہل ہے۔ اہلِ لغت کا کہنا ہے کہ آل صرف شرفاء کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اہل اشراف و ارذال سب کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً اہلِ لغت کے علی الرغم اہل الحجام کہہ سکتے ہیں۔ آل الحجام نہیں کہہ سکتے۔ آلِ نبی آلِ رسولؐ کہہ سکتے ہیں۔ اہلِ نبی اہلِ رسول نہیں کہہ سکتے۔ اہلِ لغت کی یہ تفریق محض شاعرانہ ہے کیونکہ ہم 'آل' کا اطلاق اللہ پر نہیں کر سکتے بلکہ اہل اللہ اور اہلِ بیت رسول اللہ اور اہلِ لغت بولا ہی کرتے ہیں۔ اگر اہل ارذال کے لیے مخصوص ہوتا تو اہلِ لغت کم از کم اپنے لیے اہلِ لغت کہلانا کب پسند کرتے لفظ اہل زمان و مکان کی طرف منسوب ہو جاتا ہے لفظ آل منسوب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اہلِ کراچی اہل زبان کہہ سکتے ہیں آل کراچی۔ آل زبان نہیں کہہ سکتے۔

آفاق افق :- کنارۂ آسمان۔ وہ دائرۂ عظیمہ جو فلک کے ظاہر و مخفی یعنی دکھنے اور نہ دکھنے والے حصہ کو جدا کر دیتا ہے اور سمت الراس و سمت القدم کو جو خط ملانے والا ہے اس پر عموداً پڑتا ہے اور اس کے قطبین سمت الراس و سمت القدم ہیں۔

آن :- زمانے کے دو مفروضہ اجزاء کے درمیان فصل متوہم یا ماضی و مستقبل کے درمیان حدِ فاصل یا وہ لمحہ جس میں ہم موجود ہیں۔

آثار : علامات و افعال طبعی

ابداع :- ابداع۔ ابتداع۔ اختراع۔ صنع۔ خلق۔ احداث۔ تکوین۔ انشاء۔ ایجاد۔ بداء۔ جعل۔ فطر۔ فعل۔ قدرے فرق کے ساتھ قریب قریب مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں۔

ابتداع و اختراع کو ابداع کے ساتھ ترادف کلی ہے۔ الا یہ کہ ابتداع کا تعلق حکمت سے ہے اور اختراع کو قدرت سے مناسبت ہے اور ابداع میں جامعیت ہے یعنی اس میں حکمت و قدرت دونوں ملحوظ و شامل رہتی ہیں۔

ابداع کا مفہوم ہے "بلا ساز و سامان و مواد اور میٹریل " بغیر کسی سابقہ نمونے، مدت اور بلا کسی آلے کی وساطت کے شے کو موجود کر دینا۔ جو عدم زمانی سے مسبوق یعنی مابعد نہ ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر "صُنع " ابداع کا مقابل ہے جو مسبوق بالاسباب والزمان اور مسبوق بالعدم ہوتا ہے جس کی تشریح شرح اشارات میں درج ہے۔

ابداع کی یہ تشریح حکماء کے مسلک پر ہے۔ جہاں تک متکلمین کا تعلق ہے، وہ ماسوا اللہ کو حادث زمانی قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ابداع کی تشریح یہ ہے کہ کسی شئے کو عدم محض سے بلا مسبوقیت اسباب و مواد وجود میں لانا۔

" خلق " کے معنی میں مواد اور ساز و سامان بھی شامل ہے۔ یعنی تخلیق ساز و سامان اور مواد کے ذریعے بھی گویا شئے سے شئے پیدا ہونے کی صورت میں خلق کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے خلق ابداع اور صُنع دونوں سے عام ہے

احداث" میں چیز سے مسبوقیت یعنی بعدیت اور مسبوقیت زمانی کا متبادر ہوتا ہے۔ حدوث کی ایک قسم حادث ذاتی بھی ہے جو قدم کی حدود سے جا ملتی ہے۔ اس میں اور قدم میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ مثلاً تالہ کھولتے وقت ہاتھ اور کنجی دونوں بیک وقت حرکت میں آتے ہیں۔ ان ہر دو متحرکین کے مابین زمانی تقدم و تاخر بالکل نہیں ہوتا۔ تاہم ہاتھ کی حرکت کو ذاتی تقدم اور کنجی کی حرکت کو ذاتی تاخر ضرور ہوتا ہے۔

عرفی شیرازی نے مبدع و خالق الکل کے قدم ذاتی اور اس کی اولین بدع و تخلیق کی حدوث ذاتی کا تعلق کس خوبصورتی کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ وہ اس تخلیق اول کی مدح سرائی میں رطب اللسانی کرتے ہوئے کیسی عمیق بات کہہ گیا ہے۔

تقدیر نشانید بیک ناقہ دو محمل
سلمائے حدوث تو و لیلائے قدم را

گویا حدوثِ ذاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیلا سے قِدم کا ہم نشین اور ساتھی بنا دیا (وہو بالرفیق الاعلیٰ)

"تکوین" (شارح مواقف کے حسب تصریح) قدرت تخلیق کی وہ پُر تاثیر کیفیت کہلاتی ہے جس کے بعد مخلوق کا وجود منتظر التحصیل نہیں رہتا۔ گویا وجُودِ خلق کے لیے تکوین علت موجبہ ہے اور کن فیکون تاثیر رکھتی ہے

اِذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون

انشاء: نام ہے اس چیز کا جو شئے میں بالقوۃ یعنی آئندہ کے لیے مخفی اور ودیعت ہوتی ہے۔ اس کو فعلیت میں لے آنے اور حاضر و موجُود کر دینے کا نام انشاء ہے۔ یہ فعل میں آجانے والی شئے مادے اور مدّت سے مسبوق و مابعد ہوتی ہے۔

ایجاد: وجود عطا کرنے کے معنی دیتا ہے۔

براءۃ کے معنی ہیں کسی شئے کا مصلحت کے موافق پیدا کرنا۔ جعل، اور خلق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ عمل پر عامل کا اثر ہوتا ہے۔ البتہ جعل کی ایک قسم جعل بسیط ایسی ہے۔ جو حدود ابداع کو چھو لیتی ہے۔

فطر = میں احداث دفعتاً ہوا کرتا ہے اور صرف آفرینش کے معنی دیتا ہے۔

فعل = کے معنی ظاہر ہیں یعنی کسی مبداء سے کسی امر کا صدور ان تمام مشترک متقارب المعنی الفاظ و مترادفات میں ترادف کلی ہو یا جزوی۔ مرتبے کے لحاظ سے ارفع اور بلند ابداع ہے۔ جس کا اطلاق صرف حق تعالیٰ جل مجدہ کی ذات مجتمع الصفات تک محدود و محصور اور مخصوص و منحصر ہے۔ کسی دوسرے پر اس کا اطلاق کیا ہی نہیں جا سکتا۔

اللہ بدیع السمٰوات والارض

ابدالآباد: — اول سے آخر تک ازل سے ابد تک ابتداء سے انتہا تک بلکہ لا انتہا اور لا الی نہایۃ تک وجُود سرمدی کا پھیلاؤ

ابد: — جس کی انتہا نہ ہو اور جس کا وجود مستقبل کی جانب ناقابل اندازہ اور ناقابل شمار حد تک پھیلا ہوا ہو اور غور و فکر کے بعد بھی جس کی انتہا کا پتہ نہ چل سکے

ابدیت :- ہمیشگی دوام جانب مستقبل میں زوال ناپذیری

ابدی :- عالم آخرت (دیکھو ازلی)

ابتدا :- باصطلاح علم نحو، عامل مبتدا۔ یعنی اسم کا عوامل لفظی سے خالی ہونا ہی عامل ابتدا ہے اس کا پہلا جزو مبتدا، اور مسند الیہ کہلاتا ہے اور دوسرے جزو کو خبر اور مسند کہتے ہیں۔

ابتدا حقیقی : جو ہر چیز سے پہلے ہو جیسے قرآن مجید میں بسم اللہ

ابتداء عرفی : جو مقصود سے پہلے ہو جیسے الحمد للہ جو مقصود یعنی قرآن میں سب سے مقدم اگرچہ بسم اللہ کے بعد ہے۔

اباحت : ایسا فعل کہ جو فی نفسہ جائز ہو اور اس کے کرنے نہ کرنے میں فاعل مختار ہو۔

ابسط الموجودات : اس سے عقل اول مراد ہے کہ ذات واجب الوجود کے علاوہ دوسرے تمام موجودات سے ابسط ہے۔

ابعا ثلثہ : طول عرض عمق (لمبائی، چوڑائی، گہرائی)

ابیض : سفید رنگ۔ یہ حقیقی اور مجازی دو طرح کا ہوتا ہے۔ دودھ کا رنگ ابیض حقیقی ہے، پانی ابیضِ مجازی مانا جاتا ہے۔ اس لیے کہ پانی درحقیقت بے رنگ ہے اور عام طور پر پانی جیسی بے رنگ اشیاء کو بھی سفید اور ابیض مجازاً کہہ دیا جاتا ہے۔

ابیض حقیقی : دیکھو ابیض

ابیض مجازی : دیکھو ابیض

ابدال : (بکسر الاول) رفع ثقل کی غرض سے ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینا

ابلیس : ابلیس اور شیطان ایک ہی شخصیت کے دو پیکر اور پرتو ہیں ابلیس کا مفہوم مکاری، فریب کاری دغابازی کا پہلو لیے ہوتے ہوتا ہے اور شیطان میں باطل کوشی، ناحق پرستی، سچائی سے دوری کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں۔

اتصال : اصطلاح تصوف میں محب کے وجود کا فنا ہو کر ذاتِ محبوب میں جذب ہو جانا اور بقائے دوام حاصل کر لینا ہے۔ اتصال شہودی اور وجودی دونوں قسموں کا ہوتا ہے۔ شہودی میں دل کے قفل اور قلب کی گرہیں کھل جاتی ہیں اور سربستہ راز منکشف ہو جاتے ہیں۔ اتصال

وجودی میں محب محبوب کی صفات تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے صفات سے متصف ہو جاتا ہے اور ان صفات کو اپنی ذات میں جذب کر کے متخلق با خلاق اللہ کا مصداق ہو رہتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ اس اتصال کا تحقق اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ خلق یعنی ماسوا اللہ سے رشتہ منقطع اور قطعی انفصال ہو جاتے۔

اتصال شہودی : (دیکھو اتصال)

اتصال وجودی : (دیکھو اتصال)

اتصال حقیقی : بالفعل اجزائے مقداریہ کا نہ پایا جانا

اتصاف : ایک شئے کا کسی دوسری شئے میں قیام اور ایک کا دوسری سے متصف ہونا

اتصاف انضمامی : موصوف اور صفت ظرف اتصاف میں موجود ہوں۔

اتصاف انتزاعی ، موصوف ظرف اتصاف میں اس طرح ہو کہ اس سے صفت کا انتزاع صحیح ہو

اتقان : دلائل کا ان کے اسباب و علل کے ساتھ سمجھ لینا اور جزئیات کو قواعد کلیہ میں جکڑ بند کرنا یا کسی شئے کا پورے طور پر جان لینا۔

اتحاد : دو چیزوں کا ایک دوسرے کے ساتھ وجود میں مشترک ہو جانا۔ دو ذاتوں کا ایک ہو جانا اس طرح کہ امتیاز باقی رہے ۔ عددی اتحاد دو یا دو سے زیادہ اعداد میں بھی ہو سکتا ہے۔ اتحاد جنسی، مجانست کہلاتا ہے۔ اتحاد نوعی مطابقت ۔ اتحاد خاصہ مشاکلت اتحاد کیفی، مشابہت، اتحاد کمّی ، مساوات، اتحاد ظرفی، مطابقت، اتحاد فی الاضافت، مناسبت، اتحاد وضع مخصوص میں موازنت کہلاتا ہے ۔

اتمام :۔ تمام کی جمع ہے ۔اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اب مزید کسی شئے کی ضرورت نہیں رہی۔

اتفاقیہ : قضیۂ شرطیہ کی ایک قسم ہے جس میں بر تقدیر صدق مقدم تالی کے صدق کا حکم کر دیا جاتا ہے۔ یوں بھی تعریف کی جاتی ہے کہ اس میں فقط تالی کے صدق کا حکم کر دیا جائے اب مقدم صادق ہو یا کاذب پہلی تعریف کی بناء پر اتفاقیہ خاصہ کہلائے گا اور دوسری تعریف کی بنا پر اتفاقیہ عامہ۔ (مزید وضاحت کے لیے دیکھو متصلہ منفصلہ اور اقسام قضیۂ شرطیہ)

اتفاقیہ عامہ (دیکھو اتفاقیہ)

اتفاقیہ خاصہ (دیکھو اتفاقیہ)

اُثولوجیا (دیکھو الٰہی بالمعنی الاخص)

اثر : صحابی کا قول کہ رسول اللہ نے یوں فرمایا اور ایسا کیا۔

اثر : نتیجہ جو کسی شئے سے حاصل ہو یا علامت

اثم : گناہ جس سے شرعاً اور طبعاً احتراز کرنا چاہیئے۔

اثبات : تصوف کی اصطلاح میں احکام اور اوامر شرعیہ پر مضبوطی کے ساتھ قدم جمانے کا نام اثبات ہے۔ اثبات کا متقابل محو ہے اور نفی بھی۔ محو میں کلیتہً اور ابداً نفی ہوتی ہے اور نفی میں کلی اور ابدی نفی نہیں ہوتی۔

اجماع :۔ کسی امر دینی پر کسی خاص زمانے میں ارباب حل و عقد (مجتہدین) کا اتفاق کر لینا اور طلب مقصود میں سعی موفور یعنی کاوش اور جد و جہد کرنا اور دلائل قائم کرنا۔

اجماع مرکب : ماخذ میں اختلاف کے ہوتے ہوئے حکم میں ارباب حل و عقد کا متفق ہو جانا۔

اجل : وقت مقررہ پر موت کا آجانا۔

اجل طبعی : وہ موت جو تحلیلِ رطوبات اور حرارتِ غریزیہ کے بجھ جانے سے آجاتی ہے۔

اجل غیر طبعی : وہ موت جو کسی آفت ارضی و سماوی یا کسی حادثہ ناگہانی کی وجہ سے واقع ہو جائے۔

اجل اخترامی : اجل غیر طبعی کا دوسرا نام

اجتماع النقیضین : دو باہم متضاد و متناقض اشیاء کا اجتماع و یکجائی جو محال ہے۔

اجارہ : (دیکھو تملیک)

اجتماع ساکنین : دو ساکن حروف کا برابر برابر آجانا یہ علم صرف و نحو میں عام طور پر جائز مانا جاتا ہے لیکن اگر پہلا حرف مدہ ہو اور دوسرا اس میں مدغم ہو جائے۔ جیسے لفظ دَآبّۃ تو اس صورت میں اس کو اجتماع ساکنین علی حدّہٖ کہہ کر جائز قرار دے دیا جاتا ہے اور اس کے ماسوا سب صورتیں علی غیر حدّہٖ کہلاتی ہیں اور وہ سب باطل ہیں۔

اجتماعِ ساکنین علی حدّہٖ : (دیکھو اجتماعِ ساکنین)

اجتماعِ ساکنین علی غیر حدّہٖ : (دیکھو اجتماعِ ساکنین)

اجزاءِ حقیقی : وہ اجزا جو شئے کی حقیقت میں داخل ہوں اور ہر ایک کا وجود کل پر مقدم ہو اور آپس میں یا کل پر محمول نہ ہوسکیں اور اُن کے درمیان تلازمی رابطہ ہو۔ جیسے ہیولیٰ اور صورتِ جسمیہ کہ دونوں اجزاءِ جسم ہونے کے باوجود علیحدہ علیحدہ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں اور اُن کے مابین تلازمی رابطہ ہے کہ ہیولیٰ اپنے وجود میں صورتِ جسمیہ کا محتاج ہے اور صورتِ جسمیہ اپنے تشخص میں ہیولیٰ کی احتیاج مند ہے۔

اجزاءِ خارجی : وہ اجزاء جو شئے کی حقیقت میں داخل ہوں اور ہر ایک کا وجود کل پر مقدم ہو اور آپس میں یا کل پر محمول نہ ہوسکیں اور اُن کے درمیان تلازمی رابطہ نہ ہو ان کو اجزاءِ صناعی بھی کہتے ہیں۔

اجزاءِ صناعی (دیکھو اجزاءِ خارجی)

اجزاءِ اعتباری : وہ اجزاء جو تحلیل ذہنی کا نتیجہ ہوں

اجزاءِ ذہنی : وہ اجزاء ہیں جو ذہنی تحلیل کا نتیجہ ہوں اور ان کا وجود کل کے وجود سے متحد ہو اور آپس میں نیز کل پر محمول ہوسکیں۔ یہ اجزاء ایک وجود سے موجود ہوتے ہیں۔ جیسے حیوان اور ناطق کہ دونوں اجزاءِ انسان ہیں اور ایک ہی وجود سے موجود ہونے کے سبب سے ایک دوسرے پر محمول ہوجاتے ہیں۔ کیوں کہ اتحاد وجود باہم ایک دوسرے پر محمول ہونے کا سبب اور علّت ہے۔

اجزاءِ دیمقراطیسیہ : چھوٹے چھوٹے سخت ناقابلِ تجزیہ خارجی متشابہ الطبع مختلف الصور ذرات۔

اجزاءِ مقداریہ : کسی ذی مقدار شئے کے وہ تحلیلی اجزاء جو خود بھی ایک مقدار رکھتے ہوں یا اُن کا اتصال ایک مقدار کا سبب ہو۔

اجزاءِ متومہ : (دیکھو امورِ طبیعہ)

اجتہاد : جو حکم شرعی مقصود ہو، اس کے معلوم کرنے کے لیے قرآن و حدیث اور آثار میں

غور و فکر، کاوش اور سعی بلیغ کے ذریعے دلائل اور ثبوت فراہم کرنا۔

اجسامِ سفلیہ عنصریہ (اسطقسات) : اجسام عناصر (حکمت و فلسفہ میں عناصر کے لیے اجسام اور اسطقسات کے الفاظ بولے جاتے ہیں)

اجرام اثیریہ (فلکیہ) :۔ افلاک (حکمت و فلسفہ میں افلاک کے اجسام کو اجرام سے تعبیر کیا جاتا ہے)

اجرام فلکیہ: (دیکھو اجرام اثیریہ)

اجناس عالیہ :۔ مقولات عشرہ۔ ایک مقولہ جوہر ہے باقی نو مقولات عرض جن کو اس شعر میں جمع کر دیا گیا ہے۔ شعر

جوہر کم کیف انفعال این متی
مردے دراز نیکو دیدم بشہر امروز
اضافت و وضع فعل ملک
با خواستہ نشستہ اند کرد خویش فیروز

اجمال :۔ ایسا کلام مبہم جس سے متعدد معانی اخذ کیے جا سکیں۔

اجوف : جس کے حرف اصلی عین کی جگہ حرف علّت ہو اس کو معتل العین بھی کہتے ہیں۔

اجزاء مقداریہ : وہ اجزاء جو وضع کے اعتبار سے ایک دوسرے کے متباین ہوں

احاد (حدیث، جس میں رواۃ کا تسلسل منقطع ہو جائے یا جس کے راوی ایک دو سے زائد نہ ہوں۔

احاطہ : کسی شے کا اندر اور باہر سے جان لینا۔

احتکار : زیادہ سے زیادہ حصولِ منفعت کی نیت و غرض سے اشیاء خوردنی اور ضروریات و لوازم زندگی کو روکے رکھنا احتکار کہلاتا ہے۔ اس کو وسعت دے کر یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ دولت کو اس غرض سے جمع کرتے رہنا اور روکے رکھنا کہ اس سے غلہ اور دیگر اشیاء خوردنی اور لوازم زندگی بڑی مقدار میں ارزاں خرید کر مناسب وقت پہ گراں نرخ پہ

فروخت کی جا سکیں یا اس سے صنعتی کارخانوں اور دوسرے وسائل معیشت پر تسلط و قبضہ کرکے زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جا سکے۔

احتکار اور اکتناز اگرچہ مفہوم کے لحاظ سے مختلف ہیں لیکن دونوں کا منشا و مقصد سرمایہ کاری اور دنیا داری ہے۔ اسلام اجتماعی اور انفرادی دولت کے حصول کا کلیۃً مخالف نہیں۔ وہ جائز ذرائع سے اس کے کمانے پر بندش نہیں لگاتا لیکن وہ ایسے احتکار اور اکتناز اور ایسی سرمایہ داری کا سخت مخالف ہے اور اس کی بیخ کنی میں سب سے پیش پیش ہے جس میں دولت پر کسی ایک گروہ کا یا ایک شخص کا تسلّط و قبضہ ہو سے اور وہ مار گنج (خزانے کا سانپ) بن کر دولت کے انبار پر بیٹھ جاتے بلکہ وہ دولت کی واجبی تقسیم اور عام افراد انسانی میں اس کے پھیلاتے رہنے کا قائل و منادی ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے ایک طرف ربوٰ (سود کی ایک خاص قسم) کو حرام قرار دیا اور دوسری طرف، زکوٰۃ کے نظام کو جاری کرکے اس کو اپنے متبعین اور پیروکاروں کے لیے لازم و ضروری اور فرض قرار دے دیا۔ مزید براں انفاق فی سبیل اللہ کی اور متعدد راہیں کھول کر ان پر چلنے کی ترغیب دی اور صاف صاف فرما دیا۔ "لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون" تم بھلائی اور خوشحالی کی منزل تک پہنچ نہیں سکتے جب تک کہ اپنی عزیز سے عزیز متاع دنیوی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ دریافت کرتے تھے کہ فی سبیل اللہ کتنا خرچ کیا جائے۔ حق تعالیٰ نے رسول کی زبان سے جواب دلوا دیا کہ خرچ کرنے والے کی شدید و اشد ضرورت سے جس قدر زیادہ ہو وہ راہِ خدا میں غریبوں پر خرچ کر دیا جائے قرآن کی آیت "قل العفو" میں اسی جانب اشارہ ہے۔ اسی اشارہ کو اور اسی قسم کے دوسرے اشارات کو علامۃ المشرق اقبال نے خوب اجاگر کیا ہے ؎

قرآں میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں — اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک — اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

احتباس: جسم میں کسی مادہ یا رطوبت کا رک جانا۔ غذا کا اپنی جگہ مدت معینہ سے زیادہ دیر تک رک جانا

احتمال : کسی مسئلے کے مختلف اطراف اور متعدد پہلو

احد : اسم ذات موجود یگانہ از قبیل جنس یا غیر جنس کوئی جس کا شریک نہ ہو۔

احدیت : عماء، حقیقت الحقائق، جمع الجمع، ذات، مرتبہ اطلاق میں جب کہ اس کے ساتھ کوئی شے نہ ہو۔ اس مرتبہ میں تمام اسماء و صفات مستہلک یعنی فنا ہو جاتے ہیں۔

احداث : کسی شئے کا زمانے کے اندر پیدا کرنا، یا پیدا ہونا۔

احساس : حواس خمسہ ظاہری سامعہ باصرہ، ذائقہ شامہ لامسہ کے ذریعہ کسی شئے کا ادراک، اگر یہ ادراک حواس ظاہری میں سے کسی حس کے ذریعہ ہے تو وہ مشاہدہ ہے اور اگر حواس باطنی میں سے کسی حس کے ذریعہ ہے تو وہ وجدان ہے۔

احسان : عمل خیر۔ شریعت کی رو سے اللہ کی عبادت اس طرح کرنی کہ گویا ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں یا کم از کم یہ کہ وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔

احسان : منجملہ مکارم اخلاق ایک احسان بھی ہے۔ اس کی سب سے زیادہ مشکل اور خوش آئند شکل یہ ہے کہ بدی کے مقابلے میں نیکی کی جاتے۔ ؎

اگر مردی احسن الی من اساء

جواں مردی یہ ہے کہ بدی کے مقابلے میں نیکی کی جاتے (مزید تفصیل بذل میں پڑھو)

احصار : کسی شخص کا دشمن کے خوف سے یا قید ہو جانے کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے ارکان حج کی ادائیگی سے محروم رہ جانا۔

احکام شرعیہ : وہ کہلاتے ہیں جو شرع یعنی قرآن و حدیث اور اجماع امت سے صراحتاً یا باشارۃ النص یا باقتضاء النص ثابت ہوں۔ ان میں سے جو احکام کیفیتِ عمل سے متعلق ہوں وہ عملی اور فروعی احکام کہلاتے ہیں جو اعتقاد سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کو علم التوحید اور علم الصفات کہا جاتا ہے جس میں عملی احکام کے دلائل بالتفصیل بیان کیے جائیں وہ علم فقہ ہے اور جس علم میں احکام اجمالی دلائل کے ذریعے ثابت ہوں وہ علم اصول فقہ ہے جو دینی عقائد مفصل دلائل کے ساتھ بیان کیے جائیں وہ علم کلام میں شمار ہوتے ہیں۔

اخفش : اس نام کے تین ماہرین علم نحو گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک سیبویہ کا فاضل علم نحو

کا استاد تھا ایک شاگرد تھا اور ایک معاصر تھا۔

اخلاص : ہر کام صرف رضائے الٰہی اور اس کے تقرب کے لیے کرنا بے مزد و منت اور بلا نمائش و بلا غرض کرنا اور اس خاموشی اور خود فراموشی سے کرنا کہ کراماً کاتبین نامۂ اعمال میں لکھ نہ پائیں۔ شیطان مطلع ہو کر رخنہ اندازی نہ کر سکے اور خود اپنا نفس بھی اس سے باخبر نہ ہو سکے کہ نفس جذبۂ عجب تاک میں رہتا ہے۔ الغرض "اِن صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العالمین کو اپنا دستور و شعار بنا لینا چاہیے۔ جذبۂ اخلاص اللہ اور بندے کے مابین ایسا لطیف تعلق اور سربستہ راز ہے جس کا علم نہ تو کراماً کاتبین کو ہو سکتا ہے کہ وہ نامۂ اعمال میں درج کر سکیں۔ نہ شیطان اس پر مطلع ہو سکتا ہے کہ وسوسہ پیدا کر سکے اور نہ کوئی خواہش ہے کہ جو کسی دوسری جانب راغب کر سکے ؎

میان خالق و مخلوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

اخلاط : خلط کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی ملی ہوئی (مخلوط) چیزوں کے ہیں۔ بدن کی رطوبت اور اس کے سیال اجزا، اخلاط کہلاتے ہیں۔ اخلاط چار ہیں۔ خون۔ صفرا۔ بلغم۔ سودا۔ یہ چاروں اخلاط اگر جسم میں مناسب مقدار اور طبعی نسبت سے ہوں تو جسم صحت مند رہتا ہے اور اگر اخلاط میں نسبت طبعی باقی نہ رہے اور مقدار گھٹ بڑھ جاتے تو اسی نسبت و مقدار کے لحاظ سے صحت کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ اخلاط کی نسبت طبعی کے باب میں اطباء کے ایک طبقے کا خیال ہے کہ جسم میں خلط سودا ء سے دوچند صفرا۔ اور صفرا۔ سے دوگنا بلغم اور بلغم سے مضاعف خون ہونا چاہیے۔ بعض اطباء اس مقدار میں قدرے کمی بیشی کر دیتے ہیں۔

اخلاط اربعہ : (چار) سودا، صفرا، بلغم، خون

ادراک : اشیاء کا علم۔ قوت مدرکہ کے ذریعہ حقیقت کا متشکل و متمثل ہو جانا۔ شئے کو پورے طور پر جان لینا۔ نفس ناطقہ کے سامنے کسی صورت کا آ جانا۔ معقولات و

منقولات کی تہ تک علم کے ذریعے پہنچ جانے کے بعد نفس میں کیفیت ثبات و قرار کا پیدا ہو جانا - بایں ہمہ اس پر نفس یا اثبات کا حکم جاری نہیں ہوتا اور یہ ادراک تصور کی حد تک محدود رہتا ہے - اگر نفی یا اثبات کا حکم جاری کر دیا جاتے تو یہ تصدیق کہلائیگا۔

ادراک کی سب سے زیادہ مختصر اور خوب صورت تعبیر یہ ہے -

العجز من درک الادراک ادراکٌ

ادراک بسیطہ : کسی شے کی حقیقت کا اس طرح ادراک کہ ادراک کا شعور تک نہ رہے۔

ادراک مرکّب : کسی شئے کی حقیقت کا اس طرح ادراک کہ شعور ادراک باقی رہے

ادلہ قطعیہ : کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت، قیاس مجتہد -

ادا : فرائض و واجبات ان کے معینہ اور مقررہ اوقات میں انجام دینا -

ادویہ مرکّبہ : جو دوائیں چند دواؤں کو ملا کر بنی ہوں -

ادویہ مفردہ : وہ دوائیں جو اپنی قدرتی حالت پر ہوں اور دوسری دواؤں کے ساتھ ملائی نہ گئی ہوں۔

ادنیٰ : مقام ادنیٰ - "وھو بالافق الاعلیٰ، ثم دنیٰ، فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ -"

سورۃ النجم کی یہ آیت صاحب معراج کے عروج سے متعلق ہے - اس میں مقامات قرب ورفعت کی پانچ منزلیں بتلائی گئی ہیں -

"افق اعلیٰ دنیٰ تدلیٰ، قاب قوسین، ادنیٰ" پہلی منزل "افق اعلیٰ" مقام روح کی انتہا اور بارگاہ الوہیت و احدیت کی ابتدا ہے - دوسری منزل "مقام دنیٰ" قرب الٰہی کے مقام افق اعلیٰ سے بلند و بالا ہے۔

تیسری منزل مقام تدلیٰ بارگاہ الوہیت کی آخری منزل ہے اور افق اعلیٰ اور مقام دنیٰ سے بھی پرے اور آگے ہے۔

چوتھی منزل "قاب قوسین" ہے جو تینوں منزلوں سے آگے ہے - اور اس میں عبد و معبود کے مابین فاصلہ صرف کمان کے دو چلوں کے برابر رہ جاتا ہے۔

لیکن مقام ادنیٰ کی منزل وہ منزل قرب و رفعت ہے، جو مقامات اتحاد و اتصال بالحق (افقِ اعلیٰ - دنیٰ - تدلیٰ - قابَ قوسین) سے بھی وراء اور وراء الورا ہے مقام "قاب قوسین" میں امتیاز و اثنینیت کا جو شائبہ باقی رہ جاتا ہے وہ اِس مقام میں مشتبہ بلکہ گم ہو جاتا ہے - اور

من تو شدم تو من شدی

کا سا معاملہ ہو رہتا ہے - مشہور حدیث " من رآنی فقد راء اللہ " سے بھی اس پر روشنی پڑ رہی ہے - پھر......

مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

بھی اسی کی دلیل ہے -

بقول اقبال ؎

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست   رحمۃ اللعالمینی انتہاست
ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو   آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست   یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است
از تو پرسم گرچہ پرسیدن خطاست   سرِّ آں جوہر کہ نامش مصطفیٰ است
پیش آں گیتی جبیں فرسودہ است   خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ از فہم تو بالاتر است   زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است
جوہر او نے عرب نے اعجم است   آدم است و ہم ز آدم اقدم است

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر

عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ است   ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست
عبدہٗ با ابتداء بے انتہاست   عبدہٗ را صبح و شام ما کجاست

کس ز سرِّ عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جز سرِّ الا اللہ نیست

لا الٰہ تیغ و دم او عبدہٗ   فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ

مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقامِ "مارمیت"

اذعان : تردد کے بعد جزم و یقین کا پیدا ہو جانا۔

ارتقاء : ارتقاء جسمانی و روحانی

اشیا و اجسام کا قوانین طبعیہ کے ماتحت تغیرات و تحوّلات کے ذریعے قدیم شکلوں کو چھوڑ کر جدید شکلیں قبول کرنے اور منازل ترقی طے کرنے کو ارتقاء کہتے ہیں۔

جسمانی ارتقاء مخلوق کے صرف تجسم و جسمانیت تک محدود ہے اور عنصری مرکبات میں اُس وقت ہوتا ہے جب کہ عناصر باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور اُن کی متضاد کیفیات میں کسر و انکسار ہو کر ایک درمیانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس ارتقاء کی ابتداء فضائی تکوینات سے ہوتی ہے۔ یہاں عناصر کا اختلاط ناکمل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنی ترکیبی صورت تادیر قائم نہیں رکھ سکتے۔ اس کے بعد عنصری مرکبات کا قدم آگے بڑھتا ہے اور اُن سے معدنیات وجود میں آتے ہیں۔ اُن میں عناصر کا اختلاط قوی ہوتا ہے۔ اور جدید صورتِ نافعہ تادیر قائم رہتی ہے مگر اُن میں خارجی عناصر کے بغیر نمو نہیں ہوتا۔ پھر یہ عنصری ترکیب ایک قدم آگے بڑھتی ہے اور نباتات میں پھولتی پھلتی اور گلکاریاں کرتی ہے۔ پھر اور بلند ہو کر حیوانی زندگی میں قدم دھرتی ہے۔ پھر مزید منازل ترقی و مراحل ارتقاء طے کر کے انسانی مرتبے کے بام رفعت پہ پہنچ جاتی ہے جہاں بظاہر جسمانی ارتقاء کی حدود ختم ہو جاتی ہیں اور ارتقاء انسانی کے مدارج طے کرنے کے لیے اس میں فکر و ادراک کا ایسا شعلہ اور نور پیدا ہو جاتا ہے، جو تمام موجودات میں ممتاز اور گویا کہ مرتبۂ انسانیت کا جوہر و خلاصہ ہے۔ یہ شعلۂ جوّالہ، اور نورِ درخشاں انسان کو مزید ترقی اور بلندی کی جانب لے جانا چاہتا ہے۔ اگرچہ درجۂ انسانیت پر فائز ہو جانے کے بعد انسان کے جسمانی ارتقاء کی منزلِ ختم ہو چکی لیکن روحانی ارتقاء کی راہیں کھل گئیں، اور انسان کے انسانی ہیکل اور پیکر میں آجانے کے باوجود ابھی انسانی تمیّم و تکمیل کے مراحل باقی ہیں اور اس کو یہاں سے ارتقاء روحانی کی مسافرت کے لیے تیاری کرنی اور قدم بڑھانے ہیں۔

محسنِ انسانیت۔ خاتم النبیینؐ کا نوعِ انسانی پر عظیم الشان احسان ہے کہ آپ نے ارتقاءِ روحانی کی راہیں بتلائیں اور اُن راہوں پر بنفسِ نفیس گامزن ہو کر ہمارے لیے ایک شاہراہ اور صراطِ مستقیم قائم کر دی۔

اس ارتقاءِ روحانی کے سلسلے کی ساری آیات و احادیث کا یکجائی خلاصہ اور ماحصل خدائے واحد کی پرستش نبی اکرم کی کامل اتباع، عقائدِ حقہ کی پیروی۔ اخلاقِ فاضلہ وحسنہ سے اتصاف۔ اعمالِ صالحہ کا لزوم اور خدمتِ خلق ہے۔

انسان قرآن و سنت کی روشنی میں ان راہوں پر چل کر روحانیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات و مراتب طے کر سکتا ہے۔ چنانچہ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق یہ مراتب و درجات حاصل کیے ہیں اور تا قیامِ قیامت حصولِ مراتب کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ قدم سے یک سرِمو بھی انحراف کے بعد ارتقاءِ روحانی کی ساری راہیں مسدود اور منزلِ مقصود گم ہو جاتی ہے۔

میندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ ... صلی اللہ علیہ وسلم

اور سہ:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

(اقبال)

ارتقاءِ انسانی : دیکھو ارتقاءِ جسمانی

ارتقاءِ روحانی : دیکھو ارتقاءِ جسمانی

ارسال: بلا اسناد براہِ راست رسول کے ارشاد کا بیان کہ رسول علیہ السلام نے ایسا فرمایا

ارہاص :- وہ خوارقِ عادات (امورِ عجیبہ) جو رسول اللہ سے قبل از نبوت یا وہ خارقِ عادت امور جن کا صدور انبیاء کرام سے قبل از بعثت ظہور میں آئے۔ ان قبل از وقت خوارق کو ارہاص و کرامات سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ کرامات کا صدور

اولیاء کرام سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء کرام قبل از بعثت درجۂ ولایت پر
تو فائز ہوتے ہی ہیں۔

ارتفاع النقیضین : دو باہم متضاد و متناقض اشیاء کا ارتفاع یہ ارتفاع بھی اجتماع
کی طرح محال ہے۔

ارکان : رکن کی جمع ہے ارکان وہ مفرد اجزاء کہلاتے ہیں جن سے کائنات بنائی گئی
ہے

ارکان اربعہ : آگ، پانی، مٹی، ہوا

ارکان توبہ : ۱- ادائے فرض (۲) قضاء مافات (۳) طلب حلال (۴) تلافی مظالم
(۵) مجاہدات شاقہ اور خواہشات نفس کی مخالفت

اکمال : کمال کی جمع ہے بمعنی تکمیل۔ اکمال و تکمیل غرض اور مقصد پورا ہونے کو کہا جاتا ہے۔

اربعہ متناسبہ : چار ایسے متناسب اعداد جن سے پہلے عدد کی نسبت دوسرے عدد
کی طرف ایسی ہے جیسی نسبت کہ تیسرے عدد کی چوتھے عدد کی طرف ہے مگر یہ
کہ دوسرے اور تیسرے اعداد کے مابین نسبت ایسی نہ ہونی چاہیے جیسی کہ تیسرے
اور چوتھے اعداد کے مابین ہے جیسے ۳-۴ اور ۶-۸- کہ تین چار کا تین چوتھائی ہے
اور چھ آٹھ کا تین چوتھائی ہے، اربعہ متناسبہ مجہول اعداد کے معلوم کرنے کا ایک طریقہ ہے
جس کو اس کے سلسلے کی معلومات درکار ہوں وہ حساب و ہندسہ سے متعلق کتابوں میں اپنا
سر کھپالے۔ متناسب اعداد کی رہنمائی ہم نے کر دی ہے۔

ارواح : روح کی جمع ہے۔ طبی اصطلاح میں انسانی جسم میں جو بخاری (ہوائی) اجزاء ہیں وہ
ارواح کہلاتے ہیں۔

اروپا : (یورپ) دیکھو اقالیم سبعہ

ارہاص : دیکھو خارق عادت

ازل : جس کے پہلے کچھ نہ ہو۔ جس کی ابتداء نہ ہو اور جس کا وجود ماضی کی جانب ناقابلِ اندازہ
اور ناقابلِ شمار حد تک پھیلا ہوا ہو اور غور و فکر کے بعد بھی جس کی ابتداء کا سراغ نہ

لگ سکے۔

ازلی : جس سے کوئی موجود یا معدوم اوّل نہ ہو۔ ایک اور تعبیر یہ ہے کہ اس کا وجود ازمنۂ متقدرہ غیر متناہیہ میں۔ ماضی کی جانب ہمیشہ ہمیشہ پھیلا ہوا ہو۔

ازلیت : ہمیشگی، دوام، جانب ماضی ہیں۔ زوال ناپذیری

ازلی ابدی : ہمیشہ سے ہو۔ اس سے پہلے عدم بھی نہ ہو۔ لازوال ہو۔ اس کے وجود کی کوئی علت نہ ہو۔ اس معنی میں کہ ازلی و ابدی صرف حق لایزال و لم یزل ہے۔ ہماری یہ دنیا نہ ازلی ہے نہ ابدی۔ عالم آخرت ازلی نہیں صرف ابدی ہے۔

آسیا : ایشیا۔ (دیکھو اقالیم سبعہ)

استقسات : (دیکھو اجسام سفلیہ عنصریہ)

اسلاف : (دیکھو سلف)

اسطوانہ : وہ جسم جو امتداد ثلاثہ یعنی طول عرض۔ عمق کا حامل ہے۔ اگر اس کو کسی ایک سطح نے اس طرح گھیر لیا ہے کہ اس کے داخل جسم نقطے سے جس قدر بھی خطوط اس سطح کی طرف نکلیں اور وہ سب مساوی ہوں تو یہ جسم کرّہ ہی ہوگا۔ اور داخل جسم نقطہ اس کرّے کا مرکز ہوگا۔ اور اس کی سطح محیط کہلائے گی اور خطوط انصاف و قطار کہے جائیں گے اور محیط کی طرف دونوں جہتوں میں جو خارج ہے وہ قطر ہوگا اور جس چیز پر وہ حرکت کرتا ہوگا وہ محور کہلائے گا، اور اس کے ہر دو اطراف قطبین الکرہ اور قطبین الحرکت کہلائیں گے اور دائروں میں کا وہ دائرہ جو اس کے بسیط پر متوہم ہو رہا ہے وہ اگر اس کے مرکز پر سے گذر رہا ہے تب تو وہ دائرۂ عظیمہ ہوگا ورنہ دائرہ صغیرہ ہوگا، اور وہ نقطہ جو کرے کی سطح میں ہے جس سے سارے خطوط قاعدہ القطع کے محیط کی جانب نکل رہے ہیں وہ اس کا قطب ہوگا اور اگر جسم کو چھ مساوی مربعات نے گھیر رکھا ہے تو یہ جسم مکعب کہلائے گا اور اگر جسم کو دو متوازی متساوی دائروں نے گھیرا ہوا ہے اور سطح نے دونوں دائروں کو اس طرح ملایا ہے کہ اگر اس خط مستقیم کو الٹ دیا جائے جو دونوں محیط دائروں کو اس کے محیط پہ ملا رہا ہے تو یہ خط اگر ہر دو رہ میں

پوری سطح مذکور کو مماس کرے تو یہ جسم اسطوانہ ہوگا اور دونوں دائرے اس کے قاعدے ہوں گے اور وہ خط جو ان دونوں کے مرکزوں کو ملا رہا ہے سطح الاسطوانہ اور اس کا محور ہوگا پھر دونوں مرکزوں کو ملانے والا خط اگر قاعدے پر عموداً پڑ رہا ہے، تو اسطوانہ قائمہ کہلائے گا ورنہ اسطوانہ مائلہ۔ عمود کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ جب سطح پر اس طرح خط قائم کیا جائے کہ اگر اس کے جائے قیام سے خطوط نکالے جائیں تو سطح کو زوایائے قائم پر گھیر سکے اسی کو عمود کہا جاتے گا اور اگر جسم کو دائرہ واحدہ گھیرے اور سطح صنوبری اس کے محیط سے مرتفع ہو۔ (منتصبا تقاًالی نقطۃ) اس طرح پر کہ اگر خط مستقیم کو الٹ دیا جائے جو محیط دائرہ اور نقطہ کو ملا دینے والا ہے اور یہ سطح پورے جسم مذکور کو ہر دو میں چھوئے تو یہ جسم مخروط ہوگا جو اسطوانہ کی طرح قائم اور مائل دونوں طرح کا ہو سکتا ہے اور یہ دائرہ قاعدۃ المخروط ہوگا اور نقطہ مذکورہ اور اس کے مرکز کو ملانے والا جو خط ہے وہ سطح المخروط اور محور المخروط کہلائے گا اور اگر مخروط نے اس سطح مستوی کو قطع کر دیا جو قاعدہ مخروط کے موازی ہے تو جو قاعدہ مخروط سے ملا ہوا ہوگا وہ مخروط ناقص ہے اور جو ملا ہوا نہ ہو وہ مخروط تام ہے۔

اسطوانہ قائمہ : دیکھو اسطوانہ

اسطوانہ مائلہ : دیکھو اسطوانہ

اسناد خبری : کسی کلمے یا قائم مقام کلمے کا دوسرے کلمے سے ملا دینا تاکہ یہ بات سمجھی جاسکے کہ ان میں سے ایک کلمے کا مفہوم دوسرے کے مفہوم کے لیے ثابت ہے۔ یا ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی ہوتی ہے اور اس کا صدق واقع کے مطابق اور اس کا کذب واقع کا عدم ہے۔ اس ضمن میں بعض فضلاء نے واقع کے مطابقت کی بجائے اعتقاد کی مطابقت لی ہے۔

اسم : جو مستقل معنی دے اور تینوں زمانوں (ماضی۔ حال۔ مستقبل) میں سے کسی زمانے سے متعلق نہ ہو وہ عینی بھی ہوتا ہے۔ جیسے ارشد۔ سجاد۔ تنویر وغیرہ اور معنوی بھی۔ اسم معنوی اگرچہ قائم بذاتہ (از خود) نہیں ہوتا تاہم اس کے معنی کبھی تو وجودی ہوتے

ہیں مثلاً علم اور کبھی عدمی جیسے جہل۔

اسم عینی : (دیکھو اسم)

اسم معنوی : (دیکھو اسم)

اسم معنوی وجودی : (دیکھو اسم)

اسم معنوی عدمی : (دیکھو اسم)

استغراق : استغراق وہ کہلاتا ہے جو تمام اشیاء واجزاء کو اپنے احاطۂ دامن میں اس طرح سمیٹ لے کہ کوئی شئے اور کوئی جزو اس کے دائرے سے خارج نہ رہے

استعجال : بعجلت اور قبل از وقت کسی امر کی طلب۔

استنباط : افراط و سرعت ذہن کے بل بوتے پر نصوص شرعیہ سے معانی و مفاہیم کا استخراج۔

اسناد : لغت کے اعتبار سے ایک شئے کی اضافت دوسری شئے کی طرف کرنا علمی اصطلاح میں ایک جزو کی نسبت دوسرے جزو کی طرف کرنے کو اسناد عمومی کہتے ہیں۔ عام ازیں کہ مخاطب کو پورا پورا فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے۔ خاص طور پر علم نحو میں اسناد کی تعبیر یوں کی جاتی ہے کہ ایک کو دوسرے کلمے کے ساتھ اس غرض سے ملا دیا جائے کہ مخاطب کو پورا فائدہ پہنچ جائے اور اس افادے کے بعد اس کا مطمئن و خاموش ہو جانا حق بجانب اور صحیح ہو علم حدیث میں اسناد سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ ہم سے فلاں شخص نے یہ حدیث بیان کی ہے اور اس نے فلاں شخص سے یہ روایت سنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ارشاد فرمایا۔

اسناد فی اللغت : (دیکھو اسناد)

اسناد عمومی : (دیکھو اسناد)

اسناد نحوی : (دیکھو اسناد)

اسناد فی الحدیث : (دیکھو اسناد)

اسباب العلم : علم حاصل ہونے کے اسباب و ذرائع تین ہیں — اول حواس سلیمہ

دوسرے مخبر صادق کی خبر، تیسرے نظر و عقل۔ عقل کی نظر یا تو فوراً بلا غور و فکر معاملہ پر پڑ کر یقین واذعان حاصل کر لیتی ہے یا غور و فکر سے اور استدلال و ترتیب مقدمات سے کام لینا پڑتا ہے۔ پہلی صورت میں نظر عقل ضروری کہلاتی ہے۔ دوسری صورت کو استدلالی کہا جاتا ہے۔

اسفار اربعہ: سالکان راہ طریقت عرفا۔ اہل اللہ کو حسب ذیل چار سفر پیش آتے ہیں پہلا سفر خلق سے حق کی طرف۔ دوسرا سفر حق سے حق کی طرف۔ تیسرا سفر حق سے خلق کی طرف۔ چوتھا سفر حق کے ساتھ خلق کی طرف۔

پہلے سفر میں جو خلق سے حق کی طرف ہوتا ہے۔ سالک کو موجودات سے رو گردانی کر کے حقیقت اور عالم وحدت کی جانب ہمہ تن متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ اس سفر میں بڑے سخت مراحل اور ہمت شکن منزلیں آتی ہیں۔

آٹھ مرحلے بڑے اہم کٹھن اور جان لیوا ہوتے ہیں۔ مثلاً (۱) طلب۔ (۲) تہذیب اخلاق (۳) عجیب و غریب احوال کا طاری ہونا (۴) شوق و اضطراب (۵) عشق و محبت (۶) گم شدگی و حیرت (۷) فنا و بقا (۸) پھر توحید ہی توحید

دوسرا سفر جو حق سے حق کی جانب ہوتا ہے۔ اس میں سالک اسماء الٰہی اور اس کی صفات کی سیر میں مشغول رہتا ہے اور جس طرح کہ پانی کا قطرہ دریا میں بتدریج غرق و جذب ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح سالک اپنے کو عظمت و جلال احدیت کے بحر مواج ناپیدا کنار میں غرق و جذب ہوتا محسوس کرتا ہے اور دوئی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔

اور تیسرا سفر حق سے خلق کی طرف ہوتا ہے۔ اس کا انجام حق میں فنائیت ہے۔
چوتھے سفر میں سالک مظہر حق بن کر خلق کی ہدایت اور راہ نمائی کے لیے مخلوق میں آملتا ہے اور اس کا وظیفہ صبح و شام اور مشغلہ لیل و نہار دست بکار و دل بیار ہو رہتا ہے۔

ع اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل

اسم الجنس: جو کسی شئے پر اور اس شئے جیسی دوسری اشیاء پر علیٰ سبیل البدلیت یعنی بدل بدل

کر صادق آتا چلا جائے لیکن کثرت پر یعنی بہت سی اشیاء و افراد پر یکجائی طور پر صادق نہ آسکے۔ بخلاف جنس کے کہ اس کا اطلاق قلیل کثیر سب پر یکساں ہو جایا کرتا ہے۔ دیکھو پانی ایک قطرۂ آب پر بھی صادق آتا ہے اور دریائے فراواں پر بھی اس کا اطلاق ہو جاتا ہے

اسماء مقصورہ : جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے اقصیٰ، عصیٰ، ہیولیٰ منتہیٰ۔

اسماء منقوصہ : ایسے اسماء جن کے آخر میں ساکن (ی) ہو اور اس سے پہلے حرف پر کسرہ یعنی زیر ہو جیسے قاضی۔

اسم متمکن : مختلف عوامل کی وجہ سے جس کے اخیر حرف کی اعرابی حالت تبدیل ہوتی رہے۔ جیسے اسم ارشد کہ مختلف عوامل اس کے حرف آخر دال کو پیش زیر، زبر دے سکتے ہیں۔

اسم غیر متمکن : جس پر عوامل موثر نہ ہو سکیں۔ جیسے ہیولیٰ اور ہا ألاء کہ اُن پر کوئی عامل موثر نہیں ہو سکتا۔ عامل خواہ کیسا ہی آتا رہے کہ ان کی اعرابی حالت تبدیل ہونے والی نہیں یہ ہیولیٰ کا ہیولیٰ اور ہا ألاء کا ہا ألاء ہی رہیں گے۔

استطاعت : ایک صفت ہے جو ہر جاندار میں حق تعالیٰ نے ودیعت فرمادی ہے، جس کی وجہ سے اختیاری افعال سرزد ہوتے رہتے ہیں اور کسی کام کے کرنے نہ کرنے کی قدرت حاصل رہتی ہے۔ قدرت، قوت، وسعت، طاقت یہ سب الفاظ استطاعت کے ہم معنی ہیں۔

استحالہ : مقولہ کیف میں حرکت یعنی کیفیت کے تبدیل ہو جانے کا نام ہے اس طرح کی حرکت کہ صورت نوعیہ باقی رہے۔

استقامت : تمام امور دینی اور دنیاوی اور مسائل و معاملات میں حد اور مسلک اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہوئے صراطِ مستقیم پر جم جانا۔ نفس اور قلب کو مودب و مہذب بنانا۔

اسماء الرجال : رسول علیہ السلام کے اقوال، افعال، اعمال یعنی احادیث کے جس قدر راوی ہیں اُن سب کے مجموعی حالات کی جس فن میں چھان بین اور تحقیق و تفتیش

کی گئی ہے اس کا نام اسماء الرجال ہے۔ اس میں ہر ایک راوی کا نام، کنیت، لقب، جائے قیام اس کے آباواجداد کون تھے کس مزاج وکس طبیعت کے تھے ان کا حافظہ کیسا تھا۔ دیانت و تقویٰ میں کس درجے پر تھے۔ عقائد کیا تھے۔ اخلاق و آداب میں اُن کا ... کیسا تھا۔ کن اساتذہ اور کن شیوخ سے علم حاصل کیا تھا۔ طلبِ علم کے لیے کہاں کہاں کن کن ملکوں اور شہروں میں گئے اور کتنی کتنی مدت تک قیام کیا۔ اس فن اسماء الرجال میں لاکھوں راویوں کے حالات انھیں تفصیلات کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہیں۔ مخالفین اسلام نے بھی ایسے پانچ لاکھ رواۃ کی تصدیق و توثیق کی ہے۔ صحابہ کے دور میں ان تفصیلات کے ساتھ جن راویوں کی تصدیق کی گئی ہے ان کی تعداد دس ہزار تھی

انبیاء سابقین پر جو الہامی کتب وصحائف نازل ہوئے اُن تک کی تحقیق اور چھان بین بھی اس پیمانے پر اور اس کاوش کے ساتھ نہیں کی گئی جیسا کہ احادیث نبی آخرالزمان کے سلسلہ میں کی گئی ہے

اسمِ اعظم : حق تعالیٰ کا سب سے پرعظمت و رفعت نام جو تمام اسماء عظیمہ اور صفات کمالیہ کا جامع ہو اسم اعظم ہونا چاہیے۔ اسم اعظم کی تعین کے باب میں متعدد آراء ظاہر کی گئی ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس کے سارے ہی نام اسماء اعظم ہیں بعض کا خیال ہے کہ اسم اعظم مخفی رکھا گیا ہے اور وہ صرف قلوب صافیہ پر منکشف ہوا کرتا ہے۔ بعض کا قیاس ہے کہ اسماء الٰہی میں ایک نام اسم اعظم ہے اور وہ آیت الکرسی اور سورہ آل عمران کے شروع میں ہے بعض کا اعتقاد ہے کہ لفظ "اللہ" اسم اعظم ہے۔

اسبابِ تسعہ غیر متصرف : عدل وصفت تانیث معرفہ عجمہ جمع ترکیب الف نون زائدتان وزن فعل

اسبابِ ستّہ ضروریہ : وہ چند ناگزیر اسباب کہلاتے ہیں جن کے بغیر زندگی قائم نہیں رہتی، وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہوا (۲) کھانا پینا (۳) بدنی حرکت و سکون (۴) نفسانی حرکت و سکون (۵) سونا جاگنا (۶) جسم کے اندر جو کچھ ہے اس کا مناسب مدت تک جسم میں رکنا اور پھر جسم سے خارج ہو جانا۔

استقرار: اکثر جزئیات کو دیکھ کر ایک حکم کلی لگا دینا استقرار کہلاتا ہے۔

استوارہ: سطح کا اس طرح ہونا کہ اس کو ایک خط گھیرے ہوئے ہو اور اُس کے وسط داخل میں یعنی بیچوں بیچ اندرونی حلقہ میں جو نقطہ فرض کیا جائے اس سے جس قدر خطوط محیط کی جانب نکالے جائیں وہ سب برابر ہوں

اسطراد: ایسا کلام جس سے ایسا مفہوم بھی اخذ کیا جا سکے جو مقصود بالذات نہ تھا اگرچہ بالعرض وہ مقصد رہا ہو۔

استعداد: کسی شے کی قوت سے فعل کی طرف آنے کی صلاحیت یعنی خفا سے ظہور میں آجانے کی استعداد۔ یہ استعداد قریبہ بھی ہوتی ہے اور بعیدہ بھی اگر جلد فعل اور ظہور میں آجائے تو استعداد قریبہ ہے۔ اگر دیر سے ظہور و فعل میں آنے والی ہو تو استعداد بعیدہ ہے۔

استعداد قریبہ: (دیکھو استعداد)

استعداد بعیدہ: (دیکھو استعداد)

استفراغ: جسم سے فضلات کا خارج ہونا۔ اس میں قے، نکسیر، بول براز، پسینہ تھوک بلغم وغیرہ سب کا اخراج داخل ہے۔

استسقاء: اس مرض میں پیٹ کے اندر پانی بھر جاتا ہے تاہم پیاس نہیں بجھتی۔ اس مرض کو جلندھر کہا جاتا ہے۔

استظہار: مرض سے بچاؤ کے لیے قبل از ظہور علامات مرض بطور حفظ ما تقدم تدابیر اختیار کرنے کو استظہار کہا جاتا ہے۔

استمرار: ہضم غذا کے بعد بدن کی پرورش کو استمرار کہا جاتا ہے۔

استدراک: کلام سابق سے جو توہم پیدا ہو اس کو دور کرنے کا نام استدراک ہے

استنباط : نصوص شرعیہ میں غور و فکر کر کے معانی و مفاہیم و احکام کا استخراج

استثناء : کسی شئے کے بعض اجزاء کو اس شئے سے خارج کر دینا اس طرح پر کہ اگر خارج نہ کیا جاتا تو وہ اجزاء لازماً اس شئے میں داخل رہتے۔

اسراف : ضرورت پر زائد از ضرورت صرف کرنا۔ غیر ضروری مواقع پر خرچ کرنا تبذیر کہلاتا ہے۔

استعارہ : مبالغہ کی غرض سے تشبیہ میں کسی شئے کے حقیقی معنی کا ادعاء اور مشبّہ کے ذکر کا ترک۔ جیسے کسی شجاع و بہادر شخص کی آمد پر کہہ دیا جاتا ہے کہ شیر آیا۔

استعارہ مکنیہ : دل میں کسی شئے کو کسی شئے کے ساتھ تشبیہ دینا۔

استعارہ تصریحیہ : تشبیہ میں اگر مشبہ بہ کا ذکر کر دیا جائے اور قرینہ موجود ہو تو استعارہ تصریحیہ ہوگا۔

استعارہ بالکنایہ : لفظ مشبہ بولا جائے اور اس کے ایسے مجازی معنی مراد لیے جائیں جو مشبہ بہ کے لیے لازم ہوں

استعارہ ترشیحیہ : مشبہ بہ کے مناسبات مشبہ کے لیے ثابت کیے جائیں۔

استعارہ تخییلیہ : لازم مشبہ بہ کی اضافت مشبہ کی طرف کر دی جائے اور مشبہ بہ کے لوازم و مختصات مشبہ کے لیے ذکر کر دیے جائیں۔

استقبال (زمانہ مستقبل) جس زمانے میں ہم تم موجود ہیں اس کے معاً بعد آنے والا زمانہ جلد آنے والا زمانہ مستقبل قریب اور دیر سے آنے والا زمانہ مستقبل بعید کہلاتا ہے۔

استحسان : ادلہ اربعہ یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس مجتہد سے دلیل حاصل کرنا۔

اسناد : ایک شئے کی دوسری شئے کی طرف نسبت۔ ایک کلمے کو دوسرے کلمے کے ساتھ اس غرض سے ملایا جائے کہ مخاطب کو پورا فائدہ حاصل ہو سکے۔

استلزام : ایک شئے کا اس امر کے لیے خواہش مند ہونا کہ دوسری شئے اس کو لازم ہو جائے۔

استدراج : خارق عادت (خلافِ عادت) کسی امر کا کسی ایسے شخص سے ظاہر ہو جانا جو اعمالِ صالحہ تو کجا ایمان تک سے محروم ہو (دیکھو خارق عادت)

استجلاء : ذات کا اپنے تعینات میں ظہور۔

اسلام : اقرار باللّسان تصدیق بالجنان والعمل بالارکان (وحدانیت ورسالت کا)، زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور احکام وارکان اسلام کی بجاآوری اور ان پر عمل۔

اقرار اور عمل بلا تصدیق قلبی منافقت ہے اقرار اور تصدیق بلا عمل فسق ہے۔ بعض آئمہ کے نزدیک اسلام صرف زبانی اقرار کا نام ہے۔ مختصر ترین تعبیر یہ ہے کہ اسلام خدا پرستی اور نیک عمل کا مجموعہ ہے۔ اسلام بمنزلہ جسم ہے اس کی روح ایمان ہے

اسلامِ حقیقی : مشاہدہ ذاتِ حق جل وعلا۔

اشہر الحرام : ماہ رجب، ذیقعد، ذی الحجہ، محرم۔

اشراط : اس شرط کی جمع ہے جو قیامت کے معنی میں آتی ہے۔

اشتہا : معدے کا وہ احساس ہے جو وہ طلب غذا کے لیے کیا کرتا ہے۔ اشتہا صادق اور کاذب دونوں اشتہاء صادق طرح کی ہوا کرتی ہے۔ اشتہاء صادق اس وقت ہوتی ہے جب معدہ پورے طور پر غذاء سابق پر اپنا عمل اور مقررہ تصرفات کر کے اس کے بہترین حصے کو جگر کی جانب اور فضلات ردی کو آنتوں کی جانب دھکیل دے اور معدے میں جو بچی کچی رطوبات ہیں۔ وہ گرمی سے فنا ہو جائیں۔ اس وقت طلب غذا کے لیے معدے کا احساس صحیح ہوتا ہے اور یہ اشتہا اشتہائے صادق ہوتی ہے۔

شیخ سعدی نے حکیم الانسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا فارسی ترجمہ کیا ہے وہ ہمیشہ ہر کھانے کے وقت پیش نظر رہنا چاہیے:۔

"تا اشتہا غالب نہ بود نخورند۔ وہنوز اندکے اشتہا باقی بود کہ دست از طعام بدارند"

اشتہا کاذب اشتہاء صادق کے برعکس ہوتی ہے۔ جو لوگ کھانے کے حریص اور زبان کے چٹورے ہوتے ہیں ان کا معدہ ہر وقت حاضر رہتا ہے اور وہ پر از طعام تابئی

ہونے کے باوجود الطعام الطعام پکارتے رہتے ہیں۔ کھانے کے وقت کے باب میں ایک حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ "مالدار کو کھانا اس وقت کھانا چاہیے جب بھوک لگے اور نادار کو جب میسّر آجاتے کھالے۔

اشارہ : جو نفسِ کلام سے ثابت ہو جاتے۔ اگرچہ اجزاء کلام کا مقصد کچھ اور ہو یا لفظ و عبارت کے بغیر مقصد کا اظہار۔

اشارۃ النفس : اجزاء کلام کا مقصد تو کچھ اور ہو لیکن اسی عبارت سے کسی دوسرے معنی کی طرف بھی رہبری ہو جاتے۔ جس کا بیان اس عبارت کا مقصد نہ ہو۔

اشارہ حسیّہ : وہ امتداد موہوم (متوہم پھیلاؤ) جو مشیر یعنی اشارہ کرنے والے سے شروع ہو کر مشارٌالیہ یعنی اشارہ کیے جانے والی چیز پر ختم ہو۔ اس امتداد کی طرف یعنی کنارے کو جہت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اشاعرہ، اشعریہ : اشعریہ میں ان لوگوں کا شمار ہے جو ابوالحسن اشعری (قبیلہ یمن) کے متبعین ماتریدیہ کے مقابل ہیں اور اشاعرہ معتزلہ کے مقابل ہیں جو ماتریدیہ اور اشعریہ کے ساتھ شامل ہیں۔ حکماء کے مقابلے میں جب اشاعرہ بولے جاتے ہیں تو ان سے مراد متکلمین کی جماعت ہوا کرتی ہے۔ اشاعرہ بالعموم متبعین امام شافعی ہیں یا شافعیہ متبعین اشاعرہ حنفیہ عموماً ماتریدیہ کہلاتے ہیں یا ماتریدیہ متبعین امام اعظم ہیں۔

اشراقیہ : اشراقیہ کی تشریح سے پہلے بطور تمہید یہ جان لینا چاہیے کہ قدرت کی جانب سے انسان کو ایک قوت نظری دی گئی ہے جس کا مقصد اور جس کی غایت یہ ہے کہ وہ حقائق کی معرفت کما حقہٗ حاصل کر سکے، ایک دوسری قوت اور دی گئی ہے جو عملی قوت کہلاتی ہے جس کا منتہائے کمال یہ ہے کہ تمام امور و مسائل کو بوجہ مناسب و احسن سمجھ کر انجام دے سکے۔ ان دونوں قوتوں کے ذریعے انسان تکمیل نفس کر سکتا ہے تاکہ وہ دارین میں سعادت حاصل کر سکے اور فلاح سے بہرہ مند ہو سکے۔ اس حد تک تو دنیا کے تمام انسان خواہشمند متفق تھے کہ معرفت اور مبدأ معاد میں فیروزمندی حاصل کرنا چاہیے۔ حصول معرفت کے لیے انسانی عقل نے دو

راستے دکھلاتے۔ ایک نظر و استدلال کی راہ تھی اور دوسرا ریاضت و مجاہدات کا طریقہ، نظر و استدلال کی راہ پر جو لوگ چل پڑے ان میں سے ایک گروہ نے تو دینِ ملّت کی شمع کو راہ نما بنا لیا جو متکلمین و حکماء علماء اسلام کہلاتے۔ دوسرے گروہ نے اپنی فہم و فراست کو کافی سمجھ لیا اور بہ طور خود کسی دین و مذہب کا سہارا لیے بغیر اپنی راہ پر چل پڑے، ان کو حکماء و فلاسفہ، مشائین کہا جانے لگا۔ جس کے سرخیل ارسطو اور اس کے متبعین ابی نصر فارابی اور شیخ بوعلی سینا بنے۔ پھر جس طبقے نے ریاضت و مجاہدات کا طریقہ اختیار کیا تھا، ان میں جو شریعت کے مکتبۂ فکر سے متعلق و وابستہ تھے، وہ صوفیائے متشرعین کے لقب سے ملقب ہوئے اور جس جماعت نے شریعت کی رہنمائی ضروری نہ سمجھی اور مجاہدات و تزکیۂ باطن کے ذریعے منازلِ علم و معرفت طے کرنے لگی۔ وہ حکماء و فلاسفۂ اشراقیین کے نام سے پہچانے جانے لگے اس جماعت نے افلاطون کی ذات سے علومِ حکمیہ بغیر عبادت و اشارت کے حاصل کیے۔ ایک اور تشریح کے ضمن میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مشائین بھی اشراقیہ ہی کی شاخ کے برگ و بار ہیں۔

اشتراک: التباس اور اشتراک قریب قریب ایک جیسے ہیں الایہ کہ اشتراک واضع کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔

اصحاب (صحابی) جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بحالت اسلام جمال جہاں آرا دیکھا ہو اور آپ کی صحبت میں رہا ہو اور آخر دم تک ایمان پر قائم رہا ہو۔

اصحاب صفّہ: صحابہ کی وہ کم و بیش یکصد افراد پر مشتمل جماعت جو نبی کریمؐ کی بارگاہ میں حاضر باش تھی۔ کاشانۂ نبوّت اور مسجد نبوی سے متصل ایک صفّہ (چبوترہ) پر ان کا قیام رہتا تھا۔ دنیا سے روگرداں اور کسب معاش سے بے نیاز شبانہ روز مصروفِ عبادت رہا کرتے تھے۔ قرآن و حدیث میں اُن کے فضائل منقول ہیں۔

اصحاب الشمال: وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کے قلوب و ارواح اخلاقی پستی اور مہلک خواہشات میں مبتلا اور گرفتار رہتے ہیں۔

اصحاب الشمال: پست اخلاق اور خواہشاتِ مہلکہ میں مبتلا افراد اصحاب الشمال کہلاتے ہیں۔

اصحاب العدل والتوحید: معتزلہ نامی ایک گمراہ فرقہ نے از خود اپنے فرقے کے لیے یہ نام گھڑ لیا ہے۔

اصحاب الفرائض: میت کے وہ ورثا جن کے حصے قرآن مجید اور احادیث میں معین اور درج ہیں۔

اصحاب الیمین: وہ نفوس کہلاتے ہیں جو حق تعالیٰ کی توفیق سے اس کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہتے ہیں۔

اصحاب قرب فرائض: وہ لوگ کہلاتے ہیں جو فرائض و واجبات کی ادائیگی کے ذریعے حق تعالیٰ کے تقرب اور اس سے نزدیکی کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

اصحاب قرب نوافل: وہ افراد جو فرائض و واجبات کے سرانجام کے ساتھ نوافل و مستحبات کو ذریعۂ قرب الٰہی بناتے ہیں حتیٰ کہ وہ محبت الٰہی کے درجات رفیع تک پہنچ کر خود محبوب الٰہی حتیٰ کہ حق جل مجدہٗ کی سماعت و بصارت، اس کی زبان اور اس کا ہاتھ بن جاتے ہیں اور اسی کے کانوں سے سنتے ہیں اور اس کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس کی زبان سے بات کرتے اور اسی کے دستِ قدرت سے سب کچھ کرنے لگتے ہیں۔

(حوالہ کنت سمعہٗ و بصرہٗ)

اصطرلاب: فلک کے ستاروں کا انکشافات کر دینے والا آلہ آسمانی حالات کے معلوم کرنے اور سمجھانے کے لیے فلاسفہ یونان نے کرہ ایجاد کیا تھا۔ اس کے بالمقابل ہندوستان کے فلاسفہ نے انہیں حالات کے جاننے سمجھانے کے لیے اسطرلاب ایجاد کی، عربوں نے اسے کمال پر پہنچایا۔

اصطلاح: کسی لفظ کا لغوی معنی سے نکل کر کسی مناسبت کی بنا پر دوسرے معنی میں استعمال ہونا مثلاً لفظ صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کے تھے اور شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں صلوٰۃ کے معنی ارکان مخصوصہ کے ہو گئے۔

اصل : دیکھو داخل جو موجود بالذات ہو اور مرتب الآثار ہو، مثلاً افراد انسانی یا جس پر اس کے غیر کی بنیاد ہو۔

اصل الاصول : طریقت کی زبان و اصطلاح میں اصل الاصول ہدایت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس سے توحید معرفت حق، یقین، ایمان اور صدق و اخلاص کی جانب رہنمائی ہوتی ہے۔

اصول متعارفہ : بدیہی۔ واضح اور مسلمہ مقدمات و قیاسات

اصول موضوعہ : نظری اور حسن ظن کی بنا پر تسلیم کردہ مقدمات و مسائل۔

اضافت و نسبت (مقولہ) دو چیزوں کے درمیان ایسا تعلق کہ ہر ایک کا تصور دوسرے کے تصور کو اور ہر ایک کا وجود دوسرے کے وجود کو لازم ہو جیسے باپ اور بیٹا ہونا۔

اضافت: ایک امر کی دوسرے امر کی طرف نسبت۔ مثلاً ارشد کی جانب علم کی نسبت کر دی جائے۔

اضافی موجودات : اعیانی ممکنات جو صوفیہ کے مسلک پر در حقیقت معدومات ہیں۔

اضمار قبل الذکر : (علم نحو کی اصطلاح ہے) اس میں ضمیر کا مرجع ما قبل کی بجائے مابعد میں مذکور ہوتا ہے۔ ضمیر کے مرجع کا بعد میں لانا بالعموم ناجائز ہے لیکن بعض خاص صورتوں میں پانچ مواقع پر اس کو جائز قرار دے دیا جاتا ہے۔

اطناب : ادائے مقصد کے لیے ضرورت سے زیادہ الفاظ کا استعمال۔ کسی محبوب و دلکش پیکر سے تخاطب کے دوران اطناب محمود ہونا چاہیے اور نامرغوب و ناپسندہ ہستی سے مخاطبت کے دوران نا محمود

اطوار سبعہ : صوفیائے کرام اطوار سبعہ سے طبیعت، نفس، قلب، روح، سر، سر خفی اور سر اخفیٰ مراد لیتے ہیں۔

اعتدال و عدالت : لغت میں عدالت کے معنی برابر کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں یہ لفظ جادۂ حق و راہِ صواب پر ثابت قدم رہنے، اوامر و احکام شرعیہ بجا لانے اور

منوعات و منہیات سے دامن بچا کر چلنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں توسطی توازن اور میانہ روی ملحوظ رہتی ہے کمی اور بیشی کی اس میں گنجائش نہیں۔

اعضاء : عضو کی جمع ہے۔ بدن کے جملہ اجزاء اعضاء سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔

اعضاء رئیسہ : تمام حکماء اس پر تو متفق ہیں کہ اعضاء رئیسہ چار ہیں۔ دل۔ دماغ جگر۔ انثیین۔ تین اوّل الذکر بقاء شخص کے لیے ضروری ہیں اور بقاء نوع کے لیے ان تینوں کے علاوہ چوتھا آخرالذکر بھی لازمی ہے۔ اس طرح بقاء شخص کے لحاظ سے اعضاء رئیسہ تین ہوتے اور بقاء نوع کے لحاظ سے چار۔

حکیم جالینوس کا کہنا ہے کہ بدن میں جس قدر ضروری قوتیں ودیعت کی گئی ہیں اسی مناسبت سے اعضاء رئیسہ بھی متعین کیے گئے ہیں۔ چنانچہ بدن میں بقاء شخص کے لیے تین قوتیں ہیں ۱۔ قوتِ حیوانیہ ۲۔ قوتِ نفسانیہ، ۳۔ قوتِ طبیعہ اور بقاء نوع کے لیے ان قوتوں کے ساتھ اور ایک قوت تناسلیہ بھی شامل ہوجاتی ہے بقراط کے نزدیک ان اعضاء میں سب سے زیادہ اشرف و اعلیٰ اور سب کا سردار دماغ ہے جو نفسِ ناطقہ کا محل ہے اور یہی اعضاء میں سب سے پہلے پیدا ہوتا ہے۔

ارسطو قلب کو رئیس مطلق خیال کرتا ہے۔ کیونکہ تمام اعضاء میں جس قدر قوتیں تقسیم ہوتی ہیں ان کا سرچشمہ قلب ہے۔ وہ نفسِ ناطقہ کا محل بھی دماغ کے بجائے قلب کو گردانتا ہے

اعضاء نفسانیہ : وہ کہلاتے ہیں جو قوتِ نفسانیہ کے حامل ہوتے ہیں۔ جیسے دماغ، نخاع (حرام مغز)

اعصاب : آلات۔ حواس، عضلات وغیرہ

اعراب : (بکسر اول) نحو میں رفع، نصب، جر کو اعراب سے تعبیر کرتے ہیں۔ انھیں کو علی الترتیب ضمہ، فتح، کسرہ بھی کہا جاتا ہے۔ آخری ہر سہ اعراب کے آخری حرف ہ کو ۃ سے بدل کر ضمۃ، فتحۃ، کسرۃ اور ضم فتح کسر بھی بولتے اور لکھتے ہیں

رفع، نصب، جر باوجود معرب کے ساتھ مختص ہونے کے اس معنی کو عام ہیں کہ وہ حرکات اور حروف اعرابیہ دونوں کو شامل ہیں۔ ضمہ، فتحہ، کسرہ بالتاء۔ اپنے عموم پر قائم رہتے ہوئے بھی اور حرکات معرب و مبنی پر اس کا اطلاق جائز ہوتے ہوئے بھی حرکات کے ساتھ خاص ہیں یعنی ان حروف پر ان کا اطلاق نہیں ہو سکتا، جو حرکات کے قائم مقام ہوتے ہیں لیکن ضم و فتح و کسر بغیر التاء صرف حرکات بنائیہ یعنی مبنی کی حرکات کے ساتھ مختص ہیں۔

اعدام ازلیہ : اعدام ازلیہ وہ کہلاتے ہیں جن کی ابتدا نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ اعدام اس کے صالح ہی نہیں ہوتے کہ ارادے اور مشیّت کا اثر بن سکیں۔ لہٰذا کسی شئے کا عدم پر مستمر اور باقی رہنا عدم مشیّت فعل کے بقاء پر موقوف ہے۔ اور اسی کی طرف مستند ہوتا ہے۔ بنا بریں عالم ازلی کا عدم ارادے کے تحت داخل ہی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کی مشیّت اور اُس کے ارادے کا تعلق صرف موجودات کے ساتھ ہے اس لیے کہ حوادث کے اعدام اگر ارادے سے مسبوق ہوں تو وہ آپ سے آپ حادث ہو رہیں گے کیونکہ ارادے کا اثر سب کے نزدیک حادث ہے۔ اس سلسلے میں سنداً سید السند جرجانی کا وہ قول پیش کیا جاتا ہے جو شرح مواقف میں درج ہے کہ "عدم وجود کی طرح قادرِ مطلق کا اثر مجعول ہے ہی نہیں بلکہ عدم کا استناد اور جاعل کی طرف اس کی نسبت کے معنی یہ ہیں کہ جاعل کی مشیت اس کو فعل کی جانب لانے کے لیے متوجہ اور متعلق ہی نہیں ہوتی۔ چونکہ مشیت جانبِ فعل متعلق اور متوجہ ہی نہیں ہوئی اس لیے وہ چیز یعنی عدم وجود و فعلیت ہی میں نہیں آیا۔ کیونکہ قادرِ مطلق و جاعل کے مخلوق و مجعول اوّل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشاد گرامی ما شاء اللہ کانَ و مالم یشاء لم یکن پر غور کریں گے تو واضح ہو جائے گا کہ حق تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کی طرف عدم کے استناد و منسوب ہونے کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ دیکھیے نبی کریم نے عدم فعل کا استناد تو عدم مشیت کی جانب فرما دیا لیکن مشیت کا عدم کی جانب استناد نہیں فرمایا۔ لہٰذا صاف نتیجہ نکل آیا کہ کسی شئے کے ارادے

کا عدم خود اس شئے کی عدم کی علت اور سبب ہوا کرتی ہے۔ یہیں سے ایک اور دلیل بھی مل گئی کہ اعدام ارادے کے ساتھ متعلق اور اس کے معلول نہیں ہوتے کیونکہ ایسا ہونے کی صورت میں یہ خرابی لازم آجائے گی کہ معلول واحد شخصی پر دو علتوں کا توارد ہوجائے جو بجائے خود محال ہے۔

اعلال (بکسر الاول) صرف کی اصطلاح میں تخفیف کی غرض سے حرف علت کا بدل دینا یا حذف کر دینا یا ساکن کر دینا اعلال کہلاتا ہے۔

اعلال القلب:۔ حرف کا بدل دینا جیسے قالَ دراصل قَوَلَ تھا، واؤ کو الف سے بدل دیا جو واؤ کی بہ نسبت قدرے خفیف ہے۔

اعلال حذف: حرف حذف کر دینا جیسے قُلتُ اصل میں قَوَلتُ تھا۔ واؤ کو حذف کر دیا گیا اور قاف کو پیش (ُ) دے دیا گیا تاکہ حذف واؤ کی خبر دیتا ہے۔

اعلال (اسکان) حرف کا ساکن کر دینا جیسے یقول کہ بفتح الواو یَقْوُلُ تھا۔

اعراب (بکسر اول): نحویین کے نزدیک اعراب حرکت کا اور اس حرف کا نام ہے کہ جو معرب کے آخری حرف کے اختلاف کا سبب قریب ہے بعض کے نزدیک اختلافِ عوامل سے کلمہ کے اخیر لفظ کے اعراب کا لفظاً یا تقدیراً بدل جانا ہے۔ جیسے جاء ارشد و جاء موسیٰ۔

اعراب لفظی: جاءنی ارشد، رئیت ارشد و مررت بالارشد

اعراب معنوی: جاءنی موسیٰ۔ رئیت موسیٰ و مررت بموسیٰ۔

اعراف: جنت و دوزخ کے مابین حد فاصل ایک مقام ہے جہاں ایک طرف سے جنت کی خوش گوار ہوائیں اور دوسری طرف سے بادِ سموم کے جھونکے آتے رہتے ہیں۔ یہ مقام اہلِ جنت کے لیے جہنم اور دوزخیوں کے لیے جنت ہے۔

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

اعتدال: ہر چیز کا وسط۔ درمیانی راہ افراط و تفریط کے مابین، دیکھو عدالت

اعیان : عین کی جمع ہے۔ لغت کے اعتبار سے اس کا اطلاق بھائیوں، ہم جنسوں ہم چشموں پر کیا جاتا ہے۔ سالکانِ راہِ طریقت کی اصطلاح میں اعیان صورِ علیہ کو کہا جاتا ہے اور اعیانِ ثابتہ سے وہ صورِ اسماء الٰہی مراد لیتے ہیں ارواح اُن اعیان کی مظاہر ہیں اور اشباہ روحوں کے مظاہر ہیں۔

اعیان کا اطلاق موجوداتِ خارجیہ پر ہُوا کرتا ہے خواہ وہ جواہر ہوں یا اعراض ہوں کبھی اعیان کا اطلاق قائم بالذات اشیاء پر کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ اعراض کے مقابل ہوتے ہیں اور قائم بالذات ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ متحیز بالذات و بنفسہٖ ہو کہ جس کا تحیز کسی غیر کے تحیز کا تابع نہ ہو۔ قائم بالذات کی یہ تشریح متکلمین کے مسلک پر ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک قائم بالذات کے معنی یہ ہیں کہ وہ بالذات محل سے مستغنی ہو۔

اعیانِ ثابتہ : موجودات و حقائق ممکنات کی وہ صورِ علمیہ الٰہیہ جو باری تعالیٰ کے علمِ ازلی میں ہیں یا صورِ حقائق ممکنات کہ جو صورِ اسماء الٰہی ہیں جن کو حق تعالیٰ سے ذاتی تاخر ہے چونکہ ان صورِ حقائق اور حق جلّ مجدہ کے مابین کوئی زمانی تقدم و تاخر نہیں ہے لہٰذا یہ صورِ علمیہ حق تعالیٰ کا علم ہونے کی وجہ سے ازلی اور ابدی قرار دی جاتی ہیں۔

اعیانِ ثابتہ :۔ علم باری تعالیٰ میں ممکنات کے حقائق اور صورتیں جن پر خدا تعالیٰ کو ذاتی تقدم حاصل ہے۔

اعظم الجبال : حکماء و فلاسفہ کو اعظم الجبال یعنی سب سے بلند پہاڑ کی تلاش و جستجو کی ضرورت اس وقت محسوس ہُوئی جب کہ اُن کی طرف سے زمین کی کرویت اور اُس کی ہمواری اور گولائی کا دعویٰ کیا گیا اس دعوے پر قدح کی گئی کہ زمین ناہموار ہے۔ اس میں گہرے گڑھے اور غار ہیں۔ بلند بلند پہاڑ کھڑے ہیں جن کی موجودگی میں کرویت کا دعویٰ کیسے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے۔ اس منزل پر سب سے اونچے اور بلند پہاڑ کی جستجو اور تلاش کا سوال پیدا ہُوا۔ چنانچہ اس دور میں پہاڑوں کے جائزے اور پیمائش

ثابت ہُوا کہ جبل نہاوند کرۂ ارضی کا سب سے بلند اور اعظم الجبال ہے اور زمین کی کرویت و گولائی میں سب سے زیادہ یہی خلل انداز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ زمین کے قطر اور اعظم الجبال کی بلندی کے مابین نسبت معلوم کی گئی تو اندازہ ہوا کہ اعظم الجبال کی بلندی کا تناسب کرۂ ارض کے مقابلے میں اس قدر ہے کہ جس کا تناسب ایک ذرع کے قطر پر بنائے ہوئے کرہ پر سبع عرض شعیرہ یعنی ایک جو کے دانے کے عرض کے ساتویں حصے کو ہو سکتا ہے گویا ایک ذرع کے قطر پر جو کرہ بنے گا اس پر جو کے دانے کے عرض کا ساتواں حصہ عرض شعیرہ جس قدر اس ایک ذرعی کرے کی کرویت میں مخل ہو سکتا ہے۔ اس قدر جبل نہاوند د اعظم الجبال، کرۂ ارض کی کرویت میں خلل انداز ہوگا۔ یعنے برائے نام اور اسقدر قلیل کہ محسوس تک نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس دور میں زمین کی کرویت کے دعوے کے ساتھ ساتھ جبل نہاوند کو اعظم الجبال مان لیا گیا۔ آج کرویت ارض اور اعظم الجبال کے سلسلے کی تحقیق کس منزل پر پہنچ چکی ہے۔ وہ سب کو معلوم ہے۔

اعضاء اصلیہ: وہ اعضاء کہلاتے ہیں جو منی سے بنتے ہیں۔

اعضاء رئیسہ: یہ اعضاء بدن کی تمام ضروری قوتوں کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ اعضاء رئیسہ کا اطلاق عام طور پر دل دماغ جگر اور خصیتین پر کیا جاتا ہے۔ آخرالذکر کو صرف بقائے نسل کی وجہ سے اعضاء رئیسہ میں شمار کر لیا جاتا ہے لیکن وہ شخصی زندگی کے لیے ضروری نہیں ہے۔ ہر سہ اول الذکر بقاء نسل کے ساتھ ساتھ شخصی زندگی کے لیے بھی ناگزیر ہیں۔

اعضاء شریفہ: آنتیں، گردے اور معدے کو کہا جاتا ہے۔ ہر چند کہ یہ تینوں اعضاء قیام بدن کا سبب ہوتے ہیں لیکن کسی قوت کا سرچشمہ نہیں ہیں۔ بعض اطباء معدے کو بھی اعضاء رئیسہ میں شمار کرتے ہیں۔

اعضاء مفردہ: وہ کہلاتے ہیں جن کے جزء اور ٹکڑے کو پورے عضو کا نام دیا جا سکے اور پورے عضو کی جو صفات و خصوصیات ہیں وہ اس ٹکڑے میں بھی پائی جا سکیں۔ مثلاً ہڈی کہ کل ہڈی اور اس کے ٹکڑے کو بھی ہڈی کہا جاتا ہے لہذا

ہڈی عضوِ مفرد ہوئی۔

اعضاء مرکبہ : وہ ہوتے ہیں جن کے کل کی تعریف وخصوصیت اور نام اس کے کسی جزو کو نہ دیا جا سکے۔ مثلاً ناک، آنکھ، ہونٹ، رخسار، پیشانی کان وغیرہ سب مل کر چہرہ کہلاتے ہیں اور یہ سب چہرے ہی کے حصے ہیں لیکن ان میں فرداً فرداً کسی ایک کو بھی چہرہ نہیں کہا جاتا۔

افعال :۔ فعل کی جمع ہے۔ معنی ظاہر ہیں۔ اگر افعال وحرکات بالکل معطل اور بند ہو جائیں تو اُن کو افعالِ باطلہ کہا جاتا ہے اور اگر بے ترتیب و بے قاعدہ ہو جائیں تو افعالِ پریشاں کہلاتے ہیں۔ اگر اُن میں نقص یا کمی پیدا ہو جاتے اور صحت و اعتدال سے منحرف ہو جائیں، تو افعال ناقص ہوں گے۔

افعالِ باطلہ : دیکھو افعال

افعالِ پریشاں : دیکھو افعال

افعالِ ناقص : دیکھو افعال

افعال قلوب : عارفینِ باللہ کی اصطلاح میں افعالِ قلوب کا تعلق جوارح اور ظاہری اعضاء سے نہیں ہے۔ اُن کے نزدیک افعالِ قلوب حسب ذیل ہیں۔ تصدیق، یقین۔ صدق۔ توکل۔ محبت۔ رضا۔ ذکر۔ شکر۔ حقیقت۔ تقویٰ۔ مراقبہ فکر۔ اعتبار۔ خوف۔ رجا۔ صبر۔ قناعت۔ تسلیم۔ تفویض۔

افعالِ عالیہ : وہ چار افعال یا اشیاء کہ جب بھی ذہن یا خارج یا علم باری تعالیٰ میں پائے جائیں تو ان سے موصوف ہو گا وہ افعال اربعہ کون، وجود، ثبوت اور حصول ہیں۔

افعال عامہ : افعال عامہ وہ کہلاتے ہیں کہ جو فعل اور جو شے بھی ذہن میں آتے یا خارج میں پائی جا سکے یا علیم العلام حق جل مجدہٗ کے علم میں ہو۔ ان سب کے ساتھ حق تعالیٰ موصوف و متصف ہے۔ وہ افعال یہ ہے

کون است و وجود است و ثبوت است و حصول

افعال خاصہ :۔ افعال عامہ کون وجود اور ثبوت و حصول کے بالمقابل جو افعال

ہیں وہ افعال خاصہ کہلاتے ہیں۔

افعال مدح و ذم: جو تعریف یا مذمت کی انشاء اور تشہیر کے لیے وضع کیے گئے ہوں۔

افعال طبعی: صحیح معتدل اور کامل افعال

افق: لغت میں افق کے معنی کنارہ اور طرف (جانب) کے ہیں۔ فن ہیئت کی اصطلاح میں اس کا اطلاق تین دائروں پر کیا جاتا ہے۔ پہلا وہ بڑا دائرہ ہے جو آسمان کے دکھتے والے اور نظروں سے اوجھل حصّوں کے درمیان حدفاصل کا کام دیتا ہے، اور سمت الراس، سمت القدم کو باہم ملا دینے والے خط پر عموداً (سیدھا) پڑتا ہے۔ یہ دائرہ افق حقیقی کہلاتا ہے۔ دوسرا چھوٹا دائرہ ہے جو افق حقیقی کو جو اس کے موازی ہے۔ اوپر سے زمین کو چھو رہا ہے۔ یہ دائرہ حسّی کہلاتا ہے۔ تیسرا دائرہ وہ ہے جس کا محیط اس خط کی طرف سے مرتسم ہوتا ہے جو نگاہ سے نکل کر فلک اعظم کی سطح تک پہنچ جاتا ہے اور زمین کو چھو رہا ہے۔ جب اس خط کو الٹا کر دیا جائے اس طرح کہ اس کی وہ سطح جو نظر سے قریب اور زمین سے ملی ہوئی ہے قائم رکھی جائے تو اس کو بھی افق حسّی کہا جائے گا گویا یہ افق حسّی ع۲ ہوا۔

افق حقیقی: دیکھو افق

افق حسّی: دیکھو افق

افق حسّی ع۲: دیکھو افق

افراط: افراط کا اطلاق کمال کی جانب زیادتی پر اور اسی جانب حد سے متجاوز ہو جانے پر ہوتا ہے اور تفریط میں نقصان اور کمی حد سے کم اور کم سے بھی کم پر ہوتی ہے: (دیکھو عدالت)

افریقہ: (افریقہ) دیکھو اقالیم سبعہ

افعل التفضیل: اس کی اضافت اگر معرفہ کی طرف کی جائے تو مضاف الیہ کی نفس

ذات کی فضیلت مقصود ہوتی ہے اور اگر نکرہ کی جانب اس کی اضافت کی جائے تو افراد مضاف الیہ پر تفضیل مراد ہوتی ہے۔

افقِ اعلیٰ : مقام روح کی انتہا۔ بارگاہ الوہیت واحدیت کا منتہا

افق المبین : مقام قلب کی انتہا۔

اقانیم ثلاثہ : اقانیم (اقنوم) کی جمع ہے جس کے معنی اصل کے ہیں۔ نصاریٰ وجود، علم اور حیات کو اقانیم ثلاثہ قرار دیتے ہیں اور ان کے نام باپ، بیٹا اور روح القدس رکھتے ہیں۔

اقالیم : اقلیم کی جمع ہے۔ خطِ استوا کے بالائی آباد حصے کو برابر برابر سات حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کو اقلیم کا نام دے دیا گیا ہے۔ پہلی اقلیم کا آغاز خطِ استوا سے دس درجے اوپر سے ہوتا ہے۔ آخری اقلیم چھیاسٹھ درجے پر ختم ہو جاتی ہے۔

اقلیم اوّل : دیکھو اقالیم

اقلیم سابع : ساتویں اقلیم : دیکھو اقالیم

اقالیم سبعہ (سات اقلیمیں) قدیم ماہرینِ ارض و حکماء طبعیات نے کرۂ زمین کو چار برابر حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں سے تین چوتھائی ہیں باقی ہی پانی ہے۔ جس کو بحرِ اعظم کہا جاتا ہے۔ ایک چوتھائی باقی حصہ شمال کی جانب ابھر آیا ہے۔ اس کو برِ اعظم و ربع مسکون کہا جاتا ہے۔ اس برِ اعظم ربع مسکون کا وہ حصہ جہاں امریکہ واقع ہے۔ دنیائے جدید بھی کہلاتا ہے۔ نئی دنیا کو چھوڑ کر بقیہ برِ اعظم کو دنیائے قدیم اور پرانی دنیا کہا جاتا ہے جو تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے جس کا ایک حصہ افریقہ دوسرا ایشیا تیسرا یورپ کے ناموں سے مشہور ہے۔

اقالیم حارّہ : اقلیم اوّل، دوم، سوم، انتہائی گرم ہیں۔

اقالیم باردہ : اقلیم پنجم، ششم، ہفتم انتہائی سرد ہیں۔

اقلیم معتدل : اقلیم چہارم معتدل ہے۔

اقلیم ثامن : عام طور پر اقالیم سبعہ (سات اقلیمیں) مشہور ہیں جو قبیل محسوسات

سے ہیں۔ صوفیائے کرام نے ایک اور اقلیم کی نشاندہی کی ہے جو عالم مثال سے ہے اور اس کو اقلیم ثامن قرار دیا ہے۔

اقتضاء النص : شرع کی اس جانب دلالت و رہنمائی کہ کلام اس وقت تک درست اور صحیح نہ بن سکے گا۔ جب تک کہ اُس میں مناسب اضافہ نہ کیا جائے یا غیر منطوق کو منطوق قرار دے دیا تاکہ منطوق صحیح و درست ہو جائے۔

اکتناز : مذہب اسلام کی اصطلاح میں اکتناز دنیا داری کو کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا داری عام اصطلاح میں سرمایہ داری کے بالکل ہم معنی اور مطابق ہے۔ اکتناز کے معنی ہیں کہ کسی جماعت کا یا چند اشخاص کا مقصد ہی دولت کی فراوانی اور فراہمی ہو جائے۔ ان کے گردوپیش دولت کے انبار لگے ہوں اور عوام الناس روٹی کے ایک لقمے کے لیے ترس رہے اور بلک رہے ہوں۔ گویا آمدنی کے وسائل پر چند افراد مسلط ہوں اور دوسرے اُن کے دست نگر، محتاج اور رحم و کرم پر ہوں۔ دنیا جہان میں جس قدر بھی مذاہب وادیان رائج ہیں اُن میں سے بیشتر مذاہب نے سرمایہ داری کے خلاف اظہار رائے کیا ہے اور اُس کی مخالفت و مذمت میں ہزاروں مجلّدات میں لاکھوں صفحات لکھ دیئے گئے ہیں۔ ان مجلّدات اور ضخیم کتابوں میں سرمایہ داری اور دنیاداری کی جس قدر مذمت کی گئی ہے ان سب پر اسلام کے ایک صوفی شاعر کا حسب ذیل شعر بھاری ہے ؎

اہلِ دنیا چہ کہین و چہ مہین
لعنت اللہ علیہم اجمعین

(سرمایہ دار چھوٹے ہوں یا بڑے سب کے سب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ کی لعنت کے سزاوار و مستحق ہیں (دیکھو احتکار)

اکحل : یہ ایک رگ ہے جو قیفال اور باسلیق سے مرکب ہے۔ کلائی کے اگلے حصے کے درمیان سے اوپر ظاہر ہوتی ہے۔ اسی کو ہفت اندام بھی کہتے ہیں۔

اکوان اربعہ : حرکت۔ سکون۔ اجتماع۔ افتراق

القاء: ان واردات و تجلیات کو کہا جاتا ہے جو بارگاہِ الوہیت سے قلبِ سالک پر وارد ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ عالمِ غیب کے حالات و معاملات اور مملکت روحانی کے حقائق پر اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق مطلع ہو جاتا ہے۔ بعض شیطان صفت افراد پر شیطان کی طرف سے بھی القاء ہو جایا کرتا ہے۔

الہام: مطلق اعلام (اطلاع) کے معنی میں آتا ہے۔ اصطلاحِ شریعت و طریقت میں الہام ایک مخصوص معنی اور مفہوم خاص سے عبارت ہے جو القاء کے طور پر فیض رسانی کی خاطر بغیر کسب و فکر اور بلا کسی سے سیکھے سکھائے قلب پر وارد ہو جاتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک غیبی واردات ہے جو قلب میں ڈال دی جاتی ہے۔ الہام بجائے خود کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ اور رہروانِ طریقت کو بالکل ابتدائی مراحل سلوک میں پیش آجایا کرتا ہے۔ بلاشبہ فراست سے اس کا درجہ بلند ہے۔ الہام کا نور جس شخص کے قلب میں چمکنے لگتا ہے، وہ اس نور اور فراست کی روشنی سے بعض غیبی امور کی سراغ رسانی کر لیتا ہے۔

آلہی: ایسے حالات کے علم کو کہتے ہیں جو اپنے وجود خارجی اور وجود ذہنی دونوں میں مادّے کا محتاج نہ ہو۔ جیسے حق جلّ مجدہٗ اور عقول عشرہ۔

الوالباب: دیکھو الی الباب۔

التیام: کسی جسم کے اجزاء کا انفعال کے بعد پھر ایک دوسرے سے مل جانا اور حالتِ اصلی پر آجانا۔

الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد: فلسفہ کا کلیہ ہے کہ شے واحد سے ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے۔ ایک شے متعدد اشیاء کے صدور کا سبب نہیں بن سکتی۔ اسی بنا پر فلاسفہ کا ادعاء ہے کہ خلّاق عالم جلّ مجدہٗ نے صرف عقل اوّل کو پیدا کیا اور اسی اصول کے ماتحت عقل اوّل کی خلّاقی سے ساری کائنات اور جملہ موجودات باللہ ظہور میں آئے۔

الواح اربعہ: لوح القضاء، لوح القدر، لوحِ جزیہ سماویہ، لوح ہیولیٰ۔

التباس : ایک شئے کا اس حد تک دوسری شے کے مشابہ ہو جانا کہ اُن میں باہم فرق دشوار ہو جاتے۔ یہ مشابہت عقل کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔

الٰہیت الوہیت : ذاتِ آیہ اکمل مقام الٰہی خدائی خدائیت

الٰہیات : وہ علم الٰہی جس میں ایسے امور سے بحث کی جاتے جو وجود خارجی اور وجود ذہنی دونوں میں مادے کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے حق جلّ مجدہٗ کی ذات وصفات اور عقول وجواہر مجرّدہ

الٰہی بالمعنیٰ الاعم (علم کلی، فلسفہ اولیٰ) : ایسے موجودات کا علم جو مادّے کے محتاج نہ ہوں لیکن مادّے کے ساتھ ان کا تعلق ممکن ہو۔

الٰہی بالمعنیٰ الاخص (تھیولوجیا) : ایسے موجودات کا علم جو مادّے کی طرف محتاج تو ہوں ہی نہیں مگر مادّے کے ساتھ مل بھی نہ سکیں۔

الف لام تعریف : اقسام الف لام میں یہ الف اصلی ہے کسی اسم پر اس کے وارد ہونے سے نکرہ معرفہ اور فرد غیر معین۔ معین ہو جایا کرتا ہے۔ رجل نکرہ ہے غیر معین ہے اور اس پر الف لام تعریف داخل ہو کر اس کو الرجل یعنے معرفہ اور فرد معین بنا دیتا ہے۔

الف لام عہد خارجی : جس سے مذکور کی جانب اشارہ کیا جاتے۔

الف لام استغراق : یہ الف لام تمام اجناس و انواع و افراد کو اپنے احاطۂ دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ الحمد للہ الف لام استغراق کے لیے ہے یعنے جمیع اجناس و انواع و اقسام تعریف صرف اللہ کے لیے مختص ہیں۔

الف لام عہد ذہنی : جس سے فرد معہود کی جانب اشارہ کیا جاتے۔

الف لام جنس : اس کا دائرہ حدود صرف جنس معہود تک محدود ہے۔

الف نون زائدتان : نو اسباب منع صرف ہیں کا ایک سبب دیکھو : تسمہ غیر منصرف

امر : عالم امر ایسا عالم ہے کہ جس کو موجد کل حق جلّ مجدہٗ بلا لحاظ و تعینِ مدت وجود

میں لے آیا جیسے عقول ونفوس۔ اس عالم امر کو عالم غیب وعالم ملکوت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ عالم امر و عالم خلق حق تعالیٰ کی ایک ہی تجلّی کے دو پرتو ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے اپنی وحدت کا ظہور کثرت میں چاہا تو عام فیض رسانی کے نقطۂ نگاہ سے اولاً عالم امر کو موجود فرمایا اور پھر سیر نزولی کرتے ہوئے تنزّلات کے آخری مرتبے تک پہنچا کہ جو مرتبۂ انسانیت ہے، اور طرفة العین (آنکھ جھپکتے جھپکنے) بلکہ اس سے بھی کم وقفے میں عالم خلق کی تخلیق کرتا ہوا اقصیٰ الغایات تک پہنچ گیا یعنی آخری نقطۂ اولیٰ پر جا پڑا اور درجہ اطلاق میں آ گیا۔ گویا ایک نفس بلکہ طرفۃ العین سے بھی کم وقفے میں عالمِ امر و عالمِ خلق ظہور میں آ گئے۔ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؎

جہانِ خلق و امر از یک نفس شد
کہ ہم آندم کہ آمد باز پس شد

اُمّ الکتاب : انسان کامل، عقل اوّل، نفس کلیہ، کتاب مبین اور جملہ کائنات و موجودات کو محیط ہونے کی جہت سے بطور اجمال اُمّ الکتاب کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز سورۃ فاتحۃ الکتاب۔ سورۂ محمدؐ۔ لوح محفوظ، عرش معلیٰ۔ عقل اوّل پر اطلاق ہوتا ہے جو مرتبۂ وحدت ہے۔

امناء اللّٰہ : اولیاء کرام کا ایک طبقہ ہے جو امناء اللہ کہلاتا ہے۔ اس کی ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ وہ اسرار غیب پر مطلع رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے باطن میں جو گرانمایہ اوصاف مخفی ہوتے ہیں۔ اُن کے ظاہر حال سے اُن کی مطابقت قطعاً نہیں ہوتی۔ ان کو ملامیہ (ملامتیہ) بھی کہا جاتا ہے۔

امہات الاسماء : ان سے اسماء ذات مراد ہوتے ہیں جن پر اسماء صفات و اسماء افعال متفرع ہیں۔ یہ اسماء چار ہیں۔ اوّل، آخر، ظاہر اور باطن۔ یہ ہر چہار اسماء جن امور کی جانب مشعر ہیں وہ سب اسم اللہ میں سمائے ہوتے

ہیں۔ اسماء ایک اور جہت سے اسماء ذات، اسماء صفات اور اسماء افعال میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ سب کے سب ظہور ذات کے اعتبار سے تو اسماء ذات ہی ہیں لیکن چونکہ ان سے صفات و افعال کی جانب بھی رہبری ہوتی ہے اس لیے ان کو اسماء صفات اور اسماء افعال کہہ دیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ لا تعداد ہیں اور اُس کی صفات احاطہ میں نہیں لائی جاسکتیں انسان کی محدود اور ظاہری طاقت و وسعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو اسماء ذات و صفات اور اسماء افعال کی ایک محدود تعداد بتلائی گئی ہے۔

امہات الکسور: کل نو ہیں۔ آدھا۔ تہائی، چوتھائی، پانچواں، چھٹا، ساتواں، آٹھواں، نواں، دسواں۔

اُمّت: نبی و رسول کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے والی جماعت اُمّت کہلاتی ہے۔ خواہ وہ کسی نسل، کسی قبیلے اور کسی ملک و قوم سے تعلق رکھتی ہو: دیکھو ملّت

امتداد موہوم: اشارہ کرتے وقت مشیر سے مشارٌ الیہ تک جو بھی (پھیلاؤ) ہوتا ہے۔ وہ امتداد موہوم کہلاتا ہے۔

امتناع۔ امتناع ذاتی۔ امتناع بالغیر: جس کی ذات کا اقتضاء وجود خارجی کا عدم ہو۔ یہ امتناع ذاتی بھی کہلاتا ہے۔ یا غیر ذات کا اقتضاء وجود خارجی کا عدم ہو۔ جیسے عقل اوّل کا عدم یا امتناع وجوب عدم یا لا امکان وجود بالذات اس امر کی متقضی ہو کہ اس کو وجود عارض نہ ہونا چاہیے۔ گویا وہ وجود کی صلاحیت قابل اور متحمل ہی نہ ہو۔ جیسے شریک باری کا امتناع

امتناع ذاتی: دیکھو امتناع

امتناع بالغیر: دیکھو امتناع

امتلاء: بدن کا اخلاط سے بھر جانا

امراضِ احتباس: وہ امراض کہلاتے ہیں جو جسم میں فضلات کے مدّتِ معینہ

سے زیادہ رُک جانے کے باعث پیدا ہو جاتے ہیں۔

امراضِ مادّی: جو امراض مواد اور اخلاط کے بگڑ جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے مرضِ یرقان۔

امراضِ مزاجی: وہ امراض ہوتے ہیں جو صرف مزاج کے بگڑ جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔

امراضِ مزمنہ: وہ دیرپا امراض کہلاتے ہیں جو چالیس دن سے زیادہ عرصے تک قائم رہیں۔

امراضِ حادّہ: چالیس روز کے عرصے سے کم عرصے تک رہنے والے امراض کو امراضِ حادّہ کہا جاتا ہے

امراضِ خاصّہ: وہ امراض جو کسی خاص عضو میں پیدا ہوں اور اسی تک محدود ہوں۔

امراضِ عامّہ: جو کسی خاص عضو تک محدود نہ ہوں۔ بلکہ اُن سے سارا بدن اور تمام اعضاء متاثر ہوں۔

امُورِ طبیعیہ: وہ ضروری اشیاء جن سے انسان کا ڈھانچہ (بدن) بنتا ہے کہ اگر اُن میں سے ایک چیز بھی کم ہو جاتے تو انسان کا بدن قائم نہ رہ سکے۔ امورِ طبیعیہ سات ہیں۔ ارکان امزجہ اخلاط۔ اعضاء۔ ارواح۔ قویٰ۔ افعال۔ ان کو اجزاء مقومہ بھی کہا جاتا ہے۔

امراضِ وضع: ایک عضو کے ساتھ دوسرے عضو کا تعلق صحیح حالت میں برقرار نہ رہے یا عضو اپنی جگہ سے ٹل جاسے۔

امشاج: بدن کے وہ اخلاط اور رطوبتیں جن سے مختلف اعضاء بنتے ہیں امشاج کہلاتی ہیں۔

امکان: (۱) موصوف کے لیے کسی صفت کی نسبت کا غیر ضروری ہونا (۲) وجود و عدم مساوی ہو۔ یا (۳) جس کا نہ وجود ضروری ہو نہ عدم یا (۴) وجود و عدم

جس کا مقتضائے ذات نہ ہو یا (۵) ماہیت۔ بحیثیت ماہیت کے وجود و عدم دونوں کے قابل ہو۔

امکانِ عام (۱) حکم کے اعتبار سے جانبِ مخالف کی ضرورتِ ذاتیہ کا سلب یا (۲) جانب موافق کے امتناع ذاتی کا سلب یا (۳) جس چیز کی یہ امکان صفت ہو اس کا عدم ضروری نہ ہو۔ یعنی اطراف میں سے ایک طرف کسی ضرورت کا سلب ہو۔ اس امکان عام کے دائرہ کی وسعت میں واجب تک بھی آجاتا ہے۔ کیونکہ واجب کا عدم بھی کہاں ضروری ہے۔ (دیکھو: لاضرورت)

امکانِ خاص : جس کا اقتضا یہ ہو کہ وجود اور عدم دونوں ضروری نہ ہوں یعنی طرفین سے ضرورت کا سلب ہو۔ جیسے ممکنات کی جملہ اقسام کہ جن کا نہ عدم ضروری ہے نہ وجود لازمی (دیکھو: لاضرورت)

امکانِ اخص : دیکھو لاضرورت

امکانِ استقبالی : دیکھو لاضرورت

امکانِ ذاتی : (۱) جس شے کی یہ امکان صفت ہو اگر اس کا وجود بالفعل فرض کر لیا جائے تو باعتبار ذات کے کوئی محال لازم نہ آئے۔ اگرچہ علاوہ ذات کے کسی دوسرے امر سے محال لازم آئے یا نہ آئے یا (۲) جس کا جانب مخالف واجب بالذات نہ ہو۔ اگرچہ واجب بالغیر ہو۔ مثلاً انسان میں کتابت کا امکان اور صلاحیت ہے۔ اگر اس کو بالفعل کتابت سے متصف مان لیا جائے تو نہ اُس کی ذات کے اعتبار سے محال لازم آتا ہے۔ نہ کسی غیر کے اعتبار سے محال ضروری ہو جاتا ہے۔ یا مثلاً فلاسفہ کے مسلک کے مطابق حق جلّ مجدہٗ کی ذات عقل اول کی علت ہے اور عقل اول کا ممکن ہونا اس امر کو بھی مستلزم ہے نہ اس کا عدم بھی ممکن ہو اب اگر ہم بالفعل عقل اول کا عدم فرض اور تسلیم کر لیں تو خود عقل اول کی ذات کے اعتبار سے تو محال لازم نہیں آتا لیکن ذاتِ باری تعالیٰ کے لحاظ سے محال لازم ہو جاتا ہے کیوں کہ معلول کا عدم، علّت تامہ کے عدم کو لازم ہے اور حق تعالیٰ کا عدم، محال ہے۔

امکان نفس الامری: جس کی صفت یہ امکان ہو کہ اگر اس کا وجود بالفعل فرض کر لیا جائے تو نہ باعتبار ذات ممکن کے کہ کوئی محال لازم آئے نہ اس کے غیر کے اعتبار سے محال لازم آئے۔ مثلاً ارشد کے لیے کتابت بامکان نفس الامری ممکن ہے اب اگر ارشد کو بالفعل کاتب مان لیا جائے تو خود ارشد کی ذات اور اس کے غیر کے لحاظ سے کسی قسم کا محال لازم نہیں آجاتا۔

امکانِ استعدادی: جس چیز کی یہ امکان صفت ہو اس کا وجود بالفعل نہ ہو بلکہ اس کی محض استعداد ہو اور اس کا جانب مخالف نہ واجب بالذات ہو نہ واجب بالغیر ہو۔ جیسے کسی بچے میں کتابت کی استعداد کا ہونا کہ فقدان استعداد کتابت نہ واجب بالذات ہے نہ واجب بالغیر۔

امکانِ وقوعی: (دیکھو امکان استعدادی)

امر خارجی: جس کی ذات کے لیے خارج ظرف ہو' وجود کے لیے ظرف نہ ہو۔

امور اتفاقیہ: امور اتفاقیہ کی تشریح حکماء اس طور پر کرتے ہیں کہ سبب تک مسبب یا تو ہمیشہ پہنچنے والا ہوتا ہے یا زیادہ تر اور اکثر پہنچتے رہنے والا ہوتا ہے۔ یا مادی طور پر پہنچتا ہے یا کم تر پہنچتا ہے۔ پہلی دو صورتوں میں تو سبب ذاتی ہوتا ہے اور مسبب کو غایت ذاتیہ کہا جاتا ہے۔ آخری دونوں صورتوں میں سبب اتفاقی کہلاتا ہے اور اس کے مسبب کو غایت اتفاقیہ کہتے ہیں۔

امر اعتباری: جس کا وجود صرف اعتبار کرنے والے کے ذہن میں ہو جب تک وہ اعتبار کرتا رہے۔

امور اعتباریہ: جن کا نفس الامر میں تحقق نہ ہو مگر یہ اعتبار معتبر تحقق ہو جیسے مفہومات اصطلاحیہ یا اس کا مفہوم ہو کہ اس کے لیے نفس الامر میں بغیر اعتبار کے تحقق ہو اگرچہ موجود نہ ہو جیسے وجوب امکان حدوث وغیرہ جو خارج میں امور متحقّقہ میں سے ہیں۔

امر عام: جو اقسام موجودات واجب' جوہر' عرض' میں سے کسی ایک کے ساتھ مختص نہ ہو۔

امور عامہ: امور عامہ وہ کہلاتے ہیں جو مجردات مادیات دونوں میں مشترک' تمام پر حادی

اور شامل ہوں خواہ یہ شمول بطریق اطلاق ہو یا برسبیل تقابل جیسے علت معلول واحد کثیر، موجود، معدوم یا امور عامہ وہ کہے جا سکتے ہیں جو تمام مفہومات موجودہ اور معدومہ کو شامل ہوں جو واجب ہوں ممکن ہوں یا ممتنع ہوں۔

امر بالمعروف : راہ نجات اور بھلائی کی جانب رہنمائی یا جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق ہو۔ یا ان افعال، اعمال و اقوال کی جانب رہنما ہو جو خداوند تعالی کو پسند ہیں۔

انسان : حیوان ناطق ذی عقل و ذی شعور جاندار۔

انسانِ کامل : تمام عوالم الٰہیہ اور کائنات کے جزو کل کا جامع۔ ایک ایسی منزل من اللہ کتاب کا مہبط و مورد اور حامل جو تمام کتب الٰہیہ اور کونیہ کی جامع و ناسخ ہے۔

انصافِ اقطار : دیکھو اسطوانہ

انزعاج : وعظ یا سماع سے قلب میں ایسی تحریک کا پیدا ہو جانا جو حق تعالی کی جانب توجہ کو منعطف کر دینے والی ہو۔

انتباہ : حق تعالی کی جانب سے برسبیل رحم و عنایت ایک ایسی تنبیہ جس سے متنبہ ہو کر انسان ان حرکات سے باز آجائے جو مکروہات میں گمراہیوں میں گناہوں میں اور وبال و نکال میں اس کو مبتلا کر سکتی ہیں۔

انفعالیات : وہ راسخ (رچ جانے والی) اور جلد زائل نہ ہو جانے والی کیفیات جو حواس خمسۂ ظاہرہ میں سے کسی ایک حس سے محسوس ہوں انفعالیات کہلاتی ہیں۔

انفعالات : وہ کیفیات جو کسی حس ظاہری سے محسوس ہو کر جلد زائل ہو جانے والی ہوں انفعالات کہی جاتی ہیں۔

انشاء : انشاء کے ایک معنی ہیں ایسی شئی کا ایجاد کرنا جو مادّے اور مدت سے مسبوق و ملوث ہو۔ ایک انشاء خبر کے مقابل ہوتی ہے۔ جس میں کوئی ایسی

خارجی نسبت ہی نہیں ہوتی جو صدق یا کذب سے مطابقت رکھتی ہو، اور اس کی بنیاد پر اس میں صدق وکذب کا احتمال و سوال یا صلاحیت پیدا ہو سکے کبھی انشار کا اطلاق فعل حکم پر یعنی کلام انشائی کے نثر والقاء پر ہوتا ہے اور پھر کبھی انشاء سے انشاء اللہ تعالیٰ مراد لی جاتی ہے۔

انا انت و انت انا: محب کا محبوب کی ذات میں جذب ہو کر درجہ فنائیت پر فائز ہو جانا کہ من و تو کی تفریق کا کوئی شائبہ باقی نہ رہ جائے۔

انا بلا انا و نحن بلا نحن: اس سے افعال سے تخلیہ اور فنار ذاتی مراد ہے۔

انابت: خلق سے منہ موڑ کر حق کی راہ پر چل پڑنا۔ ہر چیز اور ہر طرف سے منقطع ہو کر صرف حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جانا گویا انی وجھت وجھی مقام انابت ہے۔

اندراج: ایک چیز کا دوسری چیز میں اس طرح در آنا کہ دونوں چیزوں میں امتیاز باقی رہے جیسے کتاب میں الفاظ و حروف اور لفافے میں خط۔

اندماج: ایک چیز کا دوسری چیز میں اس طرح در آنا کہ دونوں کے مابین امتیاز باقی نہ رہے اور "من تو شدم تو من شدی" کا سا معاملہ ہو رہے جیسے پتھر میں آگ۔

انحناء: خط کا اس طرح ہونا کہ اس کے مفروضہ اجزاء تمام اوضاع پر منطبق نہ ہو سکیں

انضمام: بلا حجاب مل جانا۔

انحلال: صورت کا بطلان۔

انفصال: صالح اتصال کا منفصل اور جدا ہو جانا یا دو ہیئتوں (حقیقتوں) کا پیدا ہو جانا۔

انفعال: متاثر میں کسی امر غیر کی تاثیر سے جو انفعالی کیفیت اور تاثر نمایاں ہو کر ایک خاص ہیئت پیدا ہو جائے، وہ انفعال کہلاتا ہے۔

انقسام عقلی: جس میں بالفعل اجزار موجود ہوں۔ اور بعض اجزار بعض سے منفصل ہوں۔

انقسام فرضی: جس کے غیر متناہی اجزار ہونے کا فیصلہ عقل کرے کہ عقل مادے سے مجرد اور قوت مجردہ ہونے کی وجہ سے انفعال غیر متناہیہ پر قادر ہے۔

انقسام وہمی : جس کے متناہی اجزا ہو وہم ثابت کرے چوں کہ وہم جسمانی قوت ہے اور کوئی قوت جسمانی خواہ وہ کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو افعال غیر متناہی پر قادر نہیں ہوسکتی ۔

انطباق : دو سطحوں کا طول و عرض میں ٹھیک ایک دوسرے کے مطابق و موافق بیٹھ جانا۔

انطباق کلی : افراد میں سے ہر ایک فرد کو اپنے کل کے ساتھ ایسی مخصوص مناسبت کا ہونا کہ اس جیسی مناسبت اس کے اغیار کو نہ ہو۔ مثلاً ہم نے افراد انسانی میں سے ایک فرد فرید ارشد کا تصور کیا اور اس کو تشخص اور عوارض و لواحقِ مادیہ سے مجرّد کر لیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا کر لینے سے ارشد کی ایک ایسی صورت ہمارے ذہن میں آئی کہ جو اس کے ماسوا سے ممتاز ہے گویا یہ انسان کا مفہوم ہوا جو ہمارے ذہن میں آیا۔ اب ہم نے ایک اور دوسرے فرد انسانی کو عوارض و تشخصات سے مجرّد کر کے لحاظ کیا تو ظاہر ہے کہ کوئی متباین صورت ہمارے ذہن میں نہیں آئی بلکہ اعتباری فرق کے ساتھ انسان کی وہی صورت ہمارے ذہن میں آئی جو انسان کی صورت تھی کہ جو ارشد اور دوسرے فرد سے منتزع ہوئی یہ تو افراد کلی پر کلی کے انطباق کی صورت ہوئی اب ہم نے کسی غیر انسانی فرد مثلاً جانوروں میں سے گھوڑے کا تصوّر کیا اور اس کو بھی تشخصات و عوارض سے مجرّد کر لیا۔ ظاہر ہے کہ گھوڑے کی یہ صورت نئی ہو گی اور پہلی صورت سے بالذات متغائر ہو گی جو غیر پر یعنی ارشد پر منطبق نہ ہو گی۔ اس تشریح سے افراد پر کلیات کے انطباق کو قیاس کر لیا جا سکتا ہے۔

انحنا : ایسا خط جس کے سارے اجزا، تمام اوضاع پر منطبق نہ ہو سکیں اور راست نہ آسکیں۔ جیسے ٹیڑھا خط سیدھے خط پر منطبق ہو ہی نہیں سکتا۔

انوار غیوب : ایسے امور اور انوار جو عالم غیب سے نمودار ہو کر دلوں کو جگمگا دیتے ہیں۔

انحدار : عام طور پر انحدار نیچے اترنے کو کہتے ہیں طب کی اصطلاح میں انحدار کے معنی غذا کا نیچے اترنا ہے ۔

انفعالاتِ انسانی : خوشی رنج وغیرہ، حرکات نفسانی کو کہا جاتا ہے۔
انابت : قلب کا شبہات کی تاریکیوں سے نکل آنا۔ رجوع الی اللہ
انحیانہ : جھکا ہوا۔ مایل بہ کجی۔
انقلاب : ایک صورت سے دوسری صورت تک دفعتاً پہنچ جانا۔
اوّل : شریعت اسلام کی رو سے اوّل خدا کا نام ہے "ہوالاوّل" یہ ایک صاف اور سیدھی بات تھی جس کو اسلامی شریعت اور اربابِ طریقت و معرفت نے ظاہر کر دیا۔ اور لفظ اوّل کے معنیٰ و مصداق بھی بتلا دیا۔ یعنی " اللہ"

اسی دور میں ... الواحد لایصدر عنہ الا الواحد"

کا مقولہ اپنا لیا گیا۔ یا اختراع کر لیا گیا۔ اسی زبان زد مقولے کی بنیاد پر حق جلّ مجدہٗ کو واحد اور جہات سے بری ہونے کے باعث صرف عقل اول کا خالق مانا گیا۔ اس کے بعد عقل اول سے عقل عاشر تک سلسلۂ تخلیق عقول و افلاک جاری رہا۔ تا آں کہ عقل عاشر نے، بالفاظ دیگر عقل فعّال نے سارے عالم کو جنم دیا۔ یہ مقولہ نہ تو عقائد حکمیہ میں کا کوئی عقیدہ ہے نہ مسلّمات فلاسفہ میں کا تسلیم شدہ اصول ہے۔ یوں بھی یہ مقولہ بنیادی طور پر درست نہیں"۔

علت اور علت العلل اگرچہ موجود خارجی ہے مگر وصف علیت تو قبیل معقولات سے ہے اور معلول موجود خارجی ہو تو ہوا کرے معلولیت تو بہر حال اعتباری ہے۔ لہٰذا علت واحدہ سے اگر دو یا متعدد اثرات و معلولات ظاہر وصادر ہو جائیں۔ تو ذات علت میں کہاں سے اختلاف اور طوفان برپا ہو جائے گا زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ اس کے اعتبارات عقلی دو ہو جائیں گے۔ جو اعتبار معتبر اور انتزاع منتزع پر موقوف ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ منشار انتزاع ذات علت ہی ہو گی۔ اور معتبر جب بھی علت کی کثرت جہات کا اعتبار کرے گا۔ تو خارج میں تکثر ضرور ہو جائے گا۔ اور ایک علت سے متعدد معلول صادر ہو سکیں گے۔

انھیں حکمار و فلاسفۂ اسلام میں سے ایک تیسرا طبقہ متکلمین کے نام سے

ابھرا جس کی نمائندگی مختلف ادوار میں حسب ذیل مشاہیر وفضلاء دہر نے کی۔
امام غزالی۔ امام رازی۔ شہاب الدین سہروردی۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی۔ علامہ سعد الدین تفتازانی۔ قطب الدین شیرازی۔ قطب الدین رازی۔ علامہ سید شریف جرجانی۔ محقق دوانی۔ میر باقر داماد۔ میر زاہد۔ عبد الحکیم سیالکوٹیؒ ملا محمود جونپوری۔ حسن ابن معین مہبندی۔ صدر الدین شیرازی۔ ملا نظام الدین استاد الکل (فرنگی محل)، ملا کمال الدین فرنگی محلی۔ قاضی محب اللہ بہاری۔ ملا حسن۔ محمد اللہ سندیلوی۔ بحر العلوم فرنگی محلی۔ مولانا عبد الواحد خیر آبادی۔ علامہ فضل امام خیر آبادیؒ علامہ فضل حق خیر آبادی۔ مولینا عبد الحئی (فرنگی محل)، مولانا عبد الحق خیر آبادی

اوردہ : ورید کی جمع ہے ورید اس رگ کو کہا جاتا ہے جس کا رنگ نیلا یا سبز ہوتا ہے۔ قدیم اطباء کی رائے کے مطابق یہ رگ جگر سے نکلتی ہے اور خون اور روح طبعی کو سارے جسم میں پہنچاتی ہے۔ حالیہ تحقیق یہ ہے کہ یہ رگ تمام جسم سے خون فراہم کر کے اس کے صاف کرنے کے لیے دل میں لے جاتی ہے اور جسم کو فرحت پہنچانے کے لیے صاف شدہ خون کو واپس لے آتی ہے۔

اولی الالباب : وہ اہل علم جو مسائل کی تہہ تک پہنچ جائیں اور قرآن وحدیث اور تمام منقولات کا مخفی راز معلوم کریں۔

اوتاد : (جمع وتد) ؛ چار افراد جو عالم کے اطراف اربعہ شرق، غرب، شمال، اور جنوب میں من جانب اللہ تدبیر وتصرف، نظم وانتظام خصوصی کی غرض سے متعین ہیں۔

اولیات : دیکھو بدیہی بدیہیات

اہل بدایات : مبتدیان راہ سلوک کے بالمقابل منتہیان سلوک میں جن کے مراتب و درجات کی کوئی حد ونہایت متعین نہیں ہے۔

اہل الہواء : اہل سنت کے علاوہ جس قدر اہل قبلہ ہیں وہ سب اہل سنت کے حلقوں میں اہل ہوا قرار دیے جاتے ہیں۔

اہلاً وسہلاً مرحبا : اہل عرب کسی نووارد مسافر کے آنے پر بطور خیر مقدم یہ الفاظ دہراتے ہیں

یعنی آپ اپنے عزیزوں میں خوشگوار سفر طے کر کے آئے ہیں ہم آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

اہانت: دیکھو خارق عادت۔

ایمان: اعتقاد قلبی اور زبانی اقرار۔ ایمان معصوم، ایمان انبیاء کرام ہے' ایمان مطبوع ایمان ملائکہ ہے' ایمان مقبول' ایمان مومنین' قانتین ہے' ایمان موقوف ایمان بمتدعین ہے ایمان مردود' ایمان منافقین ہے' امام شافعی صرف زبانی اقرار کو اسلام قرار دیتے ہیں بتصدیق قلبی ہو تو ایمان تسلیم کرتے ہیں۔

امامنا الاعظم اسلام اور ایمان کے مابین کسی تفریق کے قائل نہیں۔ درحقیقت اسلام اور ایمان کے مابین جسم و روح کا رشتہ ہے اول الذکر جسم ہے اور دوسرا روح ہے۔ یعنی حضرات تصدیق وحدت الوجود کو ایمان حقیقی قرار دیتے ہیں۔

ایمان حقیقی: (دیکھو ایمان)

ایام نحر: ماہ ذالحجہ کے تین دن۔ دسواں، گیارھواں، بارھواں دن۔

ایام تشریق: ماہ ذالحجہ کے تین دن گیارھواں' بارھواں' تیرھواں دن۔

ایہام: ایک لفظ کے قریب اور بعید دو معانی میں سے کسی قرینے کی بنیاد پر بعید معنی مراد لے لیے جائیں۔

ایجاب: کسی صفت کا موصوف کے لیے اثبات۔ نسبت کا لازم اور واقع کر دینا۔

ایجاد: قریب قریب ابداع کا ہم معنی ہے (دیکھو ابداع)

این: (مقولہ): وہ ہیئت جو شئے کو مکان میں ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

ایس: اس کو ایسیت بھی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کے معنی وجود اثبات اور ثبوت کے ہیں۔

ایسیت (دیکھو ایس)

ایقان: نظر و فکر اور استدلال کے بعد کسی شئے کی حقیقت کا یقینی علم۔

ایجاز: کم سے کم جانی پہچانی عبارت میں مقصود و مفہوم ادا کر دینا۔

ایثار: (دیکھو بذل) دوسرے کی ضروریات پر اپنی ضروریات کو قربان کر دینا۔

ایثار نفس : دیکھو بذل ۔

ب

باغی : جماعت کے وہ افراد باغی کہلاتے ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود امام و حاکم برحق پر جو ملت اسلامیہ کے منظور کردہ دساتیر و قوانین کی رو سے امام و حاکم منتخب کیا گیا ہو۔ خروج کرتے ہیں اور اس کے خلاف بلا کسی دلیل محکم کے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ملک و ملت میں فتنہ و فساد اور بغاوت پھیلانا شروع کر دیتے ہیں اسس زعم فاسد کی بناء پر کہ امام برسر ناحق ہے اور وہ خود حق پر ہیں، چوں کہ ان کے پاس کوئی معقول و محکم دلیل نہیں ہوتی لہذا یہ باغی چوروں اور ڈاکوؤں کے حکم میں داخل ہیں اور حکومت اور عامۃ المسلمین کا فرض اور حق ہے کہ ان مفسدہ پردازوں کا قلع قمع کر کے رکھ دیں تاکہ ان کا فتنہ دب جائے اس لیے کہ "الفتنۃ اشد من القتل" یہ واضح رہے کہ کسی بھی دور میں جو امام یا حاکم عامہ مسلمین کے منظور کردہ دستور کے ماتحت منتخب کیا گیا ہو وہ حاکم برحق ہے اس کے اور اس کے احکام کی اطاعت ملت پر مثل اطاعت خلفائے راشدین واجب و لازم ہے ساتھ ہی ائمہ اور حکام کے لیے ضروری ہے کہ وہ احکام شریعت کی خلاف ورزی نہ کیا کریں ورنہ عامہ مسلمین کے لئے ان کی قیادت عامہ سے انحراف اور ان کے احکام کی اطاعت سے گریز کے لیے راہ نکل آئے گی اور دو رائیں پیدا ہو کر انتشار و خلفشار کا سبب بن جائیں گی ۔

بارقہ : ایک تابناک شعاع ہے جو حظیرۃ القدس سے سالک کے قلب پر وارد ہوتی ہے اور جلد بجھ جاتی ہے اس شعاع کا ورود آغاز کشف میں ہوا کرتا ہے ۔

بادی النظر : نظر ظاہری ۔ اچٹتی ہوئی نظر ، سرسری نظر

باعثہ : قوت کی ایک قسم ہے جو ہر جاندار کو حرکت پر برانگیختہ کر دیتی ہے اس وقت جب کہ کوئی مرغوب طبع یا متوحش خیال اس کے دماغ میں آئے ۔ اگر یہ خیال پرانہ

لذت ہے تو قطع نظر اس کے نفع و ضرر کے وہ قوت شہوانیہ کہلائے گی اور اگر کسی متخیل تحریک کی مدافعت مقصود ہے یا غلبہ مطلوب ہے تو یہ قوت غضبیہ کہلاتے گی انہی دونوں قوتوں کا مجموعہ نفس امّارہ کہلاتا ہے۔

باطل: جو اصل کے اعتبار سے صحیح نہ ہو۔ اس میں اور فاسد میں یہ فرق ہے کہ فاسد اصلاً صحیح ہوتا ہے وصف کے لحاظ سے صحیح نہیں ہوا کرتا۔

باثق: وہ تفرق اتصال یعنی دو ملی ہوئی چیزوں کی جدائی جس سے رگوں یعنی وریدوں اور شریانوں کے منہ کھل جائیں۔

باتر: وہ تفرق اتصال جو کسی رگ یا پٹھے کے عرض میں واقع ہو جائے جس سے رگ یا پٹھہ عرض میں کٹ جائے۔

باسلیق: بازو کے نچلے حصے کی وہ رگ کہلاتی ہے جو کہنی کے جوڑ کے پاس اندر کی طرف محسوس ہوتی ہے۔

بارد و حار بالفعل: بارد یعنی سرد اور حار یعنی گرم بالفعل سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ چھونے سے سرد یا گرم معلوم ہو تو سرد یا گرم بالفعل ہے۔

بارد و حار بالقوہ: اس سے مقصود کسی چیز کی وقتی و فوری گرمی معلوم کرنا نہیں ہوتی بلکہ وہ اثر مقصود ہوتا ہے جو اس کے تحلیل اور ہضم ہونے کے بعد گرم یا سرد مرتب ہوتا ہے عام طور پر اطبا گرم سرد سے اس کی آخری تاثیر مراد لیتے ہیں۔

بارد بالفعل: دیکھو بارد و حار بالفعل

بارد بالقوہ: دیکھو بارد و حار بالقوہ

بحث: لغت میں بحث کے معنی تلاش و تفتیش کے ہیں۔ اصطلاحاً دو اشیاء کے مابین استدلال کے طور پر کسی نسبت ایجابی یا نسبت سلبی کا اثبات ہے۔

بحت: محض۔ خالص۔ صرف بحت۔

بحران: مرض اور طبیعت کا بڑا اور آخری مقابلہ اور معرکہ جس کے نتیجے کے طور پر اگر طبیعت مغلوب ہو جائے تو ہلاکت واقع ہو جاتی ہے اور مرض مغلوب ہو جائے

تو صحت کا آغاز ہو جاتا ہے۔

بحران اسہالی: وہ بحران جس میں مرض پر طبیعت غالب آکر مادہ مرض کو اسہال یعنے دستوں راہ سے جسم سے نکال دیتی ہے۔

بحر اعظم: دیکھو اقالیم سبعہ

بخار: وہ ہوائی اجزاء جو پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرات سے مل جل گئے ہوں اور حرارت کی وجہ سے لطیف ہو گئے ہوں اور صغر و لطافت کی بناء پر نظر نہ آسکیں۔

بدیہی (بدیہیات): ایسا علم جس کا حاصل کرنا نظر و فکر اور کسب پر موقوف نہ ہو مثلاً حرارت کا تصور تصور بدیہی ہے اور اس امر کا اذعان و یقین کہ آگ جلا دیتی ہے تصدیق بدیہی ہے اگر طرفین کا صرف تصور ہی یقین کر لینے کے لیئے کافی ہو تو تصدیق بدیہی اولی ہے جیسے کل کا جزو سے بڑا ہونا یا تصور طرفین تو جزم و یقین کے لیئے کافی نہ ہو لیکن کسب و نظر سے قطع نظر تصور کسی دوسری شئے کا محتاج ہو مثلاً حدس کا احتیاج مند ہو یا تجربے کا یا احساس وغیرہ کا، تو تصدیق غیر بدیہی اولی ہے جہاں تک تلاش و تفحص کیا گیا ہے بدیہیات کی چھ قسمیں متعین ہو سکیں، اولیات جن کے طرفین اور نسبت کا تصور حکم اور جزم کے لیئے کافی ہو۔ کافی نہ ہونے کی صورت میں دیکھا جاتا ہے کہ تصور اطراف کے وقت حکم ذہن سے نکل جاتا ہے یا نہیں نکلتا۔ فطریات میں تصور اطراف کے وقت حکم کے واسطے یا کسی اور ذریعے سے ذہن میں رہتا ہے اس کو قضایا قیاسا تہا معہا بھی کہا جاتا ہے اگر تصور اطراف کے وقت حکم کسی ایسے واسطے سے ہوتا ہے جو ذہن سے نکل جاتا ہے تو اس واسطے کے حسی ہونے کی صورت میں مشاہدات کہا جائے گا۔ اگر حس ظاہری ہے تو حسیات کہیں گے اور اگر واسطہ حواس باطنہ سے ہو تو وجدانیات کہلائے گا۔ اگر حس اور عقل دونوں سے مرکب ہو تو حس سمع کی صورت میں متواترات کا نام دیا جائے گا۔ متواترات میں یہ ہوا کرتا ہے کہ بہت سے لوگوں سے سننے کے بعد عقل فیصلہ کر لیتی ہے کہ اتنے

بہت سے افراد کذب پر متفق نہیں ہو سکتے اگر یہ واسطہ حس اور عقل سے مرکب نہ ہو بلکہ عقل حدث کے ذریعہ حکم کرے تو حدسیات کہیں گے اور اگر کثرت تجربہ ذریعہ اور واسطہ ہو تو تجربات کہلائے گا الغرض یہ جملہ اقسام شجر بدیہیات ہی کے برگ وبار اور ثمرات ہیں۔

بدرقہ: وہ چیز کہلاتی ہے جو کسی دوا کے اثر کو بدن میں پہنچانے اور تیز کرنے کے لیے دی جاتی ہے۔

بدل ما تیحلل: یعنی جسم کے تحلیل شدہ اجزاء کا بدل۔ بدن کے اجزاء ہر آن و ہر لمحہ تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور غذا جزو بدن ہو کر ان کی جگہ لیتی رہتی ہے اس لیے جزو بدن ہونے والی غذا کو بدل ما تیحلل کہتے ہیں۔

بدعت: خالص امور دینیہ میں ایسی شے یا کسی ایسے امر کا التزام و اضافہ جو نئی ہو۔ مخالف سنت ہو۔ وہ نہ تو صحابۂ کرام و تابعین کے دور میں زیر عمل تھی نہ اس پر کوئی شرعی دلیل قائم ہو سکتی ہو۔

جیسا دیس ویسا بھیس کے پیش نظر قمیض پاجامہ شلوار، شیروانی، کوٹ پتلون، فرش کی بجائے میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا، مٹی کے برتنوں کی جگہ قسم قسم کے اعلیٰ ظروف یہ سب چیزیں حدود جواز میں آجاتی ہیں۔ ہر نئی چیز کو دیکھ کر جو قرون اولیٰ اور صحابۂ کرامؓ کے دور میں نہ تھی بدعت مذمومہ قرار دیدینا اور اس پر ناک بھوں چڑھانا تنگ نظری ہے حالانکہ اس کی قباحت اور عدم جواز پر ان کے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہیں کہ نئی نئی باتوں سے بچنے کے لیے ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نئی باتوں سے احتراز کا مقصد صرف امور دینیہ میں جدت طرازیوں سے روکنا تھا اور بس۔

رہے دنیاداری کے امور و معاملات اور متمدن زندگی کے دوامی تحرکات سو ان میں جدت طرازیوں کو اور ایجادات و اختراعات کو بروئے کار لانا قطعاً جائز بلکہ مستحسن بلکہ بعض حالات میں ناگزیر ہو جاتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا۔ اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو، اور تفریق سے بچتے رہو۔

بدیع: علم معانی و بیان کا وہ علمی شعبہ جس کے ذریعہ کلام کو مقتضائے حال کے مطابق بہتر سے بہتر اسلوب دیا جا سکے جس میں تحسین کلام کے گر بتلائے جائیں (اسی کے ساتھ ابداع بھی پڑھ لو)۔

بدل: نحویئین کی اصطلاح میں بدل ایک تابع لفظ ہوتا ہے جس میں کسی امر کی نسبت تابع کی طرف ہوتی ضرور ہے لیکن وہ نسبت مقصود نہیں ہوتی بلکہ بطور تمہید تابع کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے اس کی چار صورتیں ہوتی ہیں۔ بدل الکل میں اس کا مدلول پہلے مدلول کا عین ہوتا ہے۔ بدل البعض میں بدل کا مدلول مبدل منہ کا جز ہوتا ہے بدل الاشتمال میں اس کا مدلول مبدل منہ کا عین یا جز نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اس پر مشتمل اور اجمالاً اس پر دال ہوتا ہے بدل الغلط میں جان بوجھ کر یا غلطی سے اگر ایک غلط لفظ ادا ہو گیا ہو تو پھر اس کی جگہ صحیح لفظ بول دینا۔

بدل الکل: دیکھو بدل

بدل البعض: دیکھو بدل

بدل الاشتمال: دیکھو بدل

بدل الغلط: دیکھو بدل

بدلاء (جمع ابدال): اولیائے امت کا ایک طبقہ ہے جو، افراد پر مشتمل ہے یہ من جانب اللہ نظام عالم کے سلسلے میں خصوصی خدمات پر مامور ہیں عوام میں ابدال کے نام سے مشہور ہیں ان میں قدرت نے یہ طاقت دی ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں اس طرح پر کہ ان کا جسم ان کی صورت و ہیئت کے ساتھ اپنی اصل جگہ پر باقی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص یہ خیال نہیں کر سکتا کہ وہ روپوش ہو گئے ہیں۔

بذل: بخشش اور جود کے معنی میں بالعموم استعمال ہوتا ہے۔ بذل اگر جہد کے پہلے لایا جائے تو کوشش اور سعی بلیغ کے معنی دیتا ہے بذل نفس اور ایثار نفس قریب المعانی الفاظ ہیں بذل بجائے خود مکارم اخلاق میں سے ہے اس کی متعدد قسمیں ہیں۔ اگر

کسی دوسرے کے بذل کے بالمقابل بذل ہو تو مکافات خیر کہلاتا ہے۔ اگر کسی توقع کی بنیاد پر بذل ہو خواہ ابتداءً ہی ہو تو یہ بذل متاجرہ ہو گا یا ابتداءً یا مکافات و توقع کے ہو تو اس کو ایثار قرار دیا جائے گا اگر بدی کے مقابلے میں کسی کی جانب سے بذل ہو تو یہ احسان کہلائے گا۔

بذل الجہد: دیکھو بذل

بذل نفس : دیکھو بذل

بذل متاجرہ: دیکھو بذل

بذل ایثار: دیکھو بذل

بذل احسان: دیکھو بذل

برہان: دلیل جس سے یقین یا امتناعی علم حاصل ہو۔ یا قیاس جو یقینیات سے مرکب ہو خواہ وہ یقینیات بدیہیات ہوں یا ایسے نظریات ہوں جو بدیہیات پر ختم ہو جانے والے ہوں۔

برہان لمی: علت سے معلول پر اثر سے موثر پر استدلال کرنا۔

برہان انی: معلول سے علت پر موثر سے اثر پر استدلال کرنا۔

بُرج: فلک ثامنی یعنی کواکب ثابتات (غیر متحرک ستاروں) والے آسمان کے بارہ برجوں میں کا ہر ایک برج 'برج' کہلاتا ہے۔ اس فلک ثامن یا فلک ثابتات سے اوپر نواں فلک ہے جس کو فلک الافلاک، فلک اعظم، فلک اعلیٰ، فلک اطلس (ستاروں سے معرّا فلک) کہا جاتا ہے۔

یہ برج اپنی انھیں اقسام سمیت جنوب سے شمال کی طرف تقسیم کیے جاتے ہیں۔ برجوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

"حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو حوت"

پھر ان بارہ برجوں میں سے ہر برج تیس (۳۰) تیس حصوں میں تقسیم کر دیا گیا

ہے اور ان میں کے ہر حصے کا نام درجہ رکھ دیا گیا ہے پھر ان برجوں کی ایک اور تقسیم کی گئی ہے اور ان کو دوبارہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) درجات پر تقسیم کیا گیا ہے پھر ان تین سو ساٹھ درجات میں کے ہر درجے کو ساٹھ (۶۰) پر تقسیم کیا گیا ہے اور اس تقسیم کے جو حصے برآمد ہوئے ان حصوں کو دقیقہ کہا گیا ہے پھر ہر ہر دقیقے کو ساٹھ ساٹھ پر تقسیم کر کے اس تقسیم شدہ کے ہر جزو کو ثانیہ کہا گیا پھر ثانیہ ثالثہ رابعہ سب کی تقسیم اسی نہج پر عاشر (دس) تک کی جاتی رہی ہے ان برجوں میں کے تین برج حمل، ثور، جوزا، بروج ربیعیہ اور تین سرطان، اسد، سنبلہ صیفیہ کہلاتے ہیں۔ مزید تین میزان، عقرب، قوس کو خریفیہ اور بقیہ تین جدی، دلو، حوت کو شتویہ کہا جاتا ہے اس میں سے چھ اول الذکر بروج ستہ شمالیہ اور آخر الذکر چھ بروج ستہ جنوبیہ کہلاتے ہیں۔

برہان وصل وفصل: اثبات ہیولیٰ کی دلیل ہے جو چار مقدمات پر موقوف ہے پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جسم بذاتہٖ اور فی حد ذاتہٖ متصل ہے دوسرا یہ کہ ہر متصل جسم قابل انفصال ہے یعنی ہر متصل جسم کے دو ٹکڑے کیے جا سکتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ جسم متصل جب ایک سے دو ہو جائے تو ظاہر ہے کہ یہ دو ٹکڑے اس جسم متصل کے ہوتے ہیں۔ یہ وہ عدم سے برآمد نہیں ہو جاتے چوتھے یہ کہ قابل کا وجود مقبول کے آجانے کے بعد باقی رہتا ہے یعنی کسی موصوف میں کسی صفت کے پیدا ہو جانے سے یہ نہیں ہو سکتا کہ موصوف کا وجود ہی ختم ہو جائے ارشد میں علم کی صفت اور وصف پیدا ہو جانے کے معنی یہ کب ہیں کہ اس کا وجود ہی باقی نہ رہے آخر الذکر تین مقدمات واضح اور بدیہی ہیں اور ہر دن مشاہدے میں آتے رہتے ہیں پہلا مقدمہ نظری اور محتاج دلیل تھا جس کو فلاسفہ نے ابطال جزو لا تجزیٰ کی دلیل کے ضمن میں اس کے مقام پر ثابت کر دیا ان چاروں مقدمات کے پایۂ ثبوت کو پہنچ جانے کے بعد ہیولیٰ کا اثبات خود بخود ہو جاتا ہے مثلاً ہم نے ایک مفرد جسم لیا جو پہلے نظری مقدمہ کی بناء پر متصل بذاتہٖ ہے اور اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے۔ دوسرے مقدمے کی بناء پر کہ متصل جسم قابل انفصال ہے ہم نے اس متصل جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے اور تیسرے مقدمے کی بناء پر

یہ حکم بھی لگا دیا کہ یہ دو ٹکڑے اسی جسم متصل کے ہیں وہ عدم سے نئے ظاہر نہیں ہو گئے اب چوتھے مقدمے کی رو سے ہم پوچھتے ہیں کہ جسم متصل کے اس انفصال کا قابل کون ہے ظاہر ہے کہ قابل ایسا ہونا چاہیئے جو بصورت اتصال و انفصال ہر حالت میں باقی رہنے والا ہو اور بذات خود نہ متصل ہونا چاہیے نہ منفصل بلکہ وحدت اتصالی کی صورت میں اس کو متصل رہنا چاہیئے اور کثرت انفصالی کے وقت اس کو منفصل ہو جانا چاہیئے یہ شان اور خصوصیت جسم کے متعلقات اور اجزاء داخلی میں سے سوائے ہیولی کے اور کسی میں نہیں پائی جاتی کیونکہ ہیولی خود بذاتہ نہ متصل ہے نہ منفصل نہ واحد ہے نہ کثیر بصورت اتصال متصل رہتا ہے اور بصورت انفصال منفصل ہو جاتا ہے۔ وحدت اتصالی کی صورت میں متصل رہتا ہے اور کثرت انفصالی کے وقت منفصل ہو جاتا ہے لہذا اس دلیل وصل و فصل سے ہیولی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا

برہان تمانع: اثبات توحید واجب الوجود کی اس دلیل کی وضاحت متکلمین بایں طریق کرتے ہیں کہ اگر واجب الوجود دو ہوں تو ان کے مابین کبھی نہ کبھی اختلاف پیدا ہو سکتا ہے مثلاً ان میں سے ایک کوئی کام کرنا چاہے اور دوسرا نہ چاہے ظاہر ہے کہ دونوں کے مقاصد جو باہم ایک دوسرے کے ضد ہیں بیک وقت پورے ہو نہیں سکتے تو بہر حال جو غالب آجائے گا وہی حقیقی معنی میں واجب الوجود ہے۔

برہان اطراد: کسی نوعی حقیقت کے بعض افراد میں ثابت شدہ امر کو دوسرے افراد میں نوعی تقاضے کی بنیاد پر جاری کر دینا۔

برہان تطبیق: لامتناہی کے طول کے جانب لامتناہی کے ابطال کی وہ دلیل جس میں مفروضہ غیر متناہی خط سے جانب اللانہایۃ اخذ کیئے ہوئے جزو کی کل پر تطبیق کے ذریعہ لامتناہی کو باطل کیا جائے مثلاً ایک ایسا خط جانب طول نالانہایت تک جانے والا فرض کیا جائے جو مبدء کی جانب سے متناہی ہو۔ اس خط سے بقدر ایک گز کے ایک جزو جدا کر لیا جائے اور مبدء کے ساتھ اس کو ملا دیا جائے اب اگر یہ دونوں خط برابر ہیں۔ تو جزو اور کل کی مساوات لازم آجائے گی اور بڑے چھوٹے ہونے کی صورت میں جو بڑا

ہے وہ بقدر ایک گز ہی کے تو بڑا ہے لہذا چھوٹا اور بڑا خط دونوں متناہی ہو رہے ہیں
کیوں کہ متناہی پر متناہی کے بقدر زیادتی متناہی ہی ہوا کرتی ہے

برہان سلمی: طول و عرض دونوں کی جانب بعد کے عدم متناہی (لا انتہا تک جانے) کو باطل کرنے والی دلیل مثلاً طولاً اور عرضاً جو بعد غیر متناہی ہے اس کے کسی مقام سے دو خط اس نمونے کے مطابق (۸) نکالے جائیں جو لا الی نہایت تک جانے والے ہیں ظاہر ہے کہ ان دونوں لامتناہی خطوط کے مابین جو فرجہ (کشادگی) ہے وہ بھی غیر متناہی ہونی چاہیئے حالانکہ وہ دو خطوں کے مابین محصور ہے اور محصور بین الحاصرین غیر متناہی ہو نہیں سکتا (فلاسفہ کا کا دعویٰ تو یہ تھا کہ برہان سلمی بعد کی لامتناہی کو طولاً بھی باطل کرتی ہے اور عرضاً بھی لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف عرضاً لامتناہی کے ابطال کی دلیل بن سکتی ہے طولاً نہیں بن سکتی)

براعظم: دیکھو اقالیم سبعہ

برق: (دیکھو رعد) لغوی معنی مشہور ہیں عرفا کی اصطلاح میں سالک راہ طریقت پر لمعات انوار کی پہلی جھلک اور چمک کو برق سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اس کو اس امر کی خبر اور دعوت دیتی ہے کہ سیر فی اللہ اور تقرب الی اللہ کی راہ کھل چکی ہے۔

برزخ: دو امور کے درمیانی واسطے کو برزخ کہتے ہیں۔ عارفین کی اصطلاح میں عالم برزخ مشہور ہے جو عالم ارواح و عالم اجسام، عالم مجردات و مادیات، عالم دنیوی و آخروی کے مابین حائل ہے اس کو عالم مثال بھی کہتے ہیں اور عالم امر و خلق سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے

برزخ جامع: صوفیا و عرفا کی اصطلاح میں اس سے بارگاہ حدیت مراد ہوتی ہے تعین اوّل سے بھی اس کو تعبیر کر لیا جاتا ہے کہ وہ تمام برازخ کا مجموعہ بنیاد اور اصل البرازخ ہے۔ اس کو برزخ اوّل، برزخ اعظم، برزخ اکبر اور برزخ کبریٰ بھی کہتے ہیں اس برزخ کبریٰ اور تمام برازخ کا مصداق خالق کی وہی تخلیق اول ہے جو اوّل ما خلق اللہ، نوری کا مظہر ہے۔

برزخ اول: دیکھو برزخ جامع

برزخ اعظم : دیکھو برزخ جامع

برزخ اکبر : دیکھو برزخ جامع

برزخ کبریٰ : دیکھو برزخ جامع

براۃ الاستہلال : خطبہ یا دیباچہ میں ایسے الفاظ اور ایسا کلام استعمال کرنا جس سے پتہ چل جائے کہ آنے والی تقریر یا تحریر اس مضمون پر مشتمل ہوگی۔

برودت بارد : ٹھنڈک، ٹھنڈ، اس کا اثر اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے ہم شکل اجزاء متفرق ہوجاتے ہیں اور دوسرے غیر ہم شکل اجزاء مجتمع اور یک جا ہو رہتے ہیں۔

بروزی : ظاہری۔

بروز : ظاہر، ظہور

بساط رحمت : فیضان حق جلّ مجدہٗ

بسیط : قلب پر وارد ہونے والی انبساطی کیفیت جوانس و رحمت کی طالب ہے۔

بسیط (بسیط حقیقی، بسیط عرفی، بسیط اضافی، بسیط روحانی، بسیط جسمانی)

(۱) بسیط وہ ہے جو اجزاء سے مرکب نہ ہو (۲) جس کی مقداری اجزاء کی حقیقت وہی ہو جو کل کی حقیقت ہے۔

بسیط حقیقی وہ ہے جس کے اصلاً جزو نہ ہوں جیسے باری تعالیٰ عرفی وہ ہے جو مختلف الطبائع اجسام سے حساً مرکب نہ ہو۔ اضافی وہ ہے جس میں اجزاء دوسرے کی بہ نسبت کم ہوں بسیط روحانی مثلاً عقول نفوس مجرد بسیط جسمانی جیسے اجسام عناصر بسیط کے ایک معنی یہ ہیں کہ اس کا ہر جزو مقداری حقیقتاً یا حساً اسم اور حد میں کل کے مساوی ہو اور ایک معنی یہ ہیں کہ وہ عرض ہے جو دو جہتوں میں منقسم ہے ایک اور معنی یہ کہ دوسری شے کی نسبت اس کے اجزاء کم ہوں ایک معنی یہ کہ بسیط اضافی ہوگا مزید یہ کہ بچھی ہوئی پھیلی ہوئی وسیع زمین پر بھی بسیط کا اطلاق ہوتا ہے اور بحر عرب کو بھی بسیط کہہ دیتے ہیں

بسیط حقیقی : جس میں اصلاً کوئی جزو نہ ہو۔

بسیط عرفی : جو مختلفۃ الطبائع اجسام سے مرکّب نہ ہو۔
بسیط اضافی : جس میں دوسرے کی بہ نسبت اجزاء کم ہوں۔
بسیط روحانی : عقول و نفوس مجرّدہ
بسیط جسمانی : عناصر اربعہ (آگ، مٹی، پانی، ہوا)
بسیطہ : وہ قضیہ ہے کہ جس کے معنی صرف ایجاب ہیں یا صرف سلب بسائط قضایا آٹھ ہیں ضروریہ مطلقہ، مشروطہ عامہ، وقتیہ مطلقہ، منتشرہ مطلقہ، دائمہ مطلقہ، عرفیہ عامہ، مطلقہ عامہ اور ممکنہ عامہ۔
بسائط : جمع بسیط دیکھو بسیطہ۔
بصیرۃ : ایک قلبی قوت ہے جو نور قدس سے روشن و منوّر ہو جاتی ہے اور اس کی روشنی میں حقائق اشیاء کے بواطن اس طرح منکشف ہو جاتے ہیں کہ جیسے آنکھ کے ذریعے صورتیں اور ظاہر اشیاء دیکھ لی جاتی ہیں۔ حکماء بصیرت کی اس قوت کو "قوت عاقلہ" "قوت نظریہ" اور قوت قدسیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین اسی قوت بصیرت کے مختلف درجات ہیں۔
بعدیۃ انفکاکیہ : تاخر زمانی یعنی متاخر کا متقدم کے ساتھ مجتمع نہ ہوسکنا۔
بُعد : بُعد دوری کے معنی میں آتا ہے۔ صوفیہ صفات و خواہشات بشریت میں مقید ہو جانے اور لذات نفسانی میں گرفتار ہو جانے کو بُعد سے تعبیر کرتے ہیں کہ مقتضیات بشری اور لذات نفسانی انسان کو مبدء حقیقی سے دور کر دیتے ہیں اور اس کی انتہا وہاں ہوتی ہے جہاں ارتکاب معاصی کا ادراک و شعور بھی باطل ہو جاتا ہے۔
اور بُعد اُس پھیلاؤ کا نام بھی ہے جو جسم میں قائم ہے متکلمین اسکو موہوم اور لاشے قرار دیتے ہیں کہ وہ مقدار کے منکر ہیں۔ فلاسفہ اس کو موجود مانتے ہیں کیونکہ وہ وجود مقدار کے قائل ہیں وہ فلاسفہ جو وجود خلاء کے قائل ہیں بُعد کی دو قسمیں کرتے ہیں ایک تو وہ امتداد (پھیلاؤ) جو جسم تعلیمی میں قائم ہے دوسرا وہ پھیلاؤ (امتداد) جو مادّے سے مجرد ہے اور خود بخود قایم ہے اس طرح کہ اگر اس کو جسم بھر نہ دے تو خلاء ہی خلاء رہ جائے۔

لہٰذا بُعد وہ ہوا کہ جس میں جسم بھر گیا۔ بلا شبہ خلاء کا اطلاق بیشتر اس مکان پر ہوا کرتا ہے جو بھرتی سے خالی ہو لیکن کبھی کبھی اس معنی پر بھی اس کا اطلاق ہو جایا کرتا ہے لہٰذا وہ مقدار کے قائل ہیں اس واسطے کہ اس میں قیام متصور ہے جو فلاسفہ کہ خلاء کے منکر ہیں ان کے نزدیک بُعد صرف پہلی ہی قسم میں منحصر ہے یعنی جو امتداد کہ جسم میں قائم ہے کبھی بُعد کا اطلاق اس سب سے چھوٹے خط پر کر دیا جاتا ہے جو دو چیزوں کو ملا دینے والا ہوتا ہے

بعدِ مجرّد : وہ بعد جو مادّے سے مجرد فرض کیا جائے۔

بُعد مادّی : وہ بعد جو کسی مادّے میں ہو۔

بعث بعد الموت : معاد و حشر بعث کے ہم معنی ہیں، بعثت کا مفہوم یہ ہے کہ حشر کے دن حق تعالیٰ مُردوں کو قبر سے اٹھا کر میدان حشر میں لے آئے گا اور ان کے جسمانی و اصلی اجزاء مجتمع ہو کر اسی سابقہ زندہ جسم کی شکل اختیار کر لیں گے۔ اس جسم میں ان کی روح عود کر آئے گی

عدم محض سے وجود میں لائی ہوئی شئے کو کچھ عرصے کے لیئے معدوم اور روپوش کر کے پھر سے ایک بار ظہور میں لے آئے اور اپنی بے پایاں قدرت کا ایک اور مظاہرہ کر دے۔ ابداع اور تخلیق اول میں تو وہ شئے لاشئے سے وجود میں لائی جاتی ہے جس کے اجزاء ہی سرے سے موجود نہیں ہوتے لیکن ایک موجود شئ جو معدوم ہوتی ہے اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ شکل و صورت اور ہیئت و ہیکل باقی نہیں رہی مگر اس کے اجزاء تو کسی نہ کسی شکل میں فضائے بسیط اور اقصائے عالم میں بکھرے پڑے ہیں۔ جس مبدع و خلاق نے بغیر مواد و اجزاء کے اس کو بدع اور خلق کر دیا تھا۔ اس سے یہ کیوں بعید ہے کہ وہ اقصائے عالم اور فضائے بسیط میں بکھرے اور پھیلے ہوئے اجزاء کو ایک بار پھر سے یکجا کر دے۔

اصل کمال اور مشکل کام تو ابداع اور تخلیق اول ہے اور لاشئ کا شئ بنا دینا ہے نیست سے ہست کر دینا اور لیست کی تاریکی اور ظلمات عدم سے نکال کر وجود کے اجالے اور الیست کی روشنی میں لے آنا ہے منتشر اور بکھرے ہوئے اجزاء کو پھر سے

جمع اور یکجا کر دینا تخلیق اول اور ابداع کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتا ہے جو ذات ہر شئ کی مبدع اور بدیع السماوات والارض ہے اس کے نزدیک مردے کو زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔

جو فلاسفہ عالم کی تبدیلی و تخلیق بلا مواد تسلیم نہیں کرتے بلکہ اجزائے دیمقراطیہ سے مرکب مانتے ہیں ان کے لیے بھی لمحہ فکریہ موجود ہے اگر اجزائے دیمقراطیہ سے ایک خاص شکل ایک بار قائم ہو کر پھر وقتی طور پر معدوم اور روپوش ہو سکتی ہے تو اس کو دوبارہ اسی شکل وصورت اور ہیئت کذائیہ میں لے آنا اور مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کی پہنائیوں میں بکھرے ہوئے اجزاء سے وہی معین ڈھانچہ اور خاص شکل قائم کر دینا کب مشکل ہے۔

اَللّٰهُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ آسمانوں کو اور زمینوں کو بغیر مواد اور بلا ساز وسامان پیدا کرنے والا ہے۔

بغی: راہ حق وصواب سے منحرف ہو کر چلنا۔ فتنہ وفساد اور بغاوت کے جراثیم پھیلانا۔

بقاء: سیر فی اللہ کے آغاز ہی کے وقت سے مقام بقاء کی سمت سالک کے قدم چل پڑتے ہیں کیونکہ سیر فی اللہ سے پہلے سیر الی اللہ کی منزل قطع ہو چکی ہے اور فنا کا سوال ختم ہو کر سیر فی اللہ ہی کے مقام سے مقام بقاء کا آغاز ہو جاتا ہے اور سالک اوصاف الٰہی سے متصف اور متخلق باخلاق اللہ ہونے لگتا ہے اور اس امر کا ادراک ہو جاتا ہے کہ نہ صرف بقاء بلکہ ساری خوبیاں حق جلّ مجدہ کی ذات مقدس ہی کے ساتھ مختص اور اسی میں منحصر ہیں

وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ؏ دل بہر از ہر دو عالم گر بقائی بایدت

بقا باللہ: یہ مقام سیر الی اللہ کے مدارج عالیہ میں سے ہے اور سب سے بلند وارفع مقام ہے، تاہم اس میں بے شمار مدارج ہیں اور وہ صفات الٰہی کے ساتھ اتصاف اور تخلیق بالاخلاق اللہ کے لحاظ سے ہیں۔ ہر شخص اپنی صلاحیت اور ظرف کے لحاظ سے جس قدر مراتب حاصل کر سکے وہ اس کی قسمت ہے وہ اس مشکل اور کٹھن منزل میں اسماء وصفات الٰہیہ

کو پوری جامعیت و اکملیت کے ساتھ کلاً اور جزاً جس ذات گرامی نے جذب و قبول کیا اور تخلق و اتصاف کے ساتھ سارے مراتب حاصل کر لیے وہ صرف رونق بزم وورۂ عالم، مظہر ذات ربنا الاکرام، خواجہ گیہان سرور عالم، قاسم کوثر، مصلح اعظم، شافع محشر، رحمت عالم، خلق مجسم، بے سایہ و سایہ بان عالم ارواحنا فداہٗ کی تنہا ذات اقدس ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ع

لبعد از خدا بزرگ توی قصہ مختصر۔

بلاغتہ بلیغ: وہ کلام جو فصیح ہو یعنی ثقیل و نامانوس کلمات کریہہ الصوت اور خلاف قیاس الفاظ و تنافر کلمات سے یکسر پاک و صاف ہو۔ صراحت و وضاحت کے ساتھ مفہوم ادا کر رہا ہو لفظی و معنوی اعتبار سے ماسبق سے مربوط ہو۔ اور مترادف المعانی الفاظ میں سے معتدل اور موزوں ترین الفاظ ادائے مفہوم کے لیے منتخب کیے گیے ہوں اور ان تمام ملحوظات کے ساتھ کلام مقتضائے حال کے مطابق اور موقع محل کے مناسب ہو۔

بلیٰ: نفی کے بعد جو اثبات کیا جائے وہاں لفظ "بلیٰ" استعمال ہوتا ہے اس کا ہم معنی لفظ نعم ہے جو ماسبق کی نفی پختگی اور مضبوطی کے لیے ہوتا ہے اگر "الست بربکم" کے جواب میں بلیٰ کے بجائے نعم کہہ دیا جائے تو کفر لازم آجائے گا۔ مثلاً

بالفعل: ازمنۂ ثلثہ میں سے کسی زمانے میں یا لفس الامر میں موجود ہونا۔

بالقوہ: کسی شے میں وجود و ظہور کی قوت و استعداد کا ہونا۔

بلغم: اس کا درجہ خون کے بعد ہے اور مزاج سرد تر ہے بدن کو غذا میسر نہ آنے کی صورت میں بلغم طبعی خون بن کر خون کی جگہ کام دیتا ہے مزید برآں یہ اعضا کو تر رکھتا ہے اور حرکت سے جو بدن میں خشکی پیدا ہوتی ہے اس میں تری پیدا کرتا رہتا ہے اور اس کا ایک خصوصی فائدہ یہ ہے کہ جو اعضاء سرد تر ہیں مثلاً دماغ ان کی غذا بنتا ہے۔ اس میں خون بن جانے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے ان تمام خصوصیات کا حامل بلغم طبعی ہوا کرتا ہے بلغم غیر طبعی میں یہ خصوصیات نہیں ہوتیں طب کی کتابوں میں اور اس کی متعدد اقسام جیسی، خام، حامض، لزج، مالح، مائی، مخاطی، مختلف القوام، وغیرہ مذکور ہیں۔

بلغم طبعی: دیکھو بلغم

بلغم غیر طبعی: دیکھو بلغم

بواسیر: اس مرض میں مخرج براز پر سوداوی خون سے مسّے پیدا ہو جاتے ہیں کثرت ریاح کی وجہ سے ریاحی کہلاتی ہے اگر خون آتا ہو تو خونی کہلاتی ہے۔

بواسیر ریاحی: دیکھو بواسیر

بواسیر خونی: دیکھو بواسیر

بہیمیت: دیکھو عدالت

بیت الحرام: انسان کامل کا قلب بیت الحرام کہلاتا ہے۔

بیت الحکمت: وہ قلب جس پر اخلاص کا غلبہ ہو۔

بیت العزت: وہ قلب جو واصل بحق ہو چکا ہو۔

بیت المقدس: جو قلب تعلق غیر اللہ سے صاف ہو چکا ہو۔

بیان: لغت میں بیان کے معنی صرف اظہار کے ہیں علم اصول میں اس کی تعبیر اس طرح کی جاتی ہے کہ "مخاطب کو جو بات معلوم نہیں ہے اس کو تفصیل کے ساتھ قول یا فعل سے اس طرح ذہن نشین کر دیا جائے کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے، علم معانی و بیان کی اصطلاح میں بیان سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ مقصد کو ایسے کلام سے اور طرح طرح کے ایسے انداز سے واضح کیا جائے جو مقتضائے حال کے مطابق ہو اور بخوبی اظہار مدعا کر سکے اور اس مفہوم و معنی کی وضاحت کر سکے جو کلام میں پہلے سے مستور و مخفی ہے۔

بیان التفسیر: کسی مجمل لفظ کی تبیین و تفصیل یا مشترک متعدد المعانی لفظ کی تعیین و تخصیص جس سے اظہار مدعا ہو جائے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ مشترک یا مجمل لفظ جو خفاء اور عدم تعیین ہے وہ واضح اور متعین کر دیا جائے مثلاً حق تعالےٰ کے ارشادات اقیموا الصلوٰۃ۔ اٰتوا الزکوٰۃ۔ کتب علیکم الصیام۔ للناس حج البیت کے الفاظ میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج البیت وضع اور لغت کے اعتبار سے متعدد معانی کے حامل ہیں۔ لہٰذا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، روزہ،

زکوٰۃ اور حج کی تفسیر وتشریح فرمادی اور ان الفاظ کے معانی اور مفاہیم متعین فرمادیے جو شروع سے آج تک امت میں مروج ہیں مسلمانوں کا ان پر اجماع اور عمل درآمد مسلسل چلا آرہا ہے۔ (اس سلسلے میں بڑی ہی کارآمد اور دل نشیں تفصیلات آپ کو اصطلاح "حدیث" کے ضمن میں ملیں گی وہاں ضرور مطالعہ کر لیا جائے۔

بیان التقریر: کلام اس غرض سے موکد کرنا کہ مجاز و تخصیص کا اگر احتمال پیدا ہو تو وہ رفع ہو جائے

بیان التغییر: کلام کو قدرے بدل دینا مثلاً معلق کر دینا مستثنیٰ کر دینا یا اس میں تخصیص پیدا کر دینا

بیان الضرورت: ایسا بیان جو کسی ضرورت کے پیش نظر اس امر کو واضح کر دے جس کے لیے وہ بیان وضع ہی نہ کیا گیا ہو۔

بیان التبدیل: یہ ایک قسم کا نسخ ہے جو ایک شرعی حکم کو مابعد کے شرعی حکم سے تبدیل کر دیتا ہے۔

بیضاء: سفید روشن، تابناک، چمکدار، بیضاء سے تصوف کی اصطلاح میں عقل اول مراد لی جاتی ہے کیونکہ وہ عماء کا مرکز ہے اور سواد غیب یعنی غیب کی سیاہی اور عدم کی تاریکی سے سب سے پہلے نکل کر وجود کی روشنی اور ظہور کی سفیدی میں آیا ہے اور وہ نیرات افلاک یعنی فلکیات کی چمکدار چیزوں میں سب سے پُر عظمت و عظیم اور روشن ہے۔ ؏

جہاں روشن است از جمال محمدؐ

اس کو بیاض سے موصوف اور بیضاء کہا گیا ہے کہ وہ موجودات میں سب سے پہلے وجود میں لائی گئی اور ظاہر ہے کہ عدم کی تاریکی و سیاہی کے مقابلے میں "وجود" روشنی ہی روشنی اور سفیدی ہی سفیدی ہے۔ درحقیقت اس کا صحیح مصداق وہی ذات گرامی اور خالق کی تخلیق اول ہے جس نے خود اول ماخلق اللہ نوری ارشاد فرما کر اس معمے کو حل کر دیا

سے

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا جو نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے تبلا دیا چند اشاروں میں

بیع: دیکھو تملیک

ت

تاخر : موخر ہونا

تاخر فواتی : متاخر کا متقدم پر موقوف ہونا

تاخر زمانی : متاخر کے زمانے کا ایسے جزو زمانے میں ہونا کہ متقدم اس میں نہ ہو۔

(نوٹ) تاخر اور تقدم کے سلسلے کا ایک تشریحی نوٹ متقدم کے ذیل میں پڑھ لیجیے۔

تالی : مؤخر شئے کو تالی کہا جاتا ہے اصطلاح منطق میں قضیہ شرطیہ کے جملۂ جزائیہ کو تالی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جملۂ اوّل یعنی مقدم سے مؤخر ہوتا ہے۔

تادیب : ہر شئے کی حدود کو ملحوظ رکھنے کا نام تادیب ہے۔

تالیف : مضامین کے اجزاء میں تقدم وتاخر کی نسبت اور تعلق کا لحاظ کیے بغیر اشیاء کثیرہ کو اس طرح یکجا کر دینا کہ ان کے مجموعے پر اسم واحد کا اطلاق کیا جا سکے۔

تابع : ہر وہ دوسرا لفظ جس پر ایک جہت سے لفظ سابق کا اعراب ہو۔

تاکید : ایسا تابع ہے جس سے وہی معنی سمجھے جائیں جو پہلے لفظ سے سمجھے جا رہے ہوں۔

تاکید لفظی : جس میں پہلا لفظ مکرر آجاتے۔

تاسیس : ایسے دوسرے معنی سے عبارت ہے جو قطعاً پہلے نہ تھا۔

تاویل : لغت میں تاویل کے معنی رجعت اور لوٹنے کے ہیں شریعت میں یہ معنی ہوتے ہیں کہ لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ایسے معنی کی طرف پھیر دیا جائے جس کی گنجائش ہو، اور متحمل ہو بشرطیکہ وہ معنی قرآن وحدیث کے موافق ہوں۔

تانیث : منع صرف میں کے نو اسباب میں کا ایک سبب ہے۔

تبرید : ٹھنڈک پہنچانے والی چیز

تبذیر : غیر ضروری مواقع پر خرچ کرنا۔ ضروری مواقع پر اگر زائد از ضرورت واندازہ صرف کیا جائے تو یہ اسراف کہلائے گا۔

تبتل : خلق سے انقطاع کلی اور خالق کی جانب توجہ تام

تباین: دُوری مُبدائی اصطلاح میں تباین وہ کہلاتا ہے کہ جب دو چیزوں میں سے ایک کی دوسری کی طرف نسبت کی جائے تو ایک دوسرے پر قطعاً صادق نہ آسکے۔ اس صورت میں دونوں اشیاء کے مابین تباین کلی ہوگا جیسے سیاہی سفیدی اگر فی الجملہ یعنی کسی محل میں، دونوں ایک دوسرے پر صادق آسکیں تو تباین جزوی کہلائے گا جیسے مثلاً حیوان اور سفیدی۔

تبائن کلی: دیکھو تباین

تبائن جزوی: دیکھو تباین

تبسم: ہنسی کی وہ قسم جو اس قدر ہلکی ہو کہ اس کو نہ قریب والے سن سکیں نہ خود سن سکے اسی سلسلے کی ایک چیز ضحک ہے جس کو خود سن سکتا ہے ایک قہقہہ ہے جس کو خود بھی سن سکے اور آس پاس والے بھی سن سکیں (دیکھو ضحک)

تبشیر: مسرت انگیز خبر

تتمیم: کلام میں ایسا اضافہ جو خلاف مقصود نہ ہو۔

تجرّد: اپنے کو علائق دینوی سے بے تعلق کرلینا۔

تجرید: پہلے لفظ کے مکمل معنی کا کچھ حصہ اس سے اس وجہ سے جدا اور کم کرلینا کہ لفظ مابعد کے معنی سے یہ کمی پوری ہو رہی ہے مثلاً "سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً" میں اسریٰ کے معنی میں کمی کر دی گئی اور اس کے معنی "رات میں سیر" کی بجائے صرف "سیر" رہنے دیئے گئے کیونکہ رات کی ضرورت اور کمی کو لفظ مابعد لیلاً پوری کر رہا ہے اگر اسریٰ میں تجرید نہ کی جائے تو لیلاً کا لفظ بلا ضرورت اور حشو ہو کر رہ جائے گا۔

صوفیہ کی اصطلاح میں تجرید کا مفہوم یہ ہے کہ سالک ظاہر اغراض دینوی سے اس قدر لاتعلق ہو کہ کوئی چیز اس کی ملک میں نہ ہو۔ اور اس کے باطن اور دل میں کسی معاوضے کا خیال تک نہ آسکے حتیٰ کہ ترک دنیا اور لذائذ دینوی کے ترک پر خدا سے بھی کسی معاوضے کا نہ دنیا میں طالب ہو نہ آخرت میں متوقع ہو بلکہ دنیا کو اس بناء پر ترک کرے کہ دنیا لاشئی محض ہے اور اس کی کوئی بھی حقیقت و حیثیت نہیں ہے اسباب دینوی سے اعراض تجرید ظاہری ہے اور معاوضے کی توقع اور خیال تک نہ لانا تجرید باطنی ہے تجرید کامل

یہ ہے کہ سلوک و معرفت کی راہ میں جو احوال و مقامات اور مراحل پیش آئیں ان پر دل تیار نہ ہو اور نہ ان پر اعتماد کرے حتیٰ کہ قرب سے بھی قطع نظر کرے۔

تجرید ظاہری: دیکھو تجرید

تجرید باطنی: دیکھو تجرید

تجرید کامل: دیکھو تجرید

تجلّی: غیبی انوار اور مخفی اسرار کا قلوب پر ورود و انکشاف اور نزول و شہود۔ اگر ان غیبی انوار کا مبدٔ ذات محض ہو قطع نظر صفات، کے تو تجلّی ذاتی ہے اور اگر مبدٔ منجملہ صفات کوئی صفت ہو تو تجلّی صفاتی ہے۔

تجلّی ذاتی: دیکھو تجلّی

تجلّی صفاتی: دیکھو تجلّی

تجویف: (جوف) عضو کی وہ اندرونی وسعت جس میں کوئی چیز ٹھہر سکے جیسے معدے کا جوف کہ اس میں غذا ٹھہرتی ہے۔

تجلّی جلالی: مستلزم قہر و غضب ہوتی ہے۔

تجلّی جمالی: مستلزم لطف و کرم اور رحمت ہوتی ہے۔

تجلّیات الٰہی: عالم وجود کے تمام موجودات و مظاہر تجلّیات الٰہی ہیں۔

تجنیس: دو لفظوں کا ہم جنس بنا دینا۔

تجاہل عارفانہ: معلوم و معیّن بات کو نکتہ آفرینی کی غرض سے کسی دوسرے معنی میں ڈھال دینا اور معاملے کی اصل بات کو لاعلمی کے پردے سے چھپانے کی کوشش کرنا۔

تجویز عقلی: کسی چیز کا عقلاً جائز ہونا۔

تجربیات: دیکھو بدیہی بدیہیات

تحریر: وہ صاف ستھری قلم کاری جو قارئین کے دل و دماغ میں بآسانی اتر جائے اور ذہن نشین ہو جائے

تحقیق: مسائل و مدعا کو دلائل سے مدلل اور ثابت کرنا۔

تحلیل: حل ہونا گھل مل جانا۔ جسم کا غیر محسوس طور پر کم ہوتے رہنا۔

تحری: تجسّس وکاوش اور تحقیق وتفتیش کے بعد ایک بہتر سے بہتر پہلو اختیار کرلینا۔

تحریف: حرفِ لفظ کا بدل دینا۔

تحت: مرکز ارض کا نقطۂ موہومہ جو بطن ارض میں ہے وہ اگرچہ خارج میں موجود نہیں لیکن واقع میں اور نفس الامر میں ضرور موجود ہے اس کا وجود کسی فرض فارض اور اعتبار معتبر پر موقوف نہیں اس لیے کہ اس کا منشاء انتزاع خارج میں موجود ہے اور اس کی طرف اشارہ کررہا ہے۔

تخیّل: دائرۂ محسوسات میں نفس کی حرکت قوۃ متخیلہ کا ادراک

تخمہ: بدہضمی

تخصیص: مستقل دلیل کا سہارا لے کر کسی عام امر یا عام شئے کو خاص امر میں یا خاص شئے کے ساتھ مخصوص و منحصر کردینا۔

تخلخل حقیقی: خارج سے کوئی جزو شامل کیے بغیر جسم کا بڑھ جانا

تخصیص شرعی: کسی مستقل دلیل کے سہارے پر عام میں سے بعض پر اختصار کرلینا۔

تخصیص نحوی: نکرہ میں جو بہت سے شرکا ہیں ان میں کمی کردینا مثلاً رجل کو عالم کہہ کر اس شرکا میں کمی کردی گئی۔

تدبّر: دیکھو تفکّر

تدبیر: عام معنی سب جانتے ہیں اطباء کی اصطلاح میں تدبیر اسباب ستّہ ضروریہ میں تصرف یعنی تغیّر وتبدّل کو کہتے ہیں۔

تدلی: مقام رفعت وقربت الہی (دیکھو ادنیٰ)

تداخل العددین: عدد قلیل عدد کثیر کو عبرہ کرتا اور فنا کرتا چلا جائے جیسے تین کا عدد نو کے عدد کو فنا کرتا چلا جاتا ہے۔

تداخل: ایک شئے کا دوسری شئے میں اس طرح نفوذ کرجانا اور در آنا کہ نہ تو حجم و مقدار بڑھے نہ وضع بدلے نہ اشارۂ حسیّہ کے ذریعہ ان کے مابین امتیاز ہوسکے۔

تدبیر: عواقب امور پر غور کرنا اور گہری نظر ڈالنا۔

تدبیر غذا: غذا میں حسب ضرورت تصرّف اور تغیّر وتبدّل کرنا۔

تدبیر مشروب : پینے کی چیزوں میں تغیر و تبدیلی اور تصرف کرنا۔
تدبیر المنزل : حکمت عملی کی قسم ہے جس میں ایسے امور سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق ایک محدود جماعت کے محدود دائرہ عمل سے ہو مثلاً ایک گھر یا خاندان سے۔
تدقیق : ایک مسئلے کا اثبات ایسے دقیق اور باریک دلائل سے کیا جائے کہ قاری کو اس کے سمجھنے میں دقت محسوس ہو۔
تدلیس : لغت میں اخفاء اور عیب پوشی کے معنی میں آتا ہے اصطلاح عارفین میں صلح کا لباس پہن کر فساد کرنے جبۂ عبادت پہن کر شرک کرنے نمائش اور ریا کاری کی عبادت کرنے ظاہر کو آراستہ و پیراستہ اور باطن کو گندہ کرنے کے معنی میں آتا ہے
تذییل : ایک جملے اور کلام کے بعد اسی مفہوم سے ملتا جلتا جملہ یا کلام لانا تاکہ سابق جملہ یا کلام موکد ہو جائے۔
تذنیب : کسی شئے کا کسی شئے کے بعد کسی مناسبت کی بنا پر لانا اگرچہ ہر دو اشیاء ایک دوسرے کی حاجت مند نہ ہوں۔
ترجّی : دیکھو تمنیٰ
ترکیب : منجملہ اسباب تسعہ منع صرف ایک سبب ہے۔
ترویح : سرد ہوا کا پہنچانا۔
ترجیح : کسی ایک دلیل کو دوسری دلیل پر ترجیح دینا۔
ترادف : صدق میں یا مفہوم و معنی میں اتحاد والے الفاظ جن کے وضعی معنی ایک ہوں وہ الفاظ مترادف کہلائیں گے کیونکہ معنی میں ترادف ہے۔
ترصیع : جس کلام کے الفاظ کا وزن مساوی ہو جیسے ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم ہ
ترخیم : دوسرے اسم کو بر بناء تخفیف حذف کرنا۔
ترتیب : لغت کے اعتبار سے ہر شئ کو اس کے مرتبے پر رکھنا۔ اصطلاحاً اشیاء کثیرہ کو اس طرح ملا دینا کہ اگرچہ ان پر اسم واحد کا اطلاق ہو سکے تاہم ان کے بعض اجزاء کو دوسرے

پر بعض اجزاء کے ساتھ تقدیم و تاخیر کی نسبت ہوتی ہے۔

تمیز: علم نحو کی رو سے تمیز ایک ایسا اسم ہے جو ماسبق کے رفع ابہام کے لیے لایا جاتا ہے

تساوی: مساوات۔ دو کلیات و اشیاء اگر ایک دوسرے پر کلیۃً پوری پوری صادق آجائیں تو نسبت مساوات کی بنا پر یہ تساوی کہلائے گی جیسے انسان اور ناطق کہ ان میں سے ہر ایک کلی ہے اور ایک دوسرے پر برابر صادق آرہی ہے۔

تسامح: کلام کا مقصد سمجھا نہ جا سکے جب تک کہ کوئی دوسرا لفظ مقدر نہ مانا جائے یا کسی علاقۂ معنوی کا قصد کیے بغیر لفظ غیر حقیقت میں استعمال کر لیا جائے اس اعتماد پر کہ موقع محل کے لحاظ سے معنی واضح ہو جائیں گے اور علاقۂ معنوی تسامح پیدا نہ ہونے دے گا۔

تسبیح: حق جل مجدہٗ کو امکان و حدوث وغیرہ ہمہ اقسام کے نقائص و آلودگی سے پاک و صاف اور بالاتر سمجھنا۔

تساہل: لفظ کا اس طرح ادا اور استعمال کرنا کہ مقصد صراحۃً دال نہ ہو یا فہم مخاطب پر اعتبار سے قطع نظر کلام میں نقص کا موجود ہونا۔

تسلسل: امور غیر متناہیہ کی ترتیب کو تسلسل کہا جاتا ہے تسلسل کبھی تو ان اکائیوں میں ہوتا ہے جو وجود میں مجتمع ہو جاتی ہیں یا حوادث کا تسلسل ہو جاتا ہے۔ اکائیوں میں جو تسلسل ہوتا ہے ان میں کبھی تو ترتیب کا فقدان ہوتا ہے جیسے نفوس ناطقہ کا تسلسل اور کبھی ان میں ترتیب ہوا کرتی ہے۔ یہ ترتیب کبھی تو طبعی ہوتی ہے جیسے علّت و معلول اور صفت و موصوف کا تسلسل یا وضع کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے اجسام کا تسلسل حکماء کے نزدیک تسلسل طبعی اور تسلسل وضعی محال ہے۔

الّا یہ کہ وہ امور اعتباریہ ہیں اس کے جواز پر بدیں وجہ متفق ہیں کہ یہ انقطاع اعتبار کے ساتھ ہی منقطع ہو کر رہ جاتا ہے۔

تسلیم: احکام قضاء و قدر کا استقبال و خیر مقدم اور مقدرات الٰہی کے سامنے اقتضاء و عدم اقتضاء طبعی سے قطع نظر سر جھکا دینا اور ان احکام کو برضا و رغبت قبول کر لینا۔ یہ مقام، مقام توکل و رضا سے ارفع ہے کیونکہ توکل میں سالک اپنے معاملات کو خدا کے

حوالے کر دیتا ہے تاہم ان معاملات کے کسی پہلو کے ساتھ اس کو تعلق خاطر رہتا ہے۔
رضا اگرچہ توکل سے بلند ہے اور اس میں انسان اگرچہ خدائی فیصلے پر راضی ہو جاتا ہے تاہم اس میں اقتضاء طبعی باقی رہتا ہے مقام تسلیم ایک ایسا مقام ہے جہاں طبیعت ہی باقی نہیں رہتی کہ اس کے اعتبار و عدم اقتضار کا سوال پیدا ہو سکے یہاں تو نخل آرزو کی جڑ ہی کٹ کر رہ جاتی ہے

تشخص: بعینہ تعین ہے جس کی وجہ سے شئے غیر سے ممتاز رہتی ہے اور وجہ امتیاز دوسری شئے میں نہیں پائی جاتی، اور غیر اس میں شریک نہیں ہو سکتا تشخص جزئی ہے اور ماہیت کلی نہ ہونے کی صورت میں تو بذات خود متعین ہو جاتا ہے اگر اس کی ماہیت کلیہ ہو تو اپنے ان تشخصات کی بناء پر متعین ہو رہتا ہے جو طبیعہ کلیہ پر زائد ہوتے ہیں اور کبھی طبیعہ کلیہ کے ضمن میں متعین ہو جاتا ہے۔

اس منزل پر ہمیں تشخص اور وجود کے متعلق و نسبت اور ان کے مابین رشتے کا بھی جائزہ لے لینا چاہیے اور اس باب میں مختلف آراء پیش کر دینی چاہییں، فارابی کی رائے ہے کہ تشخص اور وجود ایک ہیں، بعض فلاسفہ وجود کو تشخص سے اس بناء پر متقدم مانتے ہیں کہ وجود اصل ہے اور ذات ہے اور تشخص اس کا ثبوت اور اس کی صفت ہے نہیں ہو لیتی، پائی ہی نہیں جا سکتی سید السند شریف جرجانی کا قول فیصل یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے متغائر ہیں۔ کسی ایک کو دوسرے پر تقدم حاصل نہیں ہے، ان کی یہ رائے اس بیان مرصوص پر قائم ہوئی ہے کہ تشخص پر وجود کے تقدم کی صورت میں مبہم کے لیئے وجود خارجی ضروری ہو رہے گا جو ناممکن ہے اور اگر معاملہ برعکس ہو یعنی وجود پر تشخص کو مقدم مانا جائے تو معدوم وجود خارجی سے قبل تشخص ہو جائے گا کہ جس کا امکان نہیں سید السند کی یہ رائے وجود و تشخص کے مراتب پر مبنی ہے زمانی تقدم و تاخر کو اس میں دخل نہیں ہے۔

تشکیک: کسی ایک مفہوم کا اپنے افراد میں کمال و نقصان کے تفاوت یا علیت و معلولیت کے فرق کے ساتھ پایا جانا۔ اگر افراد میں یہ تفاوت اولویت یا عدم اولویت کے لحاظ سے ہے تو تشکیک بالاولویت ہے اور اگر تقدم و تاخر کے اعتبار سے ہے تو تشکیک بالتقدم والتاخر ہے۔ اگر شدت و ضعف کی بناء پر ہے تو تشکیک بالشدۃ والضعف ہے جملہ اقسام تشکیک کی

مثال میں وجود کو پیش کیا جاسکتا ہے کہ وہ واجب میں اولیت، اولویت، اقدمیت، اور شدت کے ساتھ نمایاں اور جلوہ گر ہے اور ممکن میں ثانویت، درجہ ادنیٰ، آخرویت اور ضعف کے ساتھ ہے۔

تشکیک بالاولویت: اولویت اور عدم اولویت کے بارے میں افراد کا اختلاف مثلاً وجود کہ اس کا اطلاق حق تعالیٰ پر پورا پورا اور مکمل ہوتا ہے تقدم و تاخر کی وجہ سے یہ تشکیک بالتقدیم والتاخیر کہلائے گی اور چونکہ یہ باری تعالیٰ میں اشد اور ممکن میں اضعف ہے لہذا یہ تشکیک بالشدۃ و الضعف کہی جائے گی۔

تشکیک بالتقدیم والتاخیر: دیکھو تشکیک بالاولویت

تشکیک بالشدۃ والضعف: دیکھو تشکیک بالاولویت

تشبیہ: تجلی اسم ظاہر۔ ادنیٰ مناسبت سے ایک چیز کو دوسری چیز جیسا ظاہر کرنا ایک امر کو دوسرے امر کی کسی نئی اور خاص صفت میں شریک کرنا۔ امر اول مشبہ کہلاتا ہے اور امر ثانی مشبہ بہ اور یہ مشترک معنی وجہ شبہ۔ تشبیہ کے لیے دو امر لازمی ہیں جو متحد بھی ہو سکتے ہیں۔ اور متغائر بھی، مثلاً ہم یوں کہیں کہ ارشد شیر جیسا ہے یہاں ارشد مشبہ ہے یعنی اس کو شیر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ شیر مشبہ بہ ہے اور دونوں میں جو امر مشترک ہے وہ شجاعت اور بہادری ہے۔

تشنج: پٹھوں کا کھنچنا عضو کا اینٹھنا۔

تصغیر: نحویین کے نزدیک اسم کے مصغر کر دینے اور اس کو صغر کے ساتھ متصف کر دینے کا نام تصغیر ہے مثلاً لفظ رجل مکمل و معقول طور پر مرد کے معنی میں آتا ہے اس کا مصغر رجیل مردک ہوا جس سے کسی جسمانی یا ذہن و عقل کی کمی کی جانب اشارہ ہوتا ہے تصغیر صرف اسم اور اسم میں بھی اسم معرب میں ہوا کرتی ہے فعل و حرف اور اسم مبنی میں تصغیر نہیں ہوتی۔

تصحیح: مریض سے مرض زائل ہو جائے تو اس کو تصحیح کہا جائے گا گویا صحت و تصحیح ہو گئی ہے علم فرائض کی رو سے ورثاء کے حصوں میں جو کسر واقع ہو جائے اس کے برابر کر دینے کا نام تصحیح ہے۔

تصنیف: متعدد مضامین ونکات کو خود اپنے ذہن ودماغ اور ذاتی تحقیق واپج سے پیدا کرکے یک جا کردینا تصنیف ہے۔

تعصب: دلیل ہونے کے باوجود امر حق کو تسلیم نہ کرنا۔

تصوّر: اشتراک لفظی کی بناء پر تصوّر کا اطلاق دو امور پر ہوتا ہے ایک مطلقاً حضور ذہنی دوسرا حضور ذہنی بغیر اذعان کے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے تصور علم کا مرادف (ہم معنی) ہے اور اس ترادف کے لحاظ سے خود تصدیق وتصوّر کا یعنی اپنے آپ کا بھی مقسم ہے اور تصور وتصدیق خود تصوّر بمعنی علم کی دو قسمیں ہیں اس لیے کہ وہ دونوں جب علم کی قسمیں ہوئیں تو علم کے مرادف یعنی خود تصور کی آپ سے آپ قسمیں بن گئیں اس مرادف علم تصور کو تصوّر مطلق اور تصوّر لابشرط شئی بھی کہا جاتا ہے دوسرا جو تصوّر ذہنی بلا اذعان ہوتا ہے وہ علم کی قسم ہے اور تصور بالمعنی اول کی بھی قسم ہے اور تصدیق کا قسیم یعنی ساتھی ہے اس تصور بالمعنی الثانی کو تصور ساذج اور تصور فقط اور تصور بشرط لاشئی بھی کہا جاتا ہے۔

یا ذہنی صورت پذیری۔

یا صورت کے ذریعے علم وادراک۔

یا وہ علم وادراک جو نفی واثبات کے حکم سے خالی ہو۔

تصور ضروری (بدیہی): جو تصور بغیر فکر ونظر اور کسب کے حاصل ہو جیسے کل کا جزء سے بڑا ہونا۔

تصوّر بدیہی: دیکھو تصوّر۔

تصوّر مطلق: دیکھو تصوّر۔

تصوّر لابشرط شے: دیکھو تصوّر۔

تصور بالمعنی الاول: دیکھو تصوّر۔

تصوّر بالمعنی الثانی: دیکھو تصوّر۔

تصوّر ساذج: دیکھو تصوّر۔

تصوّر فقط : دیکھو تصوّر۔

تصوّر بشرط لا شئے : دیکھو تصوّر۔

تصوّر ضروری : دیکھو تصوّر بدیہی بدیہیات۔

تصوّر نظری (کسبی) : جو تصوّر اپنے حصول میں فکر و نظر اور کسب کا محتاج ہو جیسے عالم حادث ہے یا قدیم ہے اس کو تصوّر کسبی بھی کہا جاتا ہے۔

تصوّر کسبی : دیکھو تصور نظری۔

تصدیق : قضیہ کے صدق کے اذعان و تعین کا نام تصدیق ہے یعنی اس بات کی تصدیق کہ قضیہ واقع کے مطابق ہے ایک اور تعبیر یہ ہے کہ تصدیق نام ہے اذعان کا یعنی اس امر کی تصدیق کہ فی الواقع محمول موضوع کے لیئے ثابت ہے یا اس سے فی الواقع مسلوب ہے تصدیق کی ایک اور تعبیر یوں بھی کی جاتی ہے کہ قائل ایسے امر کی خبر دے رہا ہے کہ جو واقع کے مطابق ہے تصدیق کی بساطت یعنی اس کے بسیط ہونے کے سلسلے میں حکماء فلاسفہ اور امام رازی میں ایک اختلاف مشہور ہے حکماء تصدیق کو بسیط کہتے ہیں اور اس کو حکم سے تعبیر کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک صرف نسبت تامہ خبری (حکم) کے اذعان و یقین کا نام تصدیق ہے۔ امام رازی تصدیق کو مرکب مانتے ہیں ان کا خیال ہے کہ تصدیق محکوم علیہ اور محکوم بہ اور نسبت تامہ خبری کے مجموعہ کا نام ہے۔

تصور و تصدیق کی اور بھی تعبیرات کی گئی ہیں لیکن لوٹ پھر کر سب کا ماحصل وہی نکل آتا ہے جو ہم نے بیان کیا۔

تصدیق بدیہی : دیکھو بدیہی بدیہیات۔

تصدیق بدیہی اوّلی : دیکھو بدیہی بدیہیات۔

تصدیق بدیہی غیر اوّلی : دیکھو بدیہی بدیہیات

تصوّف : دنیا کی محبت دل سے نکال دینا اور اپنے کو اخلاق حسنہ فاضلہ اعتقادات حقہ اور اعمال صالحہ سے مزین و آراستہ کرنا۔

تصوّف : خالق و مخلوق کے ساتھ اپنے معاملات کو صاف رکھنا

تصوّف: حق تعالیٰ کے اخلاق کی متابعت کرنا اور اپنے کو اس کے اخلاق کیساتھ متخلق اور پیرو بنا دینا
تصوّف: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ تصوّف صوف سے مشتق ہے اہل تصوّف کے لیے
خاموشی، صفائے باطن، روزہ رکھنا اور محبت و وفا کرتے رہنا، فقر و فاقے میں بسر کرنا،
غور و فکر میں مشغول رہنا اور اپنے کو ذات حق میں فنا کر دینا ہے۔
تصوّف: اوقات کے تحفظ کا نام ہے۔
تصوّف: یکساں زندگی گذارنا اور نگاہ ایک ہی طرف رکھنا۔
تصوّف: ظاہراً اور باطناً آداب شریعت کا پابند ہو کر اس پر مستقیم ہو جانا جس کے معنی تخلقوا
باخلاق اللہ ہیں۔
تصوّف: مکارم اخلاق کا نام ہے جس کے بغیر صفات حق تعالیٰ کی تجلّی ناممکن ہے۔
تصوّف: نفس کی مخالفت اور کثیر منازل پر نگاہ رکھنے کا نام ہے۔
تصوّف: حظ نفس اور لذائذ دنیوی کے ترک کا نام ہے۔
تصوّف: ایک ایسی حقیقت ہے جس کی کوئی رسم و علامت نہیں ہے۔
تصوّف: قلب کو خالی کر کے صرف حق تعالیٰ کے لیے مخصوص کر لینا اور ماسوا اللہ کو
حقیر سمجھنا۔
تصوّف: مولانا جامیؒ نے نفحات میں شیخ ابی اسحاق ابراہیم ابن شہریار کا ایک خواب
نقل کیا کہ خواب میں رسول اللہ نے شیخ سے ارشاد فرمایا کہ تصوّف ہمہ وقت کے دعاوی
کے ترک کر دینے اور اسرار روحانی جو قلب پر منکشف ہوں ان کو چھپا لینے کا نام ہے
تصوّف: شرعی آداب و احکام سے باخبر رہنا اور ظاہراً و باطناً بالاستمرار سختی کے ساتھ ان پر
عمل کرنا شریعت پر استقامت۔
تصوّف: قلب کو ماسوا سے خالی کر کے صرف اللہ کے لیے مختص کر لینا۔
تصوّف: مخالفت کی کدورتوں کو دل سے نکال دینے کا نام تصوّف ہے۔
تصوّف: بغیر موت کے زندگی ہے اور بغیر زندگی کے موت ہے یعنی حیات انسانی کے
ساتھ جینا اور نفسانی موت کے ساتھ مرجانا۔

تصوّف: غیرِ خدا سے بے تعلق ہو جانے کا نام ہے۔
تصوّف: نفس سے منقطع ہو کر صرف خدا کا ہو رہنا۔
تصوّف: خلق کی پستی سے نکل کر عالمِ علوی میں داخل ہونا۔
تصوّف: حق تعالیٰ کی محبت میں فنا ہونا۔
تصوّف: رسول علیہ السلام کی اتباعِ کامل کے ذریعے اللہ سے محبت کرنا تاکہ اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جائے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

تضائف: دو اشیاء میں سے ایک کا سمجھنا دوسرے کے سمجھنے پر موقوف ہو۔
تضاد: ذو متقابل وجودی چیزیں جن میں سے ایک کا سمجھنا دوسری کے سمجھنے پر موقوف نہ ہو
تطویل: اصل مراد پر بلا ضرورت و بلا فائدہ زائد لفظ کا لانا
تعیّن: اس کو تشخص سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اس میں شئے اپنے غیر سے ممتاز و ممیز ہو جاتی ہے جس چیز کی وجہ سے شئے میں تعلق و تشخص پیدا ہوتا ہے وہ کبھی تو عین ذات ہوتی ہے کبھی ذات پر زائد ہوتی ہے۔ کبھی وجودی اور گاہے عدمی۔
تعیّنِ اوّل: برزخِ جامع، عقلِ اول، حقیقتِ محمدیہ، خالق کی تخلیق کا اوّلین شاہکار، اول ما خلق اللہ نوری کا قائل و مصداق صلی اللہ علیہ وسلم
تعیّن: کسی چیز کو مشخص اور غیر سے ممتاز اور الگ کر لینا۔
تعقّل: عقل کی وساطت سے اشیاء کا ادراک۔
تعقید: کلام تسلسل (تانا بندہ) کہ جس کے معنی آسانی سے سمجھ میں نہ آسکیں مفہوم واضح نہ ہو اور الفاظ معانی مقصودہ پر ظاہر الدلالت نہ ہوں۔
تعقید: کلام میں ایسی گرہ کا پڑ جانا جس کی وجہ سے معنی کی جانب ذہن بآسانی منتقل نہ ہو سکے۔
تعجّب: کسی بات کو سن کر اس کا سبب نہ معلوم ہونے کی وجہ سے جو انفعال و تاثر پیدا ہو وہ تعجب کہلاتا ہے۔
تعریف: ایک ایسی شئے کا تذکرہ جس کے جان لینے سے دوسری شئے جان لی جائے۔

تعصب: ظاہر اور کھلے ہوئے دلائل کے باوجود امر حق کے قبول سے اعراض و انکار
تعلیق: ایک شئ کو دوسری شئ پر معلق و موقوف کر دینا۔
تعلق: ایک شئ کا دوسری کے ساتھ ربط۔
تعدیل ارکان: نماز، قعود، سجود و قیام و قعدہ میں سکون و اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ارکان ادا کرنا۔
تغیر: ایک کیفیت کا دوسری مغائر کیفیت کو قبول کر لینا شئے کا ایک حالت و کیفیت کو ترک کرکے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جانا۔
تغییر: ایسی شئ کا پیدا ہو جانا جو پہلے نہ تھی یا ایک شئ کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جانا۔
تغائر: دیکھو غیریت
تغلیب: ایک شئ کا حکم اور اس کے معانی و مفاہیم دوسری شئ کو عطا کر دینا یا ترجیح و غلبہ دیدینا تغلیب کہلاتا ہے جیسے مشرقین اور مغربین کہ ان میں کوئی ایک لفظ بول کر مشرق و مغرب دونوں لیئے جا سکتے ہیں۔
تفرید: اپنے نفس کو سب سے منفرد اور بے تعلق کر لینا اور اپنے امثال و اقران تک سے متوحش رہنا
تفریط: کمی اور نقصان کی جانب حد سے کم اور کم سے بھی کم کمی کر دینا (دیکھو افراط، وعدالت)
تفکر: تشکر قلب کا چراغ کہ جس کے ذریعہ خیر و شر اور نفع و ضرر معلوم کر لیا جا سکے مطلوب تک رسائی کے لیے معانی اشیاء میں دلیل کے پیش نظر قلب کا تصرف کرنا مصنوعات میں صانع کی جلوہ طرازیاں مشاہدہ کرنا۔
تفہیم: سامع کی فہم تک الفاظ کے ذریعے مفہوم پہنچا دینا مقصد دل نشین کر دینا بات گلے اتار دینا
تفریع: ایک شئے کا ایک شئے کے بعد ذکر کیا جائے تاکہ سابق کی طرف لاحق کو جو احتیاج تھی وہ پوری ہو جائے۔
تفویض: اپنے تمام معاملات کو خدا کے حوالے کر دینا اور اس کی مرضی کا تابع بن جانا۔ تفویض کا درجہ توکل سے بلند ہے۔

تفرقہ: متعدد امور و اشیاء کو دیکھ کر دل کا پراگندہ ہو جانا بخلاف جمعیۃ کے کہ اس میں کثرت بھی وحدت بن جاتی ہے۔

تقدّم (التقدّم طبعی): متقدّم ہونا، متقدّم و متاخر میں اس قسم کا علاقہ ہونا کہ متقدّم کا وجود بغیر متاخر کے ممکن ہو لیکن متاخر کا وجود بغیر متقدّم کے ممکن نہ ہو۔ اس کو تقدّم طبعی بھی کہا جاتا ہے۔

تقدّم ذاتی: متقدّم کا متاخر کے لیے موقوف علیہ ہونا۔

تقدّم بالزمان: متقدّم کے زمانے کا ایسے جزو زمانہ میں ہونا کہ متاخر اس میں نہ ہو۔

تقدّم بالشرف: متقدّم میں ایسے اوصاف و کمالات کا پایا جانا کہ متاخر میں وہ کمالات پائے نہ جاتے ہوں۔

تقدّم بالرتبہ: متقدّم کا کسی معینہ حد اشرف سے طبعاً یا وضعاً قریب ہونا۔

تقدّم بالتعلیۃ: متقدّم کا متاخر کے وجود کے لئے اس طرح علت ہونا کہ ایک وجود دوسرے کو لازم ہو۔

تقدّم طبعی: دیکھو تقدّم

افادہ جدیدہ: (اس کے پڑھنے سے پہلے تاخر کو پڑھ لو) تقدم و تاخر کے اقسام میں باہمی اس قدر نازک اور باریک فرق ہے کہ ایک کو دوسرے سے متمیز و ممتاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے ہم نے احتیاط کے ساتھ ان کو منضبط اور ایک دوسرے سے ممتاز کر کے لکھا ہے۔ تاہم طبیعت مطمئن نہ ہو سکی اور ان کے سوا بھی بعض اقسام کی طرف انتقال ذہنی ہونے لگا۔ چناں چہ ہم ان تمام اقسام کو ایک دلیل حصر میں محصور کر دینا چاہتے ہیں جس کے ضمن میں تقدّم کی اقسام بھی آجائیں گی جو اوپر درج نہیں کی گئی ہیں۔ تقدّم کے معنی مصدری "کسی شئے کا اول ہونا" ہے اب ہم اس کو اس طرح محصور کریں گے کہ متقدّم متاخر کا جامع ہے یا نہیں، اگر جامع نہیں ہے تو تقدّم بالزمان ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تقدّم حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر، اگر متقدّم متاخر کا جامع ہے تو دیکھنا ہے کہ متقدم متاخر کی علت تامّہ ہے یا نہیں ہے اگر علت ہے تو تقدّم بالطبع ہے جیسے واحد کا تقدّم اثنین پر یعنی ایک کا تقدّم دو پر، اگر متاخر متقدّم کا محتاج نہیں ہے تو اب دو صورتیں ہیں

پہلی یہ کہ تقدّم و تاخّر بالترتیب ہیں اس طور پر کہ مبدا محدود میں شئے اپنے غیر سے زیادہ قریب ہے یا بالترتیب نہیں ہیں، اگر بالترتیب ہیں تو تقدّم بالوضع ہے جو اسی اقربیت سے عبارت ہے اور وہ دو طرح پر ہے "طبعی" ہے اگر مبدا محدود وضع اور جعل کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ بہ حیثیت طبع ہے جیسے نوع پر جنس کا تقدّم، اور وضعی ہوگا اگر مبداء وضع اور جعل کے اعتبار سے ہوگا، جیسے محراب مسجد کی نسبت سے صف ثانی پر صف اوّل کا تقدّم، اگر بالترتیب نہیں ہیں تو تقدّم بالشرف ہے جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تقدّم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر۔

متکلمین نے تقدّم کی ان اقسام کے علاوہ بھی بعض اقسام کا پتہ چلایا ہے اور اس کو تقدّم ذاتی قرار دیا ہے جو زمانے کے بعض اجزاء کا بعض اجزاء پر تقدّم ہے، جس چیز نے متکلمین کو تقدّم ذاتی کا شاخسانہ نکالنے پر مجبور کیا وہ یہ ہے کہ انہوں نے محسوس کیا کہ بعض اجزاء زمانی کا تقدّم بعض اجزاء پر اقسام مذکورہ میں سے کسی ایک تقدّم پر بھی صادق نہیں آتا لہذا ناگزیر ہوا کہ وہ تقدّم کی ایک اور قسم تقدّم ذاتی پیدا کردیں۔

صدرالدین شیرازی نے تقدّم کے ان اقسام پر دو اور قسموں کا اضافہ کیا ہے ایک تقدّم بالحق دوسرا تقدّم بالحقیقت اس کی بحث بڑی طویل ہے۔

مختصر یہ کہ حق جب اسماء سے اور مراتب تنزلات سے جو اشیائے موجودات کے انحاء و شیونات ہیں، بذاتہٖ متقدّم و متاخّر ہوتا ہے اور یہ تقدّم و تاخّر کسی دوسری شئے کی جانب سے آتا نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ متقدّم و متاخّر حق لازمی کی بناء پر متقدّم پر متاخر ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ مقام، تقدّم بالحق ہوا۔

اب تقدّم بالحقیقت کی طرف آیئے:

یہ بات ظاہر ہے کہ جاعل ہو یا مجعول اس میں سے ہر ایک کے لیے شیئیت اور وجود کے بغیر چارہ نہیں لہذا شیئیت کا شیئیت پر تقدّم اتصاف بالوجود ہی کی وجہ سے تو ہے یہی تو تقدّم بالحقیقت ہے جہاں تک تاخّر کا تعلق ہے اس کو تقدّم پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

تقابل: دو چیزوں کا اس طرح ہونا کہ بہ یک وقت ایک محل میں ایک حیثیت سے جمع نہ ہو سکیں۔

تقابل تضاد: متقابلین دونوں وجودی ہوں اور ایک کا تعقّل (سمجھنا) دوسرے کے تعقّل پر موقوف نہ ہو۔

تقابل تضایف: متقابلین دونوں وجود ہوں اور ایک کا تعقّل (سمجھنا) دوسرے کے تعقّل پر موقوف ہو۔

تقابل عدم وملکہ: متقابلین میں سے ایک وجودی اور دوسرا اس وجودی کا عدم ہو لیکن ایسا عدم کہ محل خود یا اس کے نوع یا اس کی جنس وجودی کا صالح ہو۔

تقابل ایجاب وسلب: متقابلین میں سے ایک وجودی اور دوسرا اسی وجودی کا عدم محض ہو (نوٹ) اقسام تقابل کو اس طرح محصور ومحفوظ کر لیا جاسکتا ہے کہ دو امر متقابل یا وجودی ہوں گے یا دونوں وجودی نہ ہوں گے اگر دونوں وجودی ہوں اور اس میں سے ہر ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہے تو دونوں متضائف کہلائیں گے اور ان کے مابین تقابل تضائف ہوگا اگر ہر ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف نہیں تو وہ دونوں باہم متضاد ہیں اور ان کے مابین تقابل تضاد ہے۔

اور اگر امرین متقابلین وجودی نہیں ہیں بلکہ ایک وجودی اور دوسرا عدمی ہے تو دیکھا جائے گا کہ محل عدمی وجودی کا صالح ہے یا صالح نہیں ہے اگر صالح ہے تو وہ دونوں عدم اور ملکہ ہیں اور ان دونوں کے مابین تقابل عدم وملکہ ہے اگر صالح نہیں ہے تو پھر وہ دونوں سلب وایجاب ہیں اور ان دونوں کے مابین تقابل ایجاب وسلب ہے۔

تقسیم: خارجی ذہنی تحلیل، مختلف قیود عائد کرنے سے جو قسمیں حاصل ہوں۔

تقسیم فکی (خارجی): جس چیز کے خارج میں دو جز یا دو ٹکڑے ہو سکیں اگر یہ ٹکڑے اور اجزاء آلہ نافذہ کی قطع وبرید سے ہوں تو تقسیم قطعی ہے اور اگر توڑنے پھوڑنے سے ہوں تو تقسیم کسری ہے اس کو تقسیم خارجی بھی کہا جاتا ہے۔

تقسیم وہمی: جب کوئی شئے اپنی سختی اور چھوٹی ہونے کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ نہ سکے لیکن حس بصر فیصلہ کر سکے کہ اس شئے کے دو اطراف ہیں ایک دائیں اور ایک بائیں جانب یہ تقسیم وہمی ہوگی۔

تقسیم فرضی (عقلی): جب شئے اس قدر چھوٹی اور باریک ہو جائے کہ حس بصر بھی عاجز ہو رہے تو عقل فیصلہ کر سکتی ہے کہ اس کے دو جز مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی جانب ہیں یہ تقسیم فرضی (عقلی) کہی جائے گی۔

تقسیم خارجی: دیکھو تقسیم فکی۔

تقسیم عقلی: دیکھو تقسیم فرضی۔

تقویٰ: ہر اس کام سے اپنے کو باز رکھنا جس کے کرنے یا نہ کرنے میں عذاب کا مستحق ہو سکتا ہو یا آداب شرعیہ کی محافظت اور ہر اس چیز سے بے تعلق ہو جانا جو اللہ سے دور کر دینے والی ہو یا حظ نفس کا ترک کر دینا یا ذہن میں اللہ کے سوا کسی کا دھیان رکھنا یا نبی علیہ السلام کی قولاً اور فعلاً اقتداء کرنا۔ یا آداب شرعیہ کی مکمل پابندی اور منہیات سے سخت پرہیز یا حق جل جلالہ سے پر امید رہنے کے باوجود لرزاں اور ترساں رہنا۔

تقدس: لغت میں تطہیر کے معنی میں آتا ہے اصطلاح تصوف میں حق تعالیٰ کو ہر اس صفت نقص و زوال سے منزہ سمجھ لینا ہے جو اس ذات اقدس و اعلیٰ کی شان کے شایاں نہ ہو۔

تقاطع صلیبی: ایک خط کا دوسرے خط کو اس طرح قطع کرنا کہ صلیب کا نشان بن جائے، (+) بصارت کی قوت جس جگہ ہے وہاں دو پٹھے اسی طرح ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں (دیکھو قوت باصرہ)

تقدم بالحفظ: (حفظ ماتقدم) کسی مرض سے محفوظ رہنے کے لیے پہلے سے تدبیر اختیار کرنا۔

(تقریب): دلیل یا مقدمات کا اس طرح جاری رکھنا کہ ہر مطلب کے لیے مفید ہو اور لازماً مطلوب و مدعا ہو جائے یا دلیل کو مدعا کے مطابق کر دینا۔

تقلید: بلا دلیل و حجت، بر بناء اعتقاد غیر کے قول و مسلک کو قبول کر لینا۔

تقدیر: حسن و قبح اور نفع و ضرر کے لحاظ سے مخلوق کے ہر ہر فرد کی ایک خاص حد میں

حدبندی ۔

تقدیر محض : بغیر کسی منشاء و ماخذ کے من گھڑت اندازہ ۔

تقادیر : تقادیر سے وہ حالات مراد لیے جاتے ہیں جن کا اجتماع مقدم کے ساتھ ممکن ہو اگرچہ فی نفسہٖ وہ محال ہوں عام ازیں کہ وہ حالات مقدم کے لیے لازم ہوں یا اس کو عارض ہوں ۔

تقویم : ڈھانچہ، ہیئت کزائیہ، ہیکل

تقریر : اس صاف ستھرے بیان کو کہا جاتا ہے کہ جس کو مخاطب سن کر آسانی کے ساتھ سمجھ لے ۔

تکاس : عمل بالعکس (الٹا کام)

تکوین : ایجاد شئے مسبوق بالمادہ ۔ مادہ کی آمیزش سے کسی چیز کا پیدا کرنا کسی شئے سے وجود مادی کا دفعتہً پیدا ہونا ۔

تکاثف حقیقی : اندر سے کوئی چیز نکالے بغیر جسم کا گھٹ جانا ۔

تکلیف : مشقت و کلفت میں ڈال دینا ۔

تکرار : ایک شئی کا بار بار لانا ۔

تلازم : ایک شئے کا دوسری شئے کو لازم ہونا اگرچہ وجوہ لزوم و تلازم مختلف ہی کیوں نہ ہوں جیسے ہیولیٰ اور صورت جسمیہ کا تلازم کہ جن کی جہات مختلف ہیں ہیولیٰ اپنے وجود میں صورت کا محتاج ہے اور صورت اپنے تشخص میں ہیولیٰ کی محتاج ہے ۔

تلمیح : دوران کلام میں کسی قصے واقعے یا مقام کی طرف صرف اشارہ کر دینا ۔

تلبیس : حقیقت کا اخفاء اور خلاف واقع امر کا اظہار ۔

تلوین : ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب تبدیلی اور تنزل یا ترقی کرتے رہنا تلوین ہے اس سفر کے دوران ایک گونہ اطمینانی کیفیت پیدا ہو جانے کو طمانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے بعد جب سالک انتہائی مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہ جاتی تو درجہ تمکین حاصل ہو جاتا ہے دیکھو زنانِ مصر زلیخا پر طعنہ زن تھیں ۔ جب یوسف علیہ السلام پر ان کی نگاہیں پڑیں تو سب فریفتہ ہو کر ہوش حواس

کھو بیٹھیں زلیخا ان کی حالت پر ہنستی رہیں۔ یہ سب خواتین مبتلائے تلوین تھیں، اور زلیخا پر کیفیت تمکین طاری تھی۔"

تلوین و تمکین کی وضاحت اس شعر سے بھی ہوتی ہے۔ ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات

تو عین ذات می نگری در تبسمی صلی اللہ علیک یا محمدؐ

تمام: ہر حیثیت سے بھرپور ہونا۔ جمیع کا شمول یعنی جمیع افراد یا اجزاء کا شمول۔

تمام مشترک: ماہیت اور دوسری نوع کے مابین مشترک اجزاء کے مجموعے کا نام تمام مشترک ہے، جیسے حیوان کہ وہ جوہر جسم نامی حساس اور متحرک بالارادہ کا مجموعہ ہے اور یہ اجزاء انسان اور فرس میں بھی مشترک ہیں یا تمام مشترک اس مشترک کا تمام جزو ہے کہ اس کے سوا ان دونوں کے مابین کوئی مشترک جز نہ ہو یعنی کوئی جزو مشترک ایسا جزو مشترک نہ ہو جو اس سے خارج ہو بلکہ ہر مشترک جزو انہیں کے درمیان ہو خواہ خود یہی جزو ہو یا اس کا جزء ہو جیسے حیوان جو انسان اور فرس کے مابین تمام جزو مشترک ہے کیونکہ اس کے سوا ان کے مابین کوئی جزو مشترک نہیں ہے اور وہ جزو یا تو حیوان ہے یا حیوان کا جزو ہے مثلاً جوہر جسم نامی حساس اور متحرک بالارادہ جن میں کا ہر ایک اگرچہ انسان و فرس میں مشترک ہے مگر وہ ان دونوں کے درمیان تمام مشترک نہیں ہے بلکہ ان کے بعض کے مابین تمام مشترک ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں کے درمیان تمام مشترک حیوان ہی ہے جو کل کو شامل ہے رہا جسم نامی سو وہ انسان اور شجر میں مشترک ہے اور صرف جسم انسان اور حجر میں مشترک ہے البتہ جوہر ایک ایسی وسیع چیز ہے جو عقل تک کو گرفت میں لے آتا ہے اس واسطے کہ جسم نامی اور جسم اور جوہر کے ماسوا انسان اور شجر حجر اور عقل کے مابین اس کے سوا یا اس کے جزو کے سوا کوئی مشترک نہیں ہے۔

تمدن: بنی نوع انسان کا اس غرض سے مجتمع اور یکجا ہونا کہ وہ مل جل کر باہمی تعاون و اشتراک سے غذا لباس سکونت کے لیے مکانات اور حوائج ضروریہ کا انتظام و انصرام کریں۔

تمثیل: کسی جزئی میں حکم واحد کا اثبات اس بناء پر کہ دوسری جزئی میں اس کا اثبات ہو رہا ہے اور

یہ اثبات کسی مشترک معنی کی بناء پر ہو رہا ہے فقہاء اس کو قیاس کا نام دیتے ہیں۔

تمکین: یہ مقام رسوخ واستقامت ہے یعنی ایک حالت پر مضبوطی سے جم جانا جب تک سالک راہ پیمائی کرتا رہتا ہے وہ صاحب تلوین کہلاتا ہے اس لیے کہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب ترقی کرتا اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے جونہی وہ منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے اس کو درجہ تمکین حاصل ہو جاتا ہے (دیکھو تلوین)

تمنی: بربناء محبت کسی شئے کے حصول کی طلب کا نام تمنی ہے عرض اور تمنی کے مابین فرق یہ ہے کہ عرض کے لیئے مخاطب درکار ہوتا ہے اور تمنی میں مخاطب ضروری نہیں! اسی طرح تمنی اور ترجی کے مابین فرق یہ ہے کہ تمنی ممکنات ومحالات سب میں چلتی ہے اور ترجی کا دائرہ ممکنات تک محدود رہتا ہے خواہ اس کے وصول پر وثوق نہ بھی ہو۔

تمیز: لغت میں تمیز کے معنی فرق کرنے اور جدا کر دینے کے ہیں اصطلاح نحویین میں وہ ایسا اسم ہوتا ہے جو ذات مذکورہ سے اس ابہام کو دور کر دے جو جملہ یا مشابہ جملے میں وضع کے وقت سے رہ جاتا ہے۔

تملیک: کسی کو کسی چیز کا مالک بنا دینا اگر یہ تملیک بالعوض ہو تو بیع ہے اگر چیز بلا عوض دی گئی ہو تو ہبہ ہے۔ اگر اس چیز کی منفعت بالعوض دی گئی ہے تو اجارہ ہے اگر منفعت بلا عوض دی گئی ہے تو عاریت ہے۔

تمتع: لغت میں تمتع کے معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں فقہ میں تمتع ایک ہی سال کے مہینے میں عمرہ اور حج کے افعال ایک احرام سے جمع کر دینے کا نام ہے۔

تناسخ: (آواگون) جو نفس ناقص رہ جاتے ہیں وہ تو ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہو جاتے ہیں لیکن جو نفوس کامل ہو جاتے ہیں اور ان کے تمام کمالات قوت سے فعل میں آجاتے ہیں ان کے دیگر ابدان میں اب جانے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ علائق جسمانیہ سے چھٹکارا پا کر عالم قدس میں جا ملتے ہیں جو نفوس تکمیل نہیں کر پاتے اگر وہ بدن انسانی سے دوسرے انسانی بدن میں بقیہ کمال کی تحصیل کے لیے منتقل ہو جاتے ہیں تو یہ انتقال نسخ کہلاتا ہے۔ اگر انسانی بدن سے کسی مناسب حیوانی بدن میں روح منتقل ہو تو یہ مسخ کہلاتا ہے اگر اجسام

نباتیہ کی جانب انتقال روح ہو تو مسخ کہلائے گا اور اگر اجسام جمادیہ کی طرف منتقل ہو تو یہ انتقال فسخ کہلایا جائے گا۔

تناسخ: یعنی روح کا قالب بدلنا، ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں بلا تخلل زمان درآنا (آجانا، سماجانا) اس تعلق اور ذاتی تعشق کی بنا پر، جو روح وجسم میں ایک دوسرے کے لیے ودیعت ہے

نوٹ: اسلام میں تناسخ کا تصور قطعی نہیں ہے۔ اس لیے کہ آخرت کا عقیدہ جو لازمی شرط ایمان ہے اس کا ناسخ ہے۔ تاہم چونکہ فلسفہ میں یہ مسئلہ زیر بحث آتا ہے اس لیے ضمناً اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ (ادارہ)

تنقیح: کم سے کم الفاظ میں معنی کی وضاحت

تنزیل: لغت میں اوپر سے نیچے آنے کو کہا جاتا ہے مفسرین کے نزدیک ضرورت کے مطابق بالتدریج جبرائیل کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے قلب اطہر پر قرآن مجید کے نزول کا نام ہے تنزیل و وحی دونوں کا سرچشمہ ایک ہے دونوں یکساں اور ہم پلہ ہیں۔

تنزیہہ: اوصاف بشریت سے حق تعالیٰ کو بری رکھنا۔ کسی شے کو نقائص وعیوب اور زوال سے پاک وصاف اور بری کرنا تجلی اسم باطن۔

تنافر: نفرت سے ماخوذ ہے علم معانی وبیان کی اصطلاح میں ایسے ثقیل اور نامانوس الفاظ کے جمع کر دینے کا نام ہے جو زبان پر گراں گزریں۔ مثلاً ؏

جو امتحاں کا نہ حصر اس پہ فتنہ جو کرتے

تنزّلات ستّہ: احدیۃ، وحدت، واحدیت، ارواح، امثال، شہادت

تنقیہ: بدن کا مواد سے پاک صاف کرنا۔

تناقض: دو قضیوں کے مابین ایجاب وسلب میں اس طرح کا اختلاف ہونا کہ ان میں سے ہر ایک کا صدق دوسرے کے کذب کو لازم ہو لیکن اس اختلاف کا تحقق آٹھ وحدتوں میں اتحاد کے ساتھ مشروط ہے۔

در تناقض ہشت وحدت شرط دان
وحدت موضوع و محمول و مکان
وحدت شرط و اضافت جزو کل
قوۃ و فعل است در آخر زمان

توبہ: معاصی و مناہی سے پرہیز کا عزم صمیم و مستحکم۔ اس کے اجزاء تین ہیں اول معاصی پر ندامت دوسرے منہیات و معاصی کے اعادہ نکرنے اور ان کے ترک کر دینے کا عزم، تیسرے مظالم کی تلافی۔

توبۂ کفار: کفر سے اسلام میں آجانا۔

توبۂ فساق: منہیات اور برے کاموں کا ترک اور آئندہ کے لیے پرہیز کا عہد۔

توبۂ ابرار: اخلاق ذمیمہ کا ترک

توبۂ انبیاء و اولیاء: غیر حق سے بے تعلق ہو رہنا۔

توبۂ انابت: عذاب الٰہی کے خوف سے توبہ کرنا۔

توبۂ النجابت: حق تعالیٰ کے کرم اور اس کے حصول کی غرض سے توبہ کرنا

توحید مطلق: جس میں شائبۂ کثرت و دوئی تک نہ ہو۔

توحید: توحید کی تعبیرات بکثرت ہیں۔ حاصل یہ ہے ایکے دیدن، یکے گفتن، یکے دانستن۔ یکے خواندن، یکے خواستن، یکے جستن۔ حق تعالیٰ کے سوا کسی کا وجود تسلیم نہ کرنا اور تمام ماسوا اللہ کو حق تعالیٰ کے اظلال و مظاہر سے زیادہ اہمیت نہ دینا۔

توفیق: مراد و مقصد کے مطابق اسباب کی فراہمی، وسائل کا موافق و سازگار بنا دینا۔ مطلوب خیر اور بہتر مقصد کی جانب اسباب کا رخ پھیر دینا۔

توکل: اسباب و ذرائع اور تدابیر کو کام میں لانے کے باوجود اعتقاد و یقین یہ رکھنا کہ تکمیل تیمم کار صرف حق تعالیٰ کی مشیت و مرضی و فضل پر موقوف ہے۔ خلق سے نا امیدی (دیکھو تسلیم)۔

تواتر: عوام و خواص کا دفعتہً یا متفرق طور پر متواتر کوئی خبر دینا کہ جس کی نسبت یہ گمان ہی

ج

جامع الکلم: وہ کلام جس میں الفاظ کم ہوں اور معانی کثرت سے ہوں اور عجیب وغریب ہوں۔

جاہلیت: اسلام سے پہلے جو دور تھا اس کو دورِ جاہلیت کہتے ہیں جو کفر و شرک اور بیشتر بد اخلاقیوں سے بھرپور تھا۔

جبریہ: ایک فرقہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ ہر خیر و شر کا خالق حق تعالیٰ ہے بندہ مجبورِ محض ہے۔ پتھر کی طرح جس کا نہ کوئی اختیار ہے نہ ارادہ

جبر و مقابلہ: ایک فن ہے جس میں اعداد کے الجھاؤ کو سلجھانے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔

جبروت: عالم عظمت وجلال یعنے حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا عالم۔ بعض اس سے عالمِ اوسط یعنی عالم برزخ مراد لیتے ہیں جو تمام اوامر الٰہیہ کو محیط ہے۔

جبر: لغت میں ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے اور درست کرنے کو کہتے ہیں۔ عام طور پر اصطلاح میں تمام معاملات و امور حق تعالیٰ کو تفویض کر دینے کا نام ہے تا آں کہ انسان اپنے کو جماد اور پتھر کے مثل تصور کرے کہ جس کو کوئی اختیار اور اس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا اس کے برعکس و برخلاف "قدر" ہے کہ انسان کو خالق افعال قرار دے دیتا ہے اور تمام شر و فساد اور برائیاں اس کی اپنی جانب منسوب کر دی جاتی ہیں۔ محققین نے جبر و قدر دونوں کو جمع کر لیا ہے اور ایک درمیانی اور افراط و تفریط کے "بین بین" راہ نکالی ہے۔ اس بنا پر اس کا یہ عربی مقولہ ضرب المثل بن گیا ہے۔

"لا جبر ولا قدر ولکن امر بین امرین"

جبن: دیکھو عدالت۔

جدّ: سنجیدگی جس سے حقیقی یا مجازی معنی مراد لیے جائیں ہزل کا ضد ہے۔

جدل: قیاس ہے جو مشہور و مسلّم مقولوں سے مرکّب ہوتا ہے اور اس سے مقصد مخالف کو الزام دینا ہوتا ہے۔ جو ان معروف مقولوں کے چکر میں آ کر خاموش ہو جاتا ہے۔

در تناقض ہشت وحدت شرط دان
وحدت موضوع و محمول و مکان
وحدت شرط و اضافت جزو کل
قوۃ و فعل است در آخر زمان

توبہ: معاصی و مناہی سے پرہیز کا عزم صمیم و مستحکم اس کے اجزاء تین ہیں اول معاصی پر ندامت دوسرے منہیات و معاصی کے اعادہ نکرنے اور ان کے ترک کر دینے کا عزم، تیسرے مظالم کی تلافی۔

توبۂ کفار: کفر سے اسلام میں آجانا۔

توبۂ فساق: منہیات اور برے کاموں کا ترک اور آئندہ کے لیے پرہیز کا عہد۔

توبۂ ابرار: اخلاق ذمیمہ کا ترک

توبۂ انبیاء و اولیاء: غیر حق سے بے تعلق ہو رہنا۔

توبۂ انابت: عذاب الٰہی کے خوف سے توبہ کرنا۔

توبۃ النجابت: حق تعالیٰ کے کرم اور اس کے حصول کی غرض سے توبہ کرنا

توحید مطلق: جس میں شائبۂ کثرت و دوئی تک نہ ہو۔

توحید: توحید کی تعبیرات بکثرت ہیں۔ مجمل یہ ہے، یکے دیدن، یکے گفتن، یکے دانستن۔ یکے خواندن، یکے خواستن، یکے جستن، حق تعالیٰ کے سوا کسی کا وجود تسلیم نہ کرنا اور تمام ما سوا اللہ کو حق تعالیٰ کے اظلال و مظاہر سے زیادہ اہمیت نہ دینا۔

توفیق: مراد و مقصد کے مطابق اسباب کی فراہمی، وسائل کا موافق و سازگار بنا دینا، مطلوب خیر اور بہتر مقصد کی جانب اسباب کا رخ پھیر دینا۔

توکل: اسباب و ذرائع اور تدابیر کو کام میں لانے کے باوجود اعتقاد و یقین یہ رکھنا کہ تکمیل و تتمہ کار صرف حق تعالیٰ کی مشیت و مرضی و فضل پر موقوف ہے۔ خلق سے نا امیدی (دیکھو تسلیم)۔

تواتر: عوام و خواص کا دفعتہً یا متفرق طور پر متواتر کوئی خبر دینا کہ جس کی نسبت یہ گمان ہی

ج

جامع الکلم : وہ کلام جس میں الفاظ کم ہوں اور معانی کثرت سے ہوں اور عجیب وغریب ہوں۔

جاہلیت : اسلام سے پہلے جو دور تھا اس کو دورِ جاہلیت کہتے ہیں جو کفر و شرک اور بیشتر بد اخلاقیوں سے بھرپور تھا۔

جبریہ : ایک فرقہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ ہر خیر و شر کا خالق حق تعالیٰ ہے بندہ مجبور محض ہے۔ پتھر کی طرح جس کا نہ کوئی اختیار ہے نہ ارادہ

جبر و مقابلہ : ایک فن ہے جس میں اعداد کے الجھاؤ کو سلجھانے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔

جبروت : عالم عظمت و جلال یعنے حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا عالم۔ بعض اس سے عالمِ اوسط یعنی عالم برزخ مراد لیتے ہیں جو تمام اوامر الٰہیہ کو محیط ہے۔

جبر : لغت میں ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے اور درست کرنے کو کہتے ہیں۔ عام طور پر اصطلاح میں تمام معاملات و امور حق تعالیٰ کو تفویض کر دینے کا نام ہے تاآں کہ انسان اپنے کو جماد اور پتھر کے مثل تصور کرے کہ جس کو کوئی اختیار اور اس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا اس کے برعکس و برخلاف "قدر" ہے کہ انسان کو خالق افعال قرار دے دیتا ہے اور تمام شر و فساد اور برائیاں اس کی اپنی جانب منسوب کر دی جاتی ہیں۔ محققین نے جبر و قدر دونوں کو جمع کر لیا ہے اور ایک درمیانی اور افراط و تفریط کے "بین بین" راہ نکالی ہے۔ اس بنا پر اس کا یہ عربی مقولہ ضرب المثل بن گیا ہے۔

"لاجبر ولا قدر ولکن امر بین امرین"

جبن : دیکھو عدالت۔

جدّ : سنجیدگی جس سے حقیقی یا مجازی معنی مراد لیے جائیں ہزل کا ضد ہے۔

جدل : قیاس ہے جو مشہور و مسلّم مقولوں سے مرکّب ہوتا ہے اور اس سے مقصد مخالف کو الزام دینا ہوتا ہے۔ جو ان معروف مقولوں کے چکر میں آکر خاموش ہو جاتا ہے۔

جذر: وہ عدد جو اپنے آپ میں ضرب دیا جائے۔ علامہ سعدالدین تفتازانی نے اس لفظ سے شرح مقاصد میں بضمن حسن و قبح بحث کی ہے اور اس کا رخ ابن کمونہ کے مغالطہ عامتہ الورود کی طرف پھیر دیا ہے اور جذر کو جذر اصم اور جذر منطق میں تقسیم کر دیا ہے۔

اس مغالطے کی سرسری تشریح یوں ہے کہ مثلاً کسی شخص نے یہ کہا کہ کلامی فی ھذا الیوم کاذب اور اس دن میں اس نے اس جملے کے علاوہ اور کوئی دوسری بات نہیں کی اب سوال یہ ہے کہ اس قائل کا یہ قول صادق ہے یا کاذب۔ جس طرح ابن کمونہ کے مغالطہ عامتہ الورود کے حل میں عقلائے دہر کی عقلیں عاجز و درماندہ ہو کر رہ گئی ہیں اسی طرح اس جملے "کلامی فی ھذا الیوم کاذب" کے سلسلے میں بڑی بحثیں ہوتی رہی ہیں اور اس کو دائرہ خبر سے نکال کر انشا کے حلقے میں لے جایا گیا ہے اور کچھ دلچسپ اور بیشتر دور از کار بحث و تمحیص کی گئی ہے جس شخص کو خداداد فرصت میسر ہو وہ وقت گزاری کے لیے شرح مقاصد کا مطالعہ کرے۔

جذبہ: وہ اندرونی تحریک جس کے ذریعے مقصود کی درمیانی اور دور دراز منزلیں بغیر کسی کلفت وسعی کے جلد سے جلد طے ہو جائیں۔ ؎

طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے

جذام: کوڑھ جس میں جسم کے زخموں سے پانی رستا ہو۔

جَرّ: جر کے لغوی معنے کھینچنے کے ہیں۔ اصطلاح نحو میں زیر کہلاتا ہے جو اعراب کی ایک قسم ہے کسی اسم پر یہ جر یعنی زیر تین طریق پر آتا ہے۔ یا تو اس کے پہلے سترہ حروف جارہ میں سے کوئی حرف جر ہو یا اضافت کی وجہ سے آتا ہے یا اپنے ماسبق یعنی پہلے اسم کی متابعت کی وجہ سے آتا ہے۔ مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں لفظ اسم حرف (ب) کی وجہ سے مجرور ہے لفظ اللہ اسم کا مضاف الیہ یعنی اضافت کے سبب سے مجرور ہے اور پھر الفاظ رحمٰن و رحیم لفظ اللہ کی متابعت کے تحت مجرور ہیں۔

جرم: (بکسر الرا)؛ مطلق جسم اور صاف و شفاف جسم بالعموم جرم کا اطلاق افلاک و کواکب پر کیا جاتا ہے۔ عناصر اربعہ اور موالید ثلثہ کے لیے جسم بولا جاتا ہے۔

لے آنا۔ گویا خود نفس شئ بلا ساز و سامان کے بغیر مواد اور میٹریل کے، بلا کسی سابق مثال و نمونے کے اس جعل میں مجعول کی جاتی اور ظہور میں لائی جاتی ہے اور جعل صرف اور محض نفس ذات سے متعلق ہوتا ہے اور خود نفس ذات ہی اولاً اور بالذات متقرر ہوتی ہے۔ اس میں کثرت کی آلائش قطعاً نہیں ہوتی۔

جعل مرکب: اس جعل میں شئے کو پھیر دینا اور شئ کر دینا ہوا کرتا ہے۔ یعنے شئے سے شئے بنائی جاتی ہے۔

جلوہ: انوار الہی کے سلسلے کا نور ہے جو سالک راہ حقیقت کے قلب پر چمکتا ہے۔ جس کی وجہ سے عالم کی ہر چیز میں اس کو صرف حق جل مجدہ کی ذات ہی ذات نظر آتی ہے اور ماسوا اللہ کی حقیقت صرف ظل اور پرتو کی سی رہ جاتی ہے۔ گویا یہ سب کچھ جو نظر کے سامنے ہے۔ ایک اجمال ہی کی تفصیلات ہیں۔

جمع الجمع: عما، مرتبہ احدیت حقیقت الحقائق، اپنے کو اور ماسوا اللہ کو کلیتاً فانی اللہ کر دینا اور قطعاً اور کلیتہً ماسوا اللہ سے منقطع ہو جانا۔

جمع منطقی: جس کا اطلاق دو یا دو سے زیادہ اعداد پر ہو سکے۔

جمع: مقام شہود یا جس کا تین پر یا تین سے زیادہ اعداد پر اطلاق ہو۔

جمع قلت: جس کا اطلاق دس سے کم پر ہو۔

جمع کثرت: جس کا اطلاق دس اور دس سے زیادہ پر ہو۔

جمع منتہی الجموع: آخری جمع جس کے بعد کوئی جمع نہ ہو۔ یہ جمع اسباب منع کے ان اسباب میں سے ہے جو دو سببوں سے قائم ہوتی ہے، جو دو کلموں سے مرکب ہو خواہ اس میں مخاطب کے لیے افادہ ہو یا نہ ہو (یعنی کوئی مکمل بات مخاطب کے پلے پڑے یا نہ پڑے۔

جملہ معترضہ: جو کسی مستقل جملے کے دونوں اجزاء کے درمیان لایا جائے جس کا تعلق پورے جملے سے ہو یا اس کے اجزاء میں سے کسی ایک جز سے ہو۔

جملہ مستانفہ: جو سوال مقدر کا جواب ہو۔

جملہ خبریہ: مرکب تام جو صدق و کذب کا محتمل ہو۔

جذر: وہ عدد جو اپنے آپ میں ضرب دیا جائے۔ علامہ سعدالدین تفتازانی نے اس لفظ سے شرح مقاصد میں بضمن حسن و قبح بحث کی ہے اور اس کا رخ ابن کمونہ کے مغالطہ عامتہ الورود کی طرف پھیر دیا ہے اور جذر کو جذر اصم اور جذر منطق میں تقسیم کر دیا ہے۔

اس مغالطے کی سرسری تشریح یوں ہے کہ مثلاً کسی شخص نے یہ کہا کہ

کلامی فی ہذا الیوم کاذب اور اس دن میں اس نے اس جملے کے علاوہ اور کوئی دوسری بات نہیں کی اب سوال یہ ہے کہ اس قائل کا یہ قول صادق ہے یا کاذب۔ جس طرح ابن کمونہ کے مغالطہ عامتہ الورود کے حل میں عقلائے دہر کی عقلیں عاجز و درماندہ ہو کر رہ گئی ہیں اسی طرح اس جملے "کلامی فی ہذا الیوم کاذب" کے سلسلے میں بڑی بحثیں ہوتی رہی ہیں اور اس کو دائرہ خبر سے نکال کر انشا کے حلقے میں لے جایا گیا ہے اور کچھ دل چسپ اور بیشتر دور از کار بحث و تمحیص کی گئی ہے جس شخص کو خداداد فرصت میسر ہو وہ وقت گزاری کے لیے شرح مقاصد کا مطالعہ کرے۔

جذبہ: وہ اندرونی تحریک جس کے ذریعے مقصود کی درمیانی اور دور دراز منزلیں بغیر کسی کلفت و سعی کے جلد سے جلد طے ہو جائیں۔ ع

طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے

جذام: کوڑھ جس میں جسم کے زخموں سے پانی رستا ہو۔

جَر: جَر کے لغوی معنے کھینچنے کے ہیں۔ اصطلاح نحو میں زیر کہلاتا ہے جو اعراب کی ایک قسم ہے کسی اسم پر یہ جر یعنی زیر تین طریق پر آتا ہے۔ یا تو اس کے پہلے سترہ حروف جارہ میں سے کوئی حرف جر ہو یا اضافت کی وجہ سے آتا ہے یا اپنے ماسبق یعنی پہلے اسم کی متابعت کی وجہ سے آتا ہے۔ مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں لفظ اسم حرف (ب) کی وجہ سے مجرور ہے لفظ اللہ اسم کا مضاف الیہ یعنی اضافت کے سبب سے مجرور ہے اور پھر الفاظ رحمٰن و رحیم لفظ اللہ کی متابعت کے تحت مجرور ہیں۔

جرم: (بکسر الرا)؛ مطلق جسم اور صاف و شفاف جسم بالعموم جرم کا اطلاق افلاک و کواکب پر کیا جاتا ہے۔ عناصر اربعہ اور موالید ثلٰثہ کے لیے جسم بولا جاتا ہے۔

لے آنا۔ گویا خود نفس شئ بلا ساز و سامان کے بغیر مواد اور میٹریل کے بلا کسی سابق مثال و نمونے کے اس جعل میں مجعول کی جاتی اور ظہور میں لائی جاتی ہے اور جعل صرف اور محض نفس ذات سے متعلق ہوتا ہے اور خود نفس ذات ہی اولاً اور بالذات متقرر ہوتی ہے۔ اس میں کثرت کی آلائش قطعاً نہیں ہوتی۔

جعل مرکب: اس جعل میں شئے کو پھیر دینا اور شئ کر دینا ہوا کرتا ہے۔ یعنے شئے سے شئے بنائی جاتی ہے۔

جلوہ: انوار الٰہی کے سلسلے کا نور ہے جو سالک راہ حقیقت کے قلب پر چمکتا ہے۔ جس کی وجہ سے عالم کی ہر چیز میں اس کو صرف حق جل مجدہ کی ذات ہی ذات نظر آتی ہے اور ماسوا اللہ کی حقیقت صرف ظل اور پرتو کی سی رہ جاتی ہے۔ گویا یہ سب کچھ جو نظر کے سامنے ہے۔ ایک اجمال ہی کی تفصیلات ہیں۔

جمع الجمع: عماء، مرتبہ احدیت حقیقت الحقائق اپنے کو اور ماسوا اللہ کو کلیتاً فانی اللہ کر دینا اور قطعاً اور کلیتہً ماسوا اللہ سے منقطع ہو جانا۔

جمع منطقی: جس کا اطلاق دو یا دو سے زیادہ اعداد پر ہو سکے۔

جمع: مقام شہود یا جس کا تین پر یا تین سے زیادہ اعداد پر اطلاق ہو۔

جمع قلت: جس کا اطلاق دس سے کم پر ہو۔

جمع کثرت: جس کا اطلاق دس اور دس سے زیادہ پر ہو۔

جمع منتہی الجموع: آخری جمع جس کے بعد کوئی جمع نہ ہو۔ یہ جمع اسباب منع کے ان اسباب میں سے ہے جو دو سببوں سے قائم ہوتی ہے، جو دو کلموں سے مرکب ہو خواہ اس میں مخاطب کے لیے افادہ ہو یا نہ ہو (یعنی کوئی مکمل بات مخاطب کے پلے پڑے یا نہ پڑے۔

جملہ معترضہ: جو کسی مستقل جملے کے دونوں اجزاء کے درمیان لایا جائے جس کا تعلق پورے جملے سے ہو یا اس کے اجزاء میں سے کسی ایک جزء سے ہو۔

جملہ مستانفہ: جو سوال مقدر کا جواب ہو۔

جملہ خبریہ: مرکب تام جو صدق و کذب کا محتمل ہو۔

جملہ انشائیہ: ایسا مرکب تام جو صدق وکذب کا محتمل نہ ہو۔

جمعیت: خالق کل حق تعالیٰ کی جانب توجہ تام اور خلق سے قطعاً روگردانی اور دل برداشتگی کثرت میں وحدت کا جلوہ دیکھنا۔ جب کثرت وحدت کا روپ دھارے تو جمعیۃ کہلاتی ہے

جمادات: پتھر، کنکر، چاندی، سونا، پیتل، تانبہ، لوہا وغیرہ وغیرہ جملہ معدنیات۔

جمیع: شمول جمیع اجزا، یا افراد۔

جمال: تناسب اعضاء

جمال طبعی: طبی اصطلاح میں تناسب اعضاء کا نام جمال طبعی ہے۔

جمود: دیکھو عدالت۔

جنس: ایسی کلی ہے جس کا اطلاق اس بڑی تعداد پر کیا جائے جو حقیقت کے اعتبار سے متحد نہ ہوں بلکہ مختلف النوع ہوں یا جس کا اطلاق مختلف الاغراض کثیرین پہ کیا جائے یا جو قلیل کثیر سب پر یکساں صادق آئے۔

جنس عالی: (جنس الاجناس)؛ جس کے اوپر کوئی جنس نہ ہو۔

جنس متوسط: جس کے اوپر اور نیچے جنس ہو۔

جنس سافل: جس کے نیچے کوئی جنس نہ ہو۔

جوہر: اشراقی فلاسفہ نے جوہر کی سادہ اور مختصر تعریف یہ کی ہے کہ "جو شئے بالذات قائم ہو وہ جوہر ہے" جو غیر میں قائم ہو وہ عرض ہے فلک اور کپڑا مثلاً جوہر ہیں جو بذات خود قائم ہیں اور فلک کی حرکت اور کپڑے کی سفیدی یا رنگا رنگی عرض ہے حکماء مشائیہ جوہر کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ "جوہر ایسی ماہیت ہے کہ جب بھی خارج میں پائی جائے تو کسی موضوع میں نہ ہو"۔ ان کے نزدیک اس کے مصداق کا انحصار صرف ہیولیٰ۔ صورت جسم نفس اور عقل میں ہے وہ اس کو دلیل حصر میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ماہیت یا مجرد ہوگی یا غیر مجرد ہوگی بصورت تجرد بدن کے ساتھ اس کا تعلق تدبیر و تصرف کا ہو تو عقل ہے۔ تدبیر و تصرف کا تعلق نہ ہو تو نفس ہے۔ غیر مجرد ہونے کی صورت میں اگر مرکب

ہے تو جسم ہے، غیر مرکّب ہونے کی شکل میں اگر حال ہے تو صورت جسمیہ، ورنہ ہیولیٰ ہے۔

پھر جوہر کی ایک اور تقسیم کی جاتی ہے۔ وہ بسیط بھی ہوتا ہے اور مرکّب بھی۔ بصورت بساطت روحانی بھی ہو سکتا ہے جیسے عقول و نفوس اور جسمانی بھی جیسے عناصر۔ بصورت ترکیب اگر صرف عقل میں مرکّب ہوا و رخارج میں نہ ہو تو ماہیت جوہریہ کہلاتی ہے جو جنس و فصل سے مرکّب ہوتی ہے۔ اور جو جوہر عقل و مادہ دونوں میں مرکّب ہو اس کا مصداق موالید ثلثہ حیوانات و نباتات و جمادات ہیں۔

حکماء مشائیہ نے فلاسفہ اشراقیین کی سہل و سادہ تعریف سے اعراض کر کے یہ پیچیدہ تعریف کیوں اختیار کی اس کی وجہ یہ ہے کہ مشائیین کے کچھ اساسات و نظریات تھے جو اشراقیہ کی تعریف کو اپنا لینے کی صورت میں منہدم اور درہم و برہم ہو جاتے تھے۔ اشراقیہ مختلف حیثیات کی بنا پر ایک ہی شے کو قابل و فاعل قرار دیتے ہیں۔ مشائیہ فاعل کو قابل اور قابل کو فاعل تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ایک ہی شے قابل اور فاعل نہیں ہو سکتی بلکہ وہ قابل و فاعل کی دو مختلف حیثیتوں کے لیے دو جدا جدا محل تجویز کرتے ہیں ایک محل قابلیت ہو دوسرا محل فاعلیت، محل قابلیت کو وہ ہیولیٰ کا نام دیتے ہیں اور محل فاعلیت کو صورت جسمیہ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح وہ جسم کو دو اجزا ہیولیٰ اور صورت جسمیہ سے مرکّب مانتے ہیں۔ برخلاف اشراقیہ کے کہ ان کی رائے میں جسم بسیط ہے اجزاء ترکیبیہ سے مرکّب نہیں ہے۔ اس جوہر کی تعریف کے سلسلے میں ہر دو گروہ فلاسفہ (اشراقیہ و مشائیہ) کے مابین بڑی طویل اور پیچیدہ بحثیں اور موشگافیاں ہوتی رہی ہیں جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

جوہر وحدانی: عام طور پر جوہر وحدانی کا اطلاق صورت جسمیہ پر ہوتا ہے۔ ارسطو اس کے اتباع مشائیہ اور شیخین (بوعلی و بونصر) اور شیخ مقتول کا خیال ہے کہ

"وہ جسم مطلق ہے۔"

جواہر فرد، جوہر فرد: اجزاء لایتجزی جزء لایتجزی۔

جوف: دیکھو تجویف

جوہر وحدانی: حکماء و مشائیہ میں سے ارسطو، شیخین (فارابی و ابن سینا) اور شیخ مقتول جوہر وحدانی کو فی حد ذاتہ متصل اور بذاتہ قائم مانتے ہیں اور کسی دوسری شئے میں اس کو اس بناء پر حال تسلیم نہیں کرتے کہ وہ بذاتہ متحیز ہے وہ ان کے نزدیک جسم مطلق ہے جو ہر بسیط ہے جس میں بلحاظ خارج اصلا ترکیب نہیں ہے اور وہ خود طریان اتصال و انفصال کا قابل ہے۔ اپنی ذات کی حد تک اتصال و انفصال دونوں حالتوں میں باقی رہتا ہے وہ جوہر اور ذات ہونے کی حیثیت سے جسم ہے اور انواع جسم میں سے کسی نوعی صورت کے قبول کر لینے کی وجہ سے ہیولی کہلاتا ہے۔

جودۃ الفہم: ملزومات سے لوازم کی طرف ٹھیک ٹھیک انتقال ذہنی۔

جواہر العلوم: ایسے حقائق جن میں کبھی اور کسی حالت میں تبدیلی اور تغیر نہ ہو سکے اور شریعتوں، اور امتوں اور زمانوں کی تبدیلی بھی ان پر موثر نہ ہو سکے۔

جوامع الکلم جامع الکلم: جس کے کم سے کم الفاظ میں کثیر و جزیل معانی پنہاں ہوں۔

جوّ: آسمان اور زمین کے مابین جو کچھ بھی ہے وہ کائنات الجو کہلاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں جو عناصر کی ترکیب و امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں جیسے ابر، باراں، اولا، برف، پالا، ابخرات، کہر، شبنم، شفق، بگولہ، لو، شہاب ثاقب، قوس قزح، دھنک، وغیرہ ان کا کوئی خاص مزاج نہیں ہوتا۔ یعنی کوئی ایسی حالت معتدلہ قائمہ نہیں ہوتی جو کسر و انکسار کا نتیجہ ہو، کیوں کہ کسر و انکسار جس کا نتیجہ مزاج ہوتا ہے وہ ترکیب کا خواہاں ہوتا ہے، اور اس کائنات الجو کی اکثریت ترکیب سے محروم ہے، اس منزل پر اعتراض کیا گیا ہے کہ کائنات الجو کا انحصار مابین السماء والارض پیدا ہونے والی اشیاء ہی میں کیوں کر دیا گیا ہے حالاں کہ زلزلوں کا اور پانی کے چشموں کے ابل آنے اور پھوٹ نکلنے کا تعلق مابین السماء والارض کی بجائے تحت الارض اسباب سے ہے،

اور ان پر بھی کائنات الجوء کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ مابین السماء والارض میں پیدا ہونے والی اشیاء کی اولاً تو اکثریت ہے۔ الاکثر حکم الکل، دوسرے یہ کہ زلزلے اور چشمے انھیں اشیاء مابین السماء والارض کی تاثیر سے تو پیدا ہوتے ہیں۔

جُود: ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ دوسرے کو بلا غرض دینی و دنیوی فائدہ رسانی مقصود ہوتی ہے۔ یہ صفت جود موجودات میں صرف حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور جوّاد صرف اللہ تعالیٰ کو کہہ سکتے ہیں۔

جوالہ: گردش کرنے والا جیسے شعلہ جوّالہ (گردش کرنے والا شعلہ)

جواب الزامی: ایسا جواب جس کو حریف چار و ناچار تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جائے۔ اگرچہ وہ بجائے خود فاسد و لغو ہو۔

جَحِیط: عام طور پر فقہ حنفی کی تصنیفات میں ایک جملہ تحریر ہوتا ہے "مسئلۃ البیر جحیط" یعنی کنویں کے پانی کی پاکی ناپاکی کی تفصیلات اور فقہ کے اس مسئلہ کے اختلافات اس لفظ "جحیط" میں پنہاں ہیں۔ صورت مفروضہ یہ ہے کہ ایک شخص جنب (ناپاک) تھا جس کے جسم پر کوئی ظاہری نجاست نہ تھی وہ اپنا ڈول یا کوئی چیز نکالنے کے لیے کنویں میں کود گیا۔ سوال یہ ہے کہ پانی میں گرنے سے وہ شخص طاہر ہوا یا نہیں اس کے جنب ہونے کی وجہ سے کنویں کا پانی پاک رہا یا ناپاک ہو گیا اس صورت حال کے سلسلے میں حنفیہ کے ائمہ ثلث (امام اعظم۔ امام ابویوسف امام محمد) کے مابین جو اختلاف آرا پیدا ہوا ان تمام آراء کو اس لفظ "جحیط" میں سمو دیا گیا ہے۔ امام اعظم چوں کہ ائمہ ثلث میں اقدم ہیں لہذا پہلے ان کی رائے کی جانب لفظ (ج) سے اشارہ کیا گیا ہے یعنی کنویں کا پانی اور وہ شخص دونوں جنب ہیں پانی اس جنب شخص کی جنابت سے ناپاک ہو گیا اور ناپاک پانی اس شخص کو پاک نہیں کر سکتا تھا لہذا وہ ناپاک کا ناپاک ہی رہا۔

امام صاحب کے بعد امام ابویوسف کا درجہ ہے جن کے مسلک کی جانب بعد کے لفظ (ح) سے اشارہ کیا گیا ہے یعنی دونوں اپنے حال پر قائم ہیں پانی پاک

کا پاک ہے اور وہ شخص ناپاک کا ناپاک ہے۔

امام محمد تیسرے درجے پر ہیں لہذا (ط) کے لفظ میں ان کا فتویٰ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ دونوں طاہر ہیں پانی بھی اور وہ شخص بھی جو جنب تھا ان ہرسہ آراء میں سے عملدآمد اور فتویٰ امام محمد کی رائے پر ہے۔

جہل: کسی شیٔ کے خلاف واقع یقین و اعتقاد کر لینے کا نام جہل ہے۔ کسی معدوم کا اعتقاد بھی دائرۂ جہل میں اس بناء پر آجاتا ہے کہ وہ معدوم بہرحال معدوم ہونے کے باوجود ذہن میں ایک گونہ شیئیت حاصل کر لیتا ہے صالح علم کی لاعلمی بھی جہل کے دائرے میں آجاتی ہے۔ عرفاء و صوفیاء کی اصطلاح میں جہل کو موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جہل بسیط: صالح علم کا عدم العلم لاعلمی ہے۔ صالح علم کی لاعلمی بھی جہل کے دائرے میں آجاتی ہے۔ عرفاء و صوفیاء کی اصطلاح میں جہل کو موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جہل مرکب: خلاف واقعہ امر کا جزم و یقین جو ازالہ مزیل اور تشکیک مشکک سے زائل اور مشکوک نہ ہو۔

جہت: جہت کے دو معنی ہوتے ہیں ایک اطراف امتدادات یعنی پھیلاؤ کے کنارے جو مشیر سے مشارٌالیہ تک جاتے ہیں جن سے حرکت شروع ہو یا جن کی طرف حرکت ہو۔
اس لحاظ سے اس کو مطلق الجہت کہا جاتا ہے۔ دوسرے خود اطراف اس حیثیت سے کہ اشارات کے منتہا اور حرکات اور منتہائے حرکات کا مقصد ہیں۔ اس اعتبار سے اس کو جہت المطلقہ کہا جاتا ہے۔ یا طرف الاشارہ (دیکھو اشارہ حسیہ)

جہت مطلقہ: دیکھو جہت

جہات ستہ: فوق تحت یمین شمال قدام خلف (اوپر نیچے دائیں بائیں آگے پیچھے)

جہمیہ: جہیم ابن صفوان نامی ایک شخص کا گروہ ہے جس کا اعتقاد ہے کہ بندے کو کسی قسم کی کوئی بھی خلقی یا کسبی قدرت حاصل نہیں ہے وہ جماد محض ہے۔

جہاد: اس کے معنی صرف دینِ حق کی جانب دعوت دینے اور بلانے کے ہیں۔ اس کے ذرائع مقتضیات وقت و حال کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

ح

حال: باصطلاح معانی بیان محال ایسا امر ہے جو متکلم کو مخصوص تکلم کی دعوت دے
مثلاً اگر مخاطب و سامع کسی امر کا منکر ہے تو اس کے انکار کا مقتضا یہ ہے کہ متکلم
تاکیدی اور زوردار الفاظ استعمال کرے جیساکہ منافقین نے جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ازراہ منافقت اقرار کیا جو درحقیقت انکار تھا
تو حق تعالیٰ نے معمولی اور سادہ الفاظ میں رسالت کی تصدیق نہیں فرمائی بلکہ
اپنی شہادتِ رسالت کے بعد اس کو مؤکد کیا اور زوردار الفاظ میں تصدیق
رسالت فرمائی "واللہ یشھد انک لرسولہ" (اللہ گواہی دیتا ہے کہ آپ بلا
شک و شبہ قطعاً اس کے رسول ہیں)

چوں کہ منافقین ازراہ نفاق اقرار کے پردے میں رسالت کا انکار کر رہے
تھے جن کے باطن سے علام الغیوب باخبر تھا اس لیے اس نے سب سے پہلے تو
اپنی شہادت سے رسالت کی تصدیق کی بعد ازاں لفظ "اِنَّ" استعمال کیا جو
تحقیق کے معنی دیتا ہے۔ اس کے بعد لام تاکید کا اضافہ فرمایا "لرسولہ" یہاں
موقع و محل کا اقتضا یہی تھا کہ کلام میں غیر معمولی زوردار اور تحقیقی اور تاکیدی
الفاظ استعمال کیے جائیں۔ بعض فضلا ء حال کو موجود اور معدوم کے درمیان واسطہ
قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حال نہ موجود ہے نہ معدوم وہ ایقاع و ایجاد
کی طرح امور اعتباریہ میں سے ہے۔ نحوئین کے نزدیک حال وہ کہلاتا ہے جو لفظاً
یا معنیً فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت بیان کردے یا حال وہ ہے جو کسی محل میں ہو
یا جو ماضی کی انتہا اور مستقبل کا آغاز ہو یا وہ آن جو ماضی اور مستقبل کے درمیان حد مشترک
اور حد فاصل ہو یا وہ وقت جس میں ہم تم موجود ہیں یا قلب پر وارد ہونے والی کیفیت
جو بلا کسی تصنع اور بلا کسب و سعی کے مسرت و انبساط یا غم و اندوہ کے جذبات پیدا
کرے جس سے سالک کے منازل و مراتب رو بہ ترقی یا رو بہ تنزل ہوں۔ یا وہ صفت

جو نفس میں راسخ نہ ہو۔

حالات : کیفیات نفسانیہ غیر راسخہ ۔

حال جوہری : جس کی طرف محل محتاج ہو۔

حال عرض : جس کی طرف محل محتاج نہ ہو۔

حال موکدہ : ذوالحال جب تک موجود رہے حال سے جدا نہ ہو سکے۔

حال منتقلہ : جس میں حال سے ذوالحال جدا ہو سکے۔

حادی : احاطہ کر لینے والا۔

حاسہ حسن : وہ قوت ہے جو جزئیات جسمانیہ اور پانچوں حواس ظاہری اور پانچوں باطنی حواس کا ادراک کرے ۔ حواس ظاہری و باطنی کو احاطۂ ضبط میں اس طرح لایا جا سکتا ہے کہ ۔

۱۔ حاسہ یا تو خود مدرک ہوگا یا ادراک کے سلسلے میں معین ہوگا ۔ خود مدرک ہونے کی صورت میں حواس ظاہری کے ذریعے اگر صرف صورتوں کا مدرک ہو تو حسن مشترک ہے اور معانی کا مدرک ہو تو وہم ہے ۔ اگر حاسہ معین ادراک ہے اور تصرف بھی کرتا رہتا ہے تو متصرفہ ہے ۔ یا تصرّف تو نہیں کرتا صرف حفاظت کی حد تک معین ہے تو اگر صرف صورتوں کا محافظ ہے تو خیال ہے اور معانی کا محافظ ہے تو حافظ ہے۔

حافظ : لغت کے اعتبار سے حافظ قرآن کو حافظ کہا جاتا ہے ۔ حدیث کی اصطلاح میں حافظ حدیث کو حافظ کہتے ہیں جس کے متعدد مراتب ہیں ۔ وہ مبتدی طالب علم بھی حافظ کہلاتا ہے جو علم حدیث کی جانب رغبت رکھتا ہے ۔ محدث، استاد کامل، شیخ الحدیث اور امام الحدیث کو بھی حافظ کہا جاتا ہے ۔ خصوصیت کے ساتھ حافظ کا اطلاق اس محدّث پر ہوتا ہے جس کو ایک لاکھ احادیث مع متن و اسناد کے یاد ہوں، اور تاریخی حیثیت سے تمام راویوں کے حالات مع جرح و تعدیل کے اس کے علم اور حافظے

میں محفوظ ہوں جو ان رواۃ پر کی گئی ہے۔ محدث اور حافظ میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ محدث روایت کو درایت کی کسوٹی پر کستا اور پرکھتا ہے اور حافظ ہر وہ روایت بیان کر دیتا ہے جو اس تک پہنچتی ہے اور مفید مدعا ہوتی ہے۔

حاکم : (حاکم فی الحدیث) حدیث پر حاکم اور حاوی وہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس نے تمام احادیث کو اپنے علم کے احاطے میں لے لیا ہو اور احادیث کا پورا متن اور اس کی اسناد اس کو حفظ ہوں اور راویوں پر تاریخی لحاظ سے جس قدر جرح و تعدیل کی گئی ہو وہ سب اس کے پیش نظر ہو۔

حاکم فی الحدیث : دیکھو حاکم۔

حافظہ : جو معانی جزیہ اور ان احکام وہمیہ کی حفاظت کرتا ہے جو وہم سے ادراک کیے جاتے ہیں۔ قوت وہمیہ جن معانی جزیہ غیر محولہ کا ادراک کرتی ہے ان کو محفوظ کر لینے والی قوت گویا قوت حافظہ قوت وہمیہ کا خزینہ ہے۔

حادہ مطلقہ : وہ شدید امراض جن کی شدت چودہ دن تک رہے اگر چار دن تک ہو تو حادہ فی الغایت ہے۔

حادہ الغایت : دیکھو حادہ مطلقہ۔ **حادہ فی الغایت** :

حالب : کنج ران کی وہ رگ یا نالی جو پیشاب کو گردے سے مثانے میں لاتی ہے۔

حالت ثالثہ : صحت و مرض کے مابین حالت اس کو متوسطہ بھی کہتے ہیں۔ جالینوس اس حالت ثالثہ کا قائل ہے۔ لیکن شیخ بوعلی سینا اس حالت ثالثہ کو تسلیم نہیں کرتا۔

حالت متوسطہ : دیکھو حالت ثالثہ۔

حار بارد بالفعل : دیکھو بارد و حار بالفعل۔

حار بارد بالقوہ : دیکھو حار و بارد بالقوہ۔

حار بالفعل : دیکھو بارد و حار بالفعل

حار بالقوہ : دیکھو بارد و حار بالقوہ

حجاب : لغت میں پردے کے معنی میں آتا ہے۔ ارباب سلوک کے نزدیک حق جل مجدہٗ کے

ماسوا جو چیز بھی کسی کی مطلوب و مقصود بن جائے وہ حجاب ہے۔ ارباب سلوک میں سے بعض کا خیال ہے کہ کائنات کی صورتوں میں سے جو صورت بھی قلب پر منقش ہو جائے وہ تجلی حق تعالیٰ کی راہ میں رکاوٹ اور حجاب بن جاتی ہے۔ صائبؔ نے کیا خوب کہا ہے ؎

گزشتم از سر مطلب تمام شد مطلب

نقاب چہرۂ مقصود بود مطلب ہا

حجاب العزۃ: یہ ایک قسم کا تحیّر اور نابینائی ہے جو ذات حق جلّ مجدہٗ کی کنہ اور حقیقت پر غور کرنے والے سالکین راہ طریقت کے لئے حجاب بن جاتی ہے کیوں کہ مکاشفات اور سارے کشفی ادراکات حقیقت وصفات وکنہ ذات کے ادراک سے قاصر اور درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں ؎

نہ ادراک در کُنہ ذاتش رسد

نہ فکرت بغورِ صفاتش رسد

حجاب حاجز: وہ پردہ جو سینہ اور پیٹ کے درمیان واقع اور حدّفاصل ہے اور تنفّس کے لیے پھیپھڑے کو متحرّک رکھتا ہے۔

حج: کسی عظیم و مہتم بالشان شئی کا قصد کرنا اصطلاح شرع میں خاص حلیہ اور مخصوص شرائط کے ساتھ معینہ اوقات میں بیت اللہ کا قصد کرنا مراد لیا جاتا ہے۔ حج میدان عرفات میں ہوتا ہے۔

حجب (بفتح الحاء)، حجب حرمان، حجب نقصان: حجب مطلق منع، حجب حرمان یہ ہے کہ وارث ارث سے کلیۃً محروم ہو جائے۔ حجب نقصان یہ ہے کہ کسی دوسرے زیادہ قریب و مستحق وارث کی وجہ سے اس کے حصّے میں کمی آجائے۔

حجب حرمان: حجب میں پڑھو۔

حجب نقصان: حجب میں دیکھو۔

حجّت: لغت میں حجّت کے معنی غلبہ کے ہیں۔ اصطلاح منطق میں اُس چیز (دلیل) پر اطلاق ہوتا ہے جو تصدیق و یقین یا کم از کم ظن تک پہنچا دے۔ یقین تک پہنچا دینے کی صورت

میں حجّت قطعی کہلائے گی۔ ظن پر رک جائے تو حجّت اقتناعی کہا جائے گا۔ حجت کی اقسام تین ہیں۔ قیاس، استقراء، تمثیل۔ یا حجّت وہ ہے جس سے دعوے کی صحت پر دلیل لائی جائے حجّت اور دلیل کا ماحصل ایک ہے۔ یا حجّت وہ معلوم تصدیقی ہے جو مجہول تصدیقی تک پہنچا دے۔

حدیث میں حجّت وہ مانا جاتا ہے جس کو تین لاکھ احادیث مع متن واسناد کے یاد ہوں اور وہ تمام جرح و تعدیل بھی اس کے حافظے میں محفوظ ہو جو تمام راویوں پر تاریخی اعتبار سے کی گئی ہو۔

حجّت فی الحدیث: دیکھو حجت۔

حجّت قطعی: حجت میں پڑھو۔

حجّت اقتناعی: حجت دیکھو۔

حدیث: ٹھہر ٹھہر کر وقفے کے بعد جو بات چیت کی جائے وہ کم ہو یا زیادہ ہو، حدیث کہلاتی ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و اعمال آپؐ کی گفتگو آپؐ کے اوصاف یہاں تک کہ آپؐ کی حرکات و سکنات خواہ بیداری میں ہوں یا خواب استراحت میں سب زمرۂ حدیث میں شمار ہوتی ہیں۔ خبر، سنت اور حدیث ایک ہی مانے جاتے ہیں الّا یہ کہ خبر اور سنت حدیث کی بہ نسبت عام ہیں۔ اس باب میں بھی دو رائیں ہو گئی ہیں کہ مطلقاً سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے یا سنت عام ہے۔ متقدمین اور متاخرین سنت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص قرار دیتے ہیں۔ باقی متاخرین اس کو عام کہتے ہیں۔

حدثنا: حدیث رسولؐ کے روایت کرنے اور اس کو بیان کرنے کے طریقے متعدد ہیں مثلاً حدثنا، اخبرنا، انبانا۔ اور کبھی صرف ثنا پر بھی اختصار کر لیا جاتا ہے۔ اس میں ثنا اور انبانا سے علی الترتیب حدثنا اور اخبرنا کا مفہوم سمجھا جاتا ہے۔ عام طور پر محدثین حدثنا کا لفظ استعمال اس صورت میں کرتے ہیں جب استاد قاری ہو اور بہت سے تلامذہ سن رہے ہوں۔ اور اخبرنا کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب شاگردوں میں سے

کوئی قاری اور استاد سامع ہو۔

حدثنی: حدثنی کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب استاد قاری ہو اور صرف ایک شاگرد سامع ہو۔

حدیث حسن: محدثین کی اصطلاح میں حسن وہ حدیث کہلاتی ہے جس کے راوی صدق و دیانت میں شہرت رکھتے ہوں لیکن ان کے حافظے پر وثوق اور اعتماد نہ کیا جا سکتا ہو لیکن رواۃ کی دیانت وصدق پر اعتماد کے ساتھ اگر ان کے حافظے پر بھی اعتماد و وثوق ہو تو پھر وہ حدیث صحیح کہی جاتی ہے۔

حدیث صحیح: دیکھو حسن۔

حدیث قدسی: جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو الہام کے ذریعے یا عالم خواب میں دی ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنحضرتؐ نے اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہو یہ بھی ایک قسم کی وحی ہے جس کو غیر منزل وحی کہا جاتا ہے۔ جب کہ قرآن مجید لفظاً وحی منزل ہے۔ مختصراً یہ کہ معناً منجانب اللہ ہو اور لفظاً من جانب رسول اللہ۔

حدث: نجاست حکمی جو غیر محسوس ہوتی ہے اور ادائے ارکان اسلامی صلوٰۃ وعبادت سے روکتی ہے۔

حدوث حادث: شئے کا عدم سے وجود میں آنا۔

حدوث ذاتی: کسی شئے کا اپنے وجود میں دوسری شئے کی طرف محتاج ہونا۔

حدوث زمانی: کسی شئے کے وجود سے پہلے عدم کا ہونا۔

حدوث اضافی: کسی شئے کا زمانہ وجود دوسری شئے کے زمانہ وجود سے کم ہو۔

حدس: بغیر غور وفکر دفعتاً مبادیات منکشف ہو جائیں اور ذہن کسی نتیجے پر پہنچ جائے۔

حدسیات: دیکھو بدیہی بدیہیات

حدّ: لغت میں حد کے معنی منع کے ہیں اصطلاح میں ایسے قول کو حد کہا جاتا ہے جو مشترک اور باہم ممتاز اشیاء پر مشتمل ہو یا وہ ایسا قول ہے جو شئے کی ماہیت وحقیقت کی جانب راہ نمائی کرے اور ارباب سلوک وباطن کی اصطلاح میں حق تعالیٰ اور بندوں کے مابین

حدِّ فاصل کو حد کہا جاتا ہے یا خود ذاتیات سے مرکب ہو۔ طرف اور نہایت بھی حد سے مراد لیے جاتے ہیں جیسے خط کی حد اور اس کی انتہا نقطے اور سطح کی حد خط جسم تعلیمی کی حد مرتبہ پر بھی حد کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

حدِّ تام: جو جنس قریب اور فصل قریب سے مرکب ہو۔ مثلاً انسان کی تعریف حیوان ناطق سے کی جائے۔

حدِّ ناقص: جو صرف فصل قریب یا فصل قریب اور جنس بعید سے مرکب ہو۔

حدِّ مشترک: دو مقداروں کے درمیان وہ جز قائم جو ایک مقدار کی ابتدا ہو اور دوسرے کی انتہا اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں مقداروں کے مخالف ہو۔ یا جس کی نسبت اطراف کی طرف برابر ہو جس طرح نقطے کی نسبت جزئین کی طرف برابر ہوتی ہے۔

حدّالاعجاز: کلام درجہ بلاغت میں اس حد و نہایت تک پہنچ جائے کہ طاقت بشری اس جیسا بلیغ کلام پیش کرنے سے اور نظم کرنے سے قاصر و عاجز رہ جائے۔

حدِّ اوسط: جو صغریٰ اور کبریٰ میں مقرر ہو۔

حذف: حذف کے معنی ترک کر دینے اور دست بردار ہونے کے ہیں جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ شروع ہی میں ترک کر دیا گیا۔ اور دست برداری عمل میں آگئی اور ساقط کر دینے اور گرا دینے کے معنی بھی حذف میں شامل ہیں یعنی حرف یا لفظ لانے کے بعد ساقط کیا گیا اور گرایا گیا۔ جو لفظ یا حرف ساقط اور حذف کیا جائے وہ محذوف کہلاتا ہے۔ حذف اور مقدر میں فرق یہ ہے کہ حذف میں مطلقاً لفظ کا اسقاط ہوتا ہے اور مقدر میں لفظ عبارت سے ساقط ہوتا۔ نیت میں باقی رہتا ہے۔

حرکت: ہر موجود شئے کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ یا تو ہر حیثیت سے موجود ہو اُس کے وجود کے سلسلے میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہ گئی ہو اور اس کی ہر صفت اور ہر کمال قوت کی تاریکی سے نکل کر فعل کی روشنی میں آچکا ہو۔ ایسا وجود ایسی ہستی ایسی شئے صرف ایک ذات حق جلّ مجدہٗ ہے اور بس۔ یا فلاسفہ کی تخیل آفرینیوں کے مطابق عقول مجردہ۔

اس کے بعد جس قدر اور جتنی بھی اشیاء موجود ہیں وہ بعض حیثیات وصفات

اور کمالات کے لحاظ سے بالفعل ہیں اور بعض حیثیات سے بالقوہ یعنی ان کے صفات و کمالات قوت سے فعل کی طرف آتے رہتے ہیں۔ قوت کے دائرے سے یہ خروج اور فعل کی حدود کی جانب یہ آمد اگر دفعتاً ہو تو یہ کون و فساد اور انقلاب ہے اور اگر لادفعتاً آہستہ خرامی کے ساتھ بتدریج ہو تو یہ حرکت ہے۔

یونہی عام طور پر نقل مکانی کو حرکت کہا جاتا ہے چناں چہ فلاسفہ اس کو تدریجی تغیر سے تعبیر کرتے ہیں خواہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی جانب منتقل ہونے سے ہو یا ایک صفت کی بجائے دوسری صفت حاصل ہو جانے سے ہو۔ قدیم فلاسفہ نے حرکت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "قوۃ سے فعل کی طرف تدریجاً تدریجاً یا پیراً پیراً (آہستہ آہستہ) یالادفعتہً آنا" فلاسفہ متاخرین نے حرکت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ "حرکت کمال اول ہے اس چیز کا کہ جو بالقوہ ہے اس حیثیت سے کہ وہ بالقوہ ہے۔

حرکت ذاتی: جس کے ساتھ انتقال اور استبدال بالذات قائم ہو یعنی جس جسم کو متحرک کیا جائے اس کے ساتھ فی الحقیقت حرکت قائم ہو۔

حرکت عوض: جس کے ساتھ انتقال و استبدال بالذات قائم نہ ہو بلکہ کسی دوسرے میں قائم ہو لیکن کسی تعلق اور علاقے کی وجہ سے یہ انتقال و استبدال اس کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ یعنی ایک جسم کی حرکت بربنائے تعلق دوسرے جسم سے منسوب کر دی جائے

حرکت توسطیہ: متحرک کا مبدء اور منتہا کے مابین قطع مسافت کرتے رہنا اس طرح پر کہ وہ مسافت کی جس حد میں ہو اس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ متحرک اس حد میں نہ پہلے تھا نہ آئندہ رہے گا۔

حرکت ارادی: جس میں قوت محرکہ اندر سے لی گئی ہو اور اس میں قصد و ارادہ کو دخل ہو۔

حرکت طبعی: جس میں قوت محرکہ اندر سے لی گئی ہو اور اس میں قصد و ارادے کو دخل نہ ہو۔

حرکت دوریہ (مستدیرہ): متحرک کی حرکت سے جو خط سیر مستدیر (گول) پیدا ہو۔

حرکت مستدیرہ : حرکت دوریہ میں پیدا ہو۔
حرکت قطعیہ : متحرک کے منتہا تک پہنچ جانے کے بعد حدود مسافت سے قطع نظر جتنے عرصے (زمانے) میں متحرک مبدء سے منتہا تک پہنچا۔ اس کو حرکت قطعیہ کہا جائے گا۔
حرکت منتظمہ : جو حرکت ابتدار سے انتہا تک یکساں حالت اور ایک سی کیفیت کے ساتھ ہو۔
حرکت متغیرہ : جو حرکت اول سے آخر تک ایک جیسی حالت وکیفیت کے ساتھ نہ ہو۔
حرکت مستقیمہ : متحرک کی حرکت سے جو خط سیر مستقیم (سیدھا) پیدا ہو۔
حرکت غیر مستقیمہ : متحرک کی حرکت سے جو خط سیر کج (ٹیڑھا) پیدا ہو
حرکت سریعہ : جو آہستہ حرکت کی نسبت تیز ہو۔
حرکت بطیہ : جو تیز حرکت کی نسبت آہستہ ہو۔
حرکت علی التوالی : جو حرکت مغرب سے مشرق کی طرف ہو جیسے فلک اول سے فلک ثانی تک آٹھوں افلاک کی حرکات۔
حرکت علی غیر التوالی : جو حرکت مشرق سے مغرب کی طرف ہو جیسے فلک اعظم کی حرکت ۔
حرکت کمی : جو بالذات قابل قسمت ہو۔
حرکت کیفی (استحالہ) : جو بالذات نہ قسمت کو قبول کرے نہ نسبت کو۔ اس کو استحالہ بھی کہتے ہیں۔
حرکت اینی (فی الدین)، یا (نقلہ) : وہ حرکت جو جسم کے ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف تدریجاً منتقل ہونے سے پیدا ہو۔ اس حرکت کو نقلہ بھی کہا جاتا ہے۔
حرکت وضعی : وہ حرکت ہے کہ متحرک کا حیّز باقی رہے اور اس کے اجزار کی نسبت بدلتی رہے بالفاظ دیگر جس کا مکان کلی باقی رہے اور اس کے اجزار کی نسبت امور خارجیہ سے بدلتی رہے
حرکت فی الکم : (حرکت کمی)، ایک مقدار سے دوسری مقدار کی طرف حرکت کہ جو نمو اور ذبول (بڑھنے اور گھٹنے) میں ہوا کرتی ہے۔
حرکت فی الکیف (حرکت کیفی)، ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف حرکت جیسے ٹھنڈے پانی کو گرم یا گرم پانی کو ٹھنڈا کرنے میں ہوتی ہے اس کو استحالہ بھی کہا جاتا ہے۔ یا وہ کیفیت و حالت جو متحرک کو اس وقت تک حاصل رہتی ہے جب تک وہ مبدام اور منتہیٰ

کے وسط و مابین رہتا ہے۔

حرکت فی الدین : (حرکت اینی) ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف حرکت۔ اس حرکت کا نام نقلہ بھی ہے۔

حرکت نبض : بعض اطبار کے نزدیک نبض کی حرکت مکانی ہوتی ہے بعض کے نزدیک وضعی۔

حرکت مکانی : جس سے متحرک کا مکان بدل جائے۔

حرکت وضعی : متحرک کا مکان تو تبدیل نہ ہو لیکن اس کے اجزار کی وضع تبدیل ہو جائے جیسے چکی کی حرکت۔

حرکت ارادیہ : ان اعضار وعضلات کی حرکت جن کی مدد سے چلتے پھرتے ہیں اس کو حرکت اختیاریہ بھی کہا جاتا ہے۔

حرکت اختیاریہ : دیکھو حرکت ارادیہ۔

حرکت طبعیہ : جس حرکت میں مقصد ارادے کو کوئی دخل نہ ہو جیسے قلب، معدہ اور آنتوں کی حرکت۔

حرکت انبساطی : نبض کی وہ حرکت جو باہر کی طرف ہوتی ہے۔

حرکت انقباضی : نبض کی وہ حرکت جو اندر کی طرف خارجی سکون کے بعد ہوتی ہے۔

حرکت نفسانی : نفس کو لاحق ہونے والے احساسات مثلاً غضب۔ مسرت۔ لذت، الم، خوف، ندامت وغیرہ۔

حرکت نفسانی : غصہ، خوشی، لذت، غم والم اور شرمندگی وغیرہ، ان حرکات سے نفس متاثر ہوتا ہے۔ جسم براہ راست متاثر نہیں ہوتا اگرچہ حرکات بافراط اور معمول سے متجاوز ہو جائیں تو باعث ہلاکت ہو جایا کرتی ہیں۔ مثلاً شادی، مرگ یا شدت غم سے دل کا ڈوب جانا، اور حرکت قلب کا بند ہو جانا۔

حاسہ : وہ قوت جو جزئیات جسمانیہ اور حواس ظاہری و باطنی کا ادراک کرے۔

حرف عالیہ : تصوف کی اصطلاح میں حروف عالیہ سے وہ ذاتی شئون مراد لیے جاتے

ہیں جو غیب الغیب یعنی مخفی نہ خانوں کے خزانے میں پوشیدہ ہیں جیسے بیج میں درخت چھپا ہوتا ہے۔

حرف التنفیس : حرف "س" اور "سوف" ان کو حروف تنفیس اس لیے کہا جاتا ہے، کہ جس طرح تنفس، تاخیر کے معنی دیتا ہے۔ اسی طرح ان حروف کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے اور آئندہ آنے والے یا ہونے والی شئی کے لیئے تاخیر بہرحال لازمی ہے۔ خواہ اس تاخیر کا تعلق مستقبل قریب سے ہو یا بعید سے۔ قریب کے لیے عربی میں صیغہ مستقبل کے شروع میں س کا اضافہ کر دیا جاتا ہے اور بعید کے لیے سوف آغاز مستقبل میں لے آیا جاتا ہے۔

حروف العلت : واؤ - ی اور الف حروف علت اس لیے کہلاتے ہیں کہ یہ وابے کی شکل میں بیماروں کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں تعلیلات جاری ہوتی رہتی ہیں۔ یعنی واؤ یا سے اور یا الف سے رفع ثقل کی بنا پر بدل جاتا ہے۔ واؤ الف اور یا کے ثقیل ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ تمام دوسرے حروف سے ثقیل ہیں بلکہ ان کا ثقل الف کی بہ نسبت ہے اس کے ماسوا دوسرے حروف کے لحاظ سے تو یہ اس قدر خفیف ہیں کہ اپنے پر کسی ثقل و حرکت تک برداشت نہیں کر سکتے۔

حروف الزیادۃ : فقرہ "سألتمونیھا" میں جس قدر حروف ہیں یہ سب حروف زیادت کہلاتے ہیں اس باب میں عام طور پر اساتذہ ایک حکایت بیان کیا کرتے ہیں کہ فن نحو کے امام سیبویہ سے اس کے شاگرد اخفش نامی نے سوال کیا کہ حروف زیادہ کون کون سے ہیں سیبویہ نے جواب دیا کہ "سألتمونیھا" شاگرد سمجھا نہیں اس لیے مکرر یہی سوال کیا اس پر سیبویہ نے جواباً کہا کہ "الیوم تنساھا" پھر شاگرد کچھ نہیں سمجھا اور پھر سوال دہرایا۔ اس پر سیبویہ نے "ھویت السمان" کہا۔ سیبویہ کے یہ تینوں جوابی جملے اخفش کے سوالات کا جواب تھے، اور ان میں لوٹ پھیر کر وہی حروف آجاتے ہیں جو حروف زیادہ کہلاتے ہیں۔

حروف اصلی : جو حروف (ف ع ل) کے وزن پر ہوں۔

حرارت : ایک کیفیت ہے جس کی وجہ سے مختلف چیزیں متفرق ہو جاتی ہیں اور ہم شکل اشیاء یکجا ہو رہتی ہیں۔ طب کی اصطلاح میں حرارت ایک مرض ہے جو تعفن اخلاط سے پیدا ہوتا ہے۔

حرارت غریزی : بدن کی اصلی حرارت کہلاتی ہے۔ اس حرارت اور رطوبت غریزی کا باہم گہرا تعلق ہے۔ رطوبت غریزی کو اس حرارت کے لیے محل اور مادہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ حرارت اس رطوبت پر طاری و ساری رہتی ہے۔ اس کو مثال میں یوں سمجھنا چاہیے کہ چراغ میں جو تیل ہوتا ہے وہ رطوبت غریزی ہے اور اس کا شعلہ حرارت غریزی جس طرح تیل کے ختم ہونے سے شعلہ بجھ جاتا ہے اسی طرح رطوبت غریزی کے ختم ہونے پر حرارت غریزی بھی فنا ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح شعلہ خود اپنے مادۂ حیات یعنی تیل کو فنا کر کے بجھ جاتا ہے۔ اسی طرح حرارت غریزی بھی رطوبت غریزی کو تحلیل کرتی ہوئی فنا ہو جاتی ہے۔ اس فعل و انفعال کسر و انکسار کا لازمی نتیجہ ہر جاندار کو موت اور فنا کے گھاٹ اتار دیا کرتا ہے جس سے مفر کی کوئی صورت نہیں۔ گویا ہر جاندار کی تعمیر میں سامان تخریب مضمر ہے۔ اور دہقان کا خون گرم ہی خرمن کے لیے برق بن جایا کرتا ہے۔

بالفاظ دیگر حرارت غریزی۔ آتشی عنصری حرارت ہے جو اجزاء بدن کے کسر و انکسار کے بعد اس میں جو مزاج قائم ہوتا ہے اس سے حاصل ہوتی ہے اور مدت حیات تک بدن میں رہتی ہے۔ جس سے بدن کا قوام ہوتا رہتا ہے اور بصورت اعتدال وہ بدن کی اصلاح کرتی رہتی ہے۔

حریّت : صوفیائے کرام کی اصطلاح میں کائنات کی بندشوں سے نکل جانے اور تمام اغیار سے اور ہمہ قسم کے تعلقات سے منقطع ہو جانے کا نام ہے۔ اس میں چند درجات ہیں، عوام الناس کی حریّت یہ ہے کہ خواہشات ترک ہو جائیں۔ خواص کی حریّت یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کے ترک کے علاوہ ان کی مرادیں اور ان کے سارے مقاصد حق تعالیٰ کے ارادے کے تابع ہو رہیں اور رسم و رواج سے گذر کر نور الانوار کی تجلّی میں غرق و

محو ہو رہیں اس کا آخری درجہ حریت اخص الخواص ہے۔

حریّت العوام : دیکھو حریت ۔

حریّت الخواص : دیکھو حریت ۔

حریّتِ اخص الخواص : دیکھو حریت :

حرم : مکّہ اور حوالی مکّہ حدود حرم مشرق کی جانب چھ میل تک مغرب کی جانب اٹھارہ میل تک جنوب کی جانب چوبیس میل تک شمال کی جانب بارہ میل یا تین میل قرین صحت تین میل ہے۔

حرف : لغت میں طرف اور کنارے کے معنی میں آتا ہے۔ اصطلاح علم نحو میں حرف وہ کلمہ کہلاتا ہے جو ایسے معنی کی جانب رہنمائی کرتا ہے جو اپنی معنویت یعنی سمجھے جانے میں کسی دوسری چیز کے ملنے کا محتاج ہو اس معنی میں حرف اسم اور فعل کا قسیم اور مقابل ہے

حروف : صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اعیان کے حقائق بسط کو حروف کہا جاتا ہے۔

حروف عالیہ : حق جل مجدہ کی ذاتی شانیں حروف عالیہ کہلاتی ہیں جو حجابات غیب کی طرح چھپی ہوئی ہیں۔ جس طرح تخم (بیج) میں درخت پوشیدہ ہوتا ہے۔

حرام : ممنوع و ناروا اہلِ یقین حق کا خیال ہے کہ حرام خور اور مشتبہ کمائی کھانے والے پر حق تعالیٰ کی رحمت و نعمت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

حُزن : وہ غم و اندوہ جو زمانہ ماضی میں کسی امر مکروہ کے پیش آجانے یا امر مطلوب و محبوب کے تلف ہو جانے کی بنا پر لاحق ہو۔

حزم : اس رائے پر عمل پیرا ہونا جس پر اتفاق آرا ہو یا اس کی پشت پر کثرت رائے ہو اس کو حزم کہا جاتا ہے۔

حساب : لغت میں حساب کے معنی شمار کرنے کے ہیں۔ علم حساب وہ علم کہلاتا ہے جس کے ذریعے دو یا دو سے زیادہ مجہول اعداد کو مخصوص طریقے سے معلوم کیا جائے۔

حسیات : دیکھو بدیہی بدیہات۔

حُسن : بضمّ الاول و سکون الثانی - اس کا مقابل قبح بھی بضم الاول و سکون الثانی ہے جو

چیز یا صورت طبیعت کے مناسب ہو اور نگاہ میں کھپ جائے اور سما جائے وہ حسن (اچھی چیز یا اچھی صورت) ہے۔ ع

جو نگاہوں میں سما جائے وہ صورت اچھی

اور جو شئی طبیعت کے خلاف اور منافر ہو وہ قبیح ہے۔ یا جو شئی صفت کمال یا نقص ہے وہ حسن و قبیح ہے۔ یا جس چیز کا تعلق دنیا میں مدح و ذم اور عقبیٰ میں ثواب و عتاب (عذاب) سے ہو۔ ان تعریفات کے لحاظ سے حسن و قبیح باہم متقابل ہیں جن کے مابین تقابل تضاد ہے۔

حسن و قبح لذاتہ بھی ہوتا ہے اور لغیرہٖ بھی جس کے معنی ظاہر ہیں۔ حسن و قبح عقلی ہوتا ہے اور شرعی بھی۔ عقلی جس کو تخیل حسن یا قبح سمجھے شرعی جس کو شرع حسن و قبح قرار دے۔

حسن لذاتہٖ : دیکھو حسن۔

حِسن لغیرہٖ : دیکھو حسن۔

حسن عقلی : دیکھو حسن۔

حسن شرعی : دیکھو حسن۔

حسن : (شاعر کے تخیل میں) کائنات و موجودات کے ہر پیکر میں جلوۂ ازلی کی جھلک، فانی پنکھڑی میں سرمدی نقاشی، روحوں کو تڑپا دینے والا نغمہ، پہاڑوں کو پانی کر دینے والی حرارت، فولاد کو پگھلا دینے والی تپش، سکون کو اضطراب سے بدل دینے والا منظر، چلتی ہوئی تلوار، تڑپتی ہوئی بجلی، لپکتا ہوا شعلہ، دیارِ عشق کا فرمانروا۔

حُسن مشترک : ایسی قوت کا محل ہے جس میں حواس خمسہ ظاہری کے ذریعے جزئیات کی جو صورتیں محسوس کی جاتی ہیں وہ چھپتی رہتی ہیں۔ گویا کہ یہ حواس خمسہ ظاہری حسن مشترک کے جاسوس ہیں کہ اپنے اپنے ذرائع سے مہیا کی ہوئی صورتیں اس حس میں جمع کرتے رہتے ہیں اور حس مشترک کے چشمے میں یہ پانچ نہریں پہنچتی رہتی ہیں۔

حَسَن : (بفتح الاول والثانی) وہ کہلاتا ہے جو فوری طور پر قابل مدح اور انجام کار لائق ثواب ہو اگر حسن کے ساتھ کسی کی ذات متصف ہو تو حسن لذاتہٖ اور حسن فی نفسہٖ کہلائے گا اگر

غیر کی وجہ سے حسن ہو تو وہ حسن لغیرہ ہوگا۔ یا جس کو عقل اور شرع اچھا اور مستحسن سمجھے۔

حسن لذاتہ : دیکھو حسن۔

حسن فی نفسہ : دیکھو حسن۔

حسن لغیرہ : دیکھو حسن۔

حشر و نشر : حشر معاد اور بعث کے ایک ہی معنی ہیں یعنی موت کے بعد دوبارہ اجزا جسم کا مجتمع ہو جانا اور سابقہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہو جانا۔ مسلمان مخبر صادق علیہ التحیۃ والسلام کے ارشاد کی بنا پر حشر کو حق سمجھتے ہیں فلاسفہ اس بنا پر اس کے منکر ہیں کہ ان کے نزدیک اعادہ معدوم محال ہے۔ فلاسفہ کے اس خیال کی تردید بعثت کے ضمن میں کردی گئی ہے۔ حشر و نشر بعینہ بعثت ہے۔

حشو : معانی و بیان کی اصطلاح میں حشو اس زیادتی کو کہا جاتا ہے کہ جو متعین مفہوم و معنی پر بلا ضرورت اور بغیر کسی مقصد کے اضافہ کر دی جائے۔

حصول : حصول مصدر ہے۔ ذہن میں کسی شئے کے حاصل ہونے کو حصول کہا جاتا ہے۔ یہ حصول دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اس پر حاصل شدہ شئے کے آثار بھی مرتب ہو جائیں دوسرے یہ کہ شئے ذہن میں آجائے لیکن اس پر آثار مرتب نہ ہوں۔ پہلی صورت میں حصول اتصالی اور اصلی دوسری صورت میں حصول ظرفی اور ظلی کہا جاتا ہے۔

حصول اتصالی : دیکھو حصول۔

حصول اصلی : دیکھو حصول۔

حصول ظرفی : دیکھو حصول۔

حصول ظلی : دیکھو حصول۔

حصول الاشیاء (بانفسہا) : خود اشیا کا ذہن میں آنا

حصول الاشیاء باشباہہا : اشیاء سے مشابہ چیزوں کا ذہن میں آنا۔

حصر : کسی شئے معین کو عدد میں محصور کر دینا اس حصر کا دار و مدار امر نفی و اثبات پر ہو۔ یعنی نفی و اثبات کے درمیان دائر ہو تو حصر عقلی ہے ورنہ حصر استقرائی۔

حصر عقلی : دیکھو حصر۔

حصر استقرائی : دیکھو حصر۔

حضرت الجمع : دیکھو حقیقت الحقائق ۔

حضرت الوجود : حقیقت الحقائق پڑھو۔

حظر : لغت میں حظر کے معنی منع کے ہیں شریعت کی اصطلاح میں حظر اس کو کہا جاتا ہے جس کا ترک موجب ثواب اور جس کا ارتکاب سبب عذاب ہو۔

حفظ : جو صورتیں ذہن و ادراک میں آئیں اور وہ محفوظ ہو جائیں اس کو حفظ کہا جاتا ہے حفظ ایک قوت ہوتی ہے جو حافظہ کہلاتی ہے ۔

حفظ بالتقدم : دیکھو تقدم بالحفظ ۔

حقیقت : اس کے محل استعمال مختلف ہیں۔ ہر محل میں یہ لفظ ایک خاص معنی کا حامل ہے اگر اس کو ان اعتبارات کے مقابلے میں استعمال کیا جائے جو ذات کو لاحق ہوا کرتے ہیں تو اس سے مراد ذات ہوتی ہے۔ اور وہم و فرض کے مقابلے میں استعمال ہو تو نفس الامر مراد ہوتا ہے کبھی مفہوم اور حکم اور مجاز کے بالمقابل لایا جاتا ہے تو حقیقت ہی کے معنی دیتا ہے۔ اس بنا پر حقیقت وہ کلمہ ہوا جو اسی معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس کے لیے وضع کیا گیا ہو اور جس اصطلاح میں بھی اس سے تخاطب کیا گیا ہو۔ ثابت کے معنی بھی دیتا ہے جب کہ لازم کے حق میں لیا گیا ہو۔ فلاسفہ کے نزدیک حقیقت اس ثابت سے عبارت ہے جو وجود اصلی کے ساتھ خارج میں موجود ہے وہ کہا کرتے ہیں کہ حقیقت وہ امر ثابت ہے جو موجود تک پہنچ جانے والی ہے اسی وجہ سے اس کو اصطلاح میں محقق شئے کی کنہ کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا۔ بہر حال شئے کی حقیقت وہ ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے شئے، شئے ہو جائے اور جس کا بغیر حقیقت کے تصور ہی نہ کیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ شئے جس کی وجہ سے شئے کا روپ دھارتی ہے وہ اپنے تحقق کے اعتبار سے حقیقت ہوتی ہے اور اپنے تشخص کے اعتبار سے ہویۃ ہوتی ہے اور اس سے قطع نظر کر لی جائے تو ماہیت ہوتی ہے۔ بہر حال حقیقت وہ شئے ہوا کرتی ہے جو قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہو ۔

حقیقت الشئ : وہ کہلاتی ہے جس کی وجہ سے شئ شئ کا روپ دھار لے وہ اپنے تحقق کے اعتبار سے حقیقت کہی جاتی ہے۔ تشخص کا اعتبار کیا جائے تو ہویت کہا جاتا ہے اور تحقق و تشخص سے قطع نظر ہو تو ماہیت ہے۔

حقائق الاسماء : ذات کے تعینات اور اس کی نسبتیں ہوا کرتی ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ صفات ہوا کرتی ہیں کہ جس کی وجہ سے انسان ایک صفت کو دوسری صفت سے ممتاز کر لیتا ہے۔

حقیقت الحقائق : عماء، مرتبہ احدیت۔ تمام حقائق کا جامع۔ جمع الجمع۔ حضرت الجمع۔ حضرت الوجود۔ دیکھو احدیت۔

حقیقت و ماہیت : حقیقت وہ امر کلی ہے جس کے دو یا دو سے زیادہ چیزوں پر صادق آنے کو عقل جائز رکھے اور اس کے اجزاء تفصیلاً ملحوظ ہوں اگر اجزاء تفصیلاً ملحوظ نہ ہوں تو ماہیت ہے افراد انسانی سب حیوان ناطق ہیں یہی افراد انسانی کی حقیقت ہے ان کا مجموعہ انسان ہے وہی ماہیت ہے۔

حق : لغت میں ایسی طے شدہ مسلّم اور ثابت شئ کو حق کہا جاتا ہے جس کے لیے انکار کی قطعاً گنجائش نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے بھی ایک نام ہے لفظ حق۔ صدق و صواب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا رہتا ہے۔ قول حق اور قول صواب عام طور پر کہا ہی جاتا ہے علم معانی و بیان کی اصطلاح میں واقع کی مطابقت کے معنی میں لیا جاتا ہے چونکہ اقوال وعقائد و ادیان و مذاہب سے اس کا تعلق ہے لہذا ان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے بالمقابل باطل ہوتا ہے۔ جب صدق خصوصیات کے ساتھ اقوال کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے مقابلے میں کذب لایا جاتا ہے۔ حق اور صواب کے مابین کبھی اس طرح فرق کیا جاتا ہے کہ حق میں واقع اور نفس الامر کی جانب مطابقت دیکھی جاتی ہے اور صدق میں حکم کی جانب مطابقت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر حکم میں صدق کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ حکم واقع کے مطابق ہے۔ اور اس کے حق ہونے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ واقع اور نفس الامر اس کے مطابق ہے۔

حق الیقین: بندے کا حق میں فنا ہو کر بقائے دوام حاصل کر لینا۔ یا شہود سے جو قطعی اور یقینی علم حاصل ہو۔

آگ کا علم علم الیقین ہے۔ آگ کا معائنہ عین الیقین ہے۔ آگ میں جل جانا حق الیقین کا درجہ ہے۔ یا شریعت ظاہری علم الیقین ہے اوامر و منہیات شرعی میں اخلاص پیدا ہو جانا عین الیقین اور طاعت و بجا آوریِ احکام کے نتائج کا مشاہدہ حق الیقین ہے۔

حروف اصلی: جو فعل یعنے ف۔ع۔ل کے وزن پر ہوں۔

حروف علّت: و۔ا۔ی مجموعہ "وای" ہوا۔

حقنہ: اس پچکاری اور اس دوا کو کہتے ہیں جو مخرج براز میں ضرورتاً استعمال کی جاتی ہے۔

حکمت (حکمت مطلقہ): ایسا علم جس کے ذریعے درمیانی صلاحیت کے انسان پر اس کی بشری طاقت کے بقدر موجودات خارجی و ذہنی کے واقعی حالات کا اتنی تعداد میں اس حد تک انکشاف ہو جائے کہ ان کی غایت مرتب اور محسوس ہو سکے، یا وہ علم جس کے ساتھ عمل ہو یا وہ علم جس کے ذریعے انسانی طاقت کے بقدر وہ حق واضح ہو جائے جو واقعہ میں اور نفس الامر میں حق ہے یا وہ کلام جو حق کے موافق و مطابق ہو یا ایسا معقول کلام جو حشو و زوائد سے خالی ہو یا متاع گم گشتہ یا جس کی وجہ سے حرام و حلال میں تمیز ہو سکے حکمت ایجاد اور علم کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ابن عباس قرآنی حکمت سے حرام و حلال کی تعلیم مراد لیا کرتے تھے۔ حکمت نظری اور حکمت عملی اسی حکمت مطلقہ کی قسمیں ہیں۔

حکمت نظری: ایسے موجودات کے علم کا نام ہے جن کا وجود ہماری قدرت و اختیار میں نہ ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ حکمت الٰہیہ اس کو علم اعلیٰ، علم کلی، علم الٰہی، علم ماقبل الطبیعۃ، علم مابعد الطبیعت اور فلسفہ اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ حکمت طبعیہ

۳۔ حکمت ریاضیہ۔

حکمت عملی: ایسے موجودات کے علم کا نام ہے جن کا وجود ہماری قدرت و اختیار میں ہو۔
اس کی قسمیں تین ہیں:-
۱۔ تہذیب الاخلاق۔
۲۔ تدبیر المنزل۔
۳۔ سیاست المدنیہ
حکمت الٰہیہ: ایسے امور سے بحث کرتی ہے جو وجود خارجی اور ذہنی دونوں میں مادّے کی محتاج نہ ہو۔
حکمت طبعیہ: ایسے امور سے بحث ہوتی ہے جو وجود خارجی اور ذہنی دونوں میں مادّے کی محتاج ہوں۔
حکمت ریاضیہ: اس میں ایسے امور زیر بحث آتے ہیں جو وجود خارجی میں مادّے کے محتاج ہوں اور وجود ذہنی میں مادّے کے محتاج نہ ہوں۔
حکمت المنطوق: علم شریعت و طریقت
حکمت المسکوت: حقیقت کے وہ اسرار کہلاتے ہیں جن پر عوام تو عوام علمائے ظاہر بھی مطلع نہیں ہو سکتے اگر وہ ان اسرار حقیقت کے درپے ہو جائیں تو ان کے دین میں نقص پیدا ہو جائے گا۔
حکم: تصدیق، قضیہ، نسبت حکمیہ، محکوم بہ، ایک امر کی دوسرے امر کی جانب نسبت، اسناد شئے کا وہ اثر جو وجود شئے کے بعد اس پر مرتب ہو۔
حکم اجمالی: صور کثیرہ کی جانب لحاظ کے بغیر دفعتاً کسی تصدیق کا اجمالی حصول۔
حکم تفصیلی: صور کثیرہ کے لحاظ کے بعد کسی تصدیق کا حصول۔
حکم شرعی: اللہ تعالیٰ کا وہ حکم کہلاتا ہے جو افعال مکلفین کے ساتھ متعلق ہو۔
حکماء: اسلامیین کے نزدیک وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کا قول و فعل سنت رسول کے موافق ہو۔
حکماء اشراقیہ: ان کا سربراہ افلاطون ہے۔
حکماء مشائیہ: ان کا سرگروہ ارسطو ہے۔

حقیقت محمدیہ: خالق اکبر کا خلیفۂ اکبر، انسان کامل، مظہر ذات الٰہ، جوہر نورانی، بلحاظ جوہریت نفس واحدہ، بلحاظ نورانیت عقل اول، روح اعظم، ذات کا پہلا تعین، خلاق عالم کی اولین تخلیق، موجد و مبدع کی سب سے پہلی ایجاد، خزینۂ قدرت کا انمول ہیرا، بحر ذخار کا درِ شاہوار، صناع عالم کی صنعت کا بہترین شاہکار، کان نبیاً و آدم بین الماء والطین اور اول ما خلق اللہ نوری کا مصداق، اول الوصل خاتم الانبیاء، سرور کائنات و موجودات، سبب تخلیق عالم، لیلائے قدم کے ساتھ سلمائے حدوث کی معیت گویا ؎

تقدیر بہ یک ناقہ نشانید دو محمل
سلمائے حدوث تو و لیلائے قدم را

حکنہ: سادہ کھجلی جس میں دانے نہ اٹھیں۔

حلول: حلول سریانی، حلول طریانی، (حلول جواری): موصوف کے ساتھ حقیقت کا ساختصاص یا ایک شئے کا دوسری شئے میں اس طرح سما جانا کہ ایک طرف اشارہ کیا جائے تو دوسری شئے کی طرف بھی اشارہ سمجھا جائے، یہ حلول سریانی ہے۔ جیسے گلاب کا عرق پانی میں مل جائے۔ حلول طریانی میں ایک شئے دوسری شئے کے لیے ظرف بن جاتی ہے۔ جیسے گلاس میں پانی یہ حلول جواری بھی کہلاتا ہے۔

حلول سریانی: دو جسموں کا ایک دوسرے میں اس طرح مل جل کر جذب و تحلیل ہو جانا کہ من و تو کی تفریق باقی نہ رہے ایک کی جانب اشارہ بعینہٖ دوسرے کی جانب اشارہ ہو جیسے گلاب یا شکر یا نمک کا پانی میں گھل مل جانا۔

حلول طریانی: دو جسموں میں سے ایک کا دوسرے کے لیے ظرف بن جانا جیسے گلاس میں پانی

حلول حقیقی: دیکھو ظرفیت

حلول مجازی: دیکھو ظرفیت

حلول جواری: دیکھو حلول

حلم: وہ قوت و طمانیت ہے جو شدت غضب کو ضبط کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

حلال : ہر وہ چیز ہوتی ہے جس کا استعمال عذاب الٰہی کا موجب نہ ہو۔

حمل لغوی حمل اشتقاقی (حمل مواطاطی) : ایک شے کے لیے دوسری شے کا حکم یا اس حکم کا منشاء۔ اگر یہ ثبوت الفاظ (ذو) یا (لہ) یا (فی)، کے ذریعہ ہو تو حمل اشتقاقی ہے اور اگر ثبوت بلاواسطہ ہو تو حمل مواطاطی ہے۔

حمل اشتقاقی : حمل لغوی میں پڑھو۔

حمل مواطاطی : حمل لغوی میں پڑھو۔

حُمّیٰ محترقہ : تیز صفراوی بخار۔

حُمّیٰ نائبہ : باری کا بخار۔

حمد : بربنا عظمت، تعریف و ثنا کرنا۔

حواس : انسان میں جس قدر بھی حواس ہیں وہ بذات خود مدرک نہیں ہیں بلکہ آلۂ ادراک ہیں، مدرک درحقیقت صرف عقل ہے۔

حواس ظاہری : شامہ۔ باصرہ۔ سامعہ۔ لامسہ۔ ذائقہ۔

حواس خمسہ باطنی : حس مشترک۔ خیال، واہمہ، حافظہ، متخیلہ (متصرفہ)

(نوٹ)، یہ واضح رہے کہ حواس انسانی صرف آلہ ادراک ہیں مدرک حقیقی درحقیقت صرف عقل ہے۔

حیات : عناصر جسم یعنی اخلاط کے مابین ترتیب کا ظہور اور اس سے پیدا ہونے والی حرارت غریزی و رطوبت کا امتزاج اور ایک دوسرے پر باہم اثر اندازی اور ایک دوسرے پر عمل۔ ایسی صفت وجودی کو حیات کہا جاتا ہے کہ جو شے بھی اس صفت حیات سے متصف ہو وہ معلومات اور مقدورات کی حامل ہونی چاہیے۔ حیات عقلی کمالات کے صرف ادراک کا مبدا و سرچشمہ ہوتی ہے۔ اور یہ صرف حیوان کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ حیات حسی حرکت ارادی اور احساس دونوں کا مبدا ہوتی ہے۔ اور یہ صرف حیوان ہی میں پائی جاتی ہے۔

حیات عقلی : دیکھو حیات۔

حیاتِ حسّی : دیکھو حیات ۔

حیوٰۃ الدنیا : جس کی وجہ سے انسان آخرت سے غافل ہوجائے ۔ یا متاع قلیل (ما الحیات الدنیا الا قلیل) یا لہو ولعب (انما الدنیا لہو ولعبٌ)

حیا : ۔ کسی شئے سے نفس کا انقباض اس شئے کا اس خیال سے ترک کردینا کہ اس کا اقدام موجب ملامت ہوگا ۔ حیا نفسانی بھی ہوتی ہے اور ایمانی بھی ۔ حیاء نفسانی خلقی اور پیدائشی ہوتی ہے جو حق تعالیٰ تمام نفوس میں پیدا کردیتا ہے ۔ حیاء ایمانی وہ ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے مومن گناہوں سے باز رہتا ہے ۔

حیاء ایمانی : دیکھو حیاء

حیاء نفسانی : دیکھو حیاء

حیوان : جوہر یعنی قائم بذاتہ ۔ بڑھنے والا احساس کرنے والا ، اور ارادے کے ساتھ حرکت کرنے والا جسم حیوان کہلاتا ہے ۔

حیثیت : اگر حیثیت محیث کے عین ہو تو اس کے معنی اطلاق کے ہوں گے حتیٰ کہ اطلاق کی قید سے بھی احتراز ہوگا ۔ اگر محیث غیر ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اس غیر کے لحاظ سے اور غیر سے قطع نظر کے بعد بھی محکوم علیہ ہے ۔

حیثیت تعلیلی : جو محمول کے ثبوت کی علت ہو ۔

حیثیت تعلیلی واقعی : جو ثبوت محمول کی واقعی علت ہو ۔

حیثیت تعلیلی ذہنی : جو ثبوت ذہنی کی علت ہو ۔

حیثیت تقییدی : جو محکوم علیہ (موضوع) کا جزء ہو اور محیث وحیثیت دونوں سے محمول کا اثبات کیا جائے

حیثیت تقییدی قسم اول : جس میں قید واقعہ نہیں یعنی معنون میں ہو ۔

حیثیت تقییدی قسم دوم : قید بجائے معنون کے عنوان یعنے نظر باحث میں ہو ۔

حیز : وہ متوہم کشادگی (فضاء) جس میں کوئی شئے سما جائے خواہ ممتد ہو جیسے جسم یا غیر ممتد ہو جیسے جوہر فرد ۔

وہ شئے جس کی وجہ سے جسم اشارہ حسیہ میں دوسرے سے ممتاز ہوجائے ۔

سطح باطن ہادی کا جو محوی کی سطح ظاہر سے مماس ہو۔

حیز طبعی: جس میں موجود جسم سکون سے قیام پذیر ہو اور طبعاً اس کے حصول کے لیے مضطر رہتا ہو اگر قاسر زبردستی سے نکال باہر کر دے تو اس تک پہنچنے کے لیے جدوجہد کرتا رہے۔ یہ ایک قسم کا مکان ہی ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ مکان تبدیل ہوتا رہتا ہے اور حیز بلا قاسر کے بدلتا نہیں۔ حیز مکان سے عام ہے ہر مکین کا مکان ہی اس کا حیز ہوتا ہے لیکن جس جسم کے لیے مکان نہ ہو اس کے لیے حیز ضرور ہوگا جیسے فلک الافلاک کہ اس کا مکان نہیں لیکن اس کی ممتاز وضع ہی اس کا حیز ہے۔

خ

خارق عادات: اس کو خرق عادت بھی کہا جاتا ہے اس کی جمع خوارق ہے جمع بولنا ہوتا ہے تو خوارق عادات کہہ دیتے ہیں خوارق عادات وہ امور ہوتے ہیں جو عادات و معمولات کے خلاف ظہور میں آجاتے ہیں جن کو دیکھ کر عام طور پر لوگ متعجب و مرعوب ہو جایا کرتے ہیں اور جس فرد سے یہ خوارق ظہور میں آتے ہیں اس کو عام طور پر غیر معمولی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

خوارق عادات کے ضمن میں شق القمر (چاند کا دو ٹکڑے ہونا) مردے کا زندہ کردینا، لمبی مسافت کا پلک جھپکنے میں طے کرلینا، ہر قسم کے کھانے پینے اور استعمال کی اشیاء کا دور دراز مقامات سے مہیا اور حاضر کرلینا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، گونگوں بلکہ کنکر پتھر کا بولنا وغیرہ وغیرہ عجائبات و خارق العادات امور کا ظہور میں آجانا ہے۔ اس قسم کے خوارق کی تعداد سات قرار دی گئی ہے۔

۱۔ ارہاص ۲۔ معجزہ ۳۔ معونت ۴۔ اہانت ۵۔ استدراج ۶۔ سحر ۷۔ کرامت

اگر کسی نبی برحق سے دعویٰ نبوت کے بعد خرق عادت صادر ہو تو معجزہ ہے۔ اگر قبل ادعاء نبوت کوئی خارق عادت امر ظاہر ہو تو "ارہاص" ہے اگر کسی شریر النفس خبیث و کذاب سے کبھی ایسا امر کسی اندرونی تدبیر و تصرف سے ظہور میں آجائے تو وہ اہانت

ہے اگر کسی متبع نبوت ولی اللہ سے کسی امر کا ظہور ہو جائے تو کرامت ہے اور اگر عامہ مسلمین میں سے کسی صالح اور نیک سرشت فرد سے کوئی ایسا امر ظہور پذیر ہو جائے تو وہ معونت ہے اور اگر کسی ایسے عابد و زاہد و راہب سے جو اپنے نبی کے زمانے کا متبع نہیں ہے ایسا امر صادر ہو تو وہ استدراج ہے۔

خاصۃ الشیٔ: وہ کہلاتا ہے جو خود بغیر دوسری شیٔ کے نہ پایا جا سکے اور شیٔ بغیر اس کے پائی جا سکے جیسے الف لام بغیر اسم کے نہیں پایا جا سکتا لیکن اسم اپنے پائے جانے میں الف لام کا محتاج نہیں۔

خاصہ: ایسی کلی ہے جو افراد کی حقیقت سے تو خارج ہو لیکن ایک حقیقت کے تحت جو افراد ہوں ان پر محمول ہو سکے اور صادق آ سکے خصوص سے لیا گیا ہے کسی شے کا خاصہ وہ کہلاتا ہے جو صرف اسی میں پایا جاتا ہے۔

خاصۃ الشیٔ: وہ کہلاتا ہے جو خود بغیر کسی دوسری شئے کے نہ پایا جا سکے اور شئے بغیر اس کے پائی جا سکے۔ جیسے الف لام کے بغیر اسم کے نہیں پایا جا سکتا لیکن اسم اپنے پائے جانے میں الف لام کا محتاج نہیں ہے۔

خاص: اس سے تفرد مراد ہوتا ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا۔

خارج: مشہور اصطلاح ہے اعیان کا ہم معنی ہے نفس الامر کے معنی بھی دیتا ہے۔

خاطر: وہ خطاب ہے جو قلب پر وارد ہوتا ہے اس کی ایک قسم ربانی کہلاتی ہے جو کبھی خطا نہیں کرتی دوسری ملکی ہوتی ہے یہ ایک الہامی کیفیت ہوتی ہے ایک نفسانی ہوتی ہے کہ جس میں حظ نفس شامل ہوتا ہے ایک شیطانی ہوتی ہے جو حق کے مخالف انسان کو برانگیختہ کرتی رہتی ہے۔

خاطر ربانی: دیکھو خاطر

خاطر ملکی: دیکھو خاطر

خاطر الہامی: دیکھو خاطر

خاطر نفسانی: دیکھو خاطر

خاطر شیطانی: دیکھو خاطر
خبر: ایسا کلام جس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہو خبر لفظاً یا تقدیراً اپنے ماسبق کی طرف مسند ہوتی ہے کبھی خبر سے مراد مبتداء کی خبر ہوتی ہے اور کبھی اس سے قضیہ بھی مراد ہوتا ہے تفصیل مرکب تام میں پڑھو۔
خبر واحد (خبر آحاد): وہ حدیث جس کے راوی ایک یا دو ہوں اور جو شہرت و تواتر تک نہ پہنچی ہو۔ اس حدیث کا منکر کافر نہیں ہو جاتا۔
خبر آحاد: خبر واحد میں پڑھو۔
خبر متواتر: وہ حدیث جس کو ایک جماعت نے رسول اللہؐ سے سن کر دوسری جماعت سے مسلسل نقل کیا ہو اس حدیث کا منکر بالاتفاق کافر ہے۔
خبر مشہور: وہ حدیث جس کو ایک شخص نے رسول اللہؐ سے سنا ہو اور اس کو جماعت در جماعت روایت کیا جاتا رہا ہو اس حدیث کا منکر مختلف فیہ ہے۔
خبط: عقل اور جنون کی آمیزش
خرق: پھٹنا، ٹوٹ پھوٹ، شکست و ریخت، جو عناصر میں ہوتا رہتا ہے افلاک اس سے محفوظ ہیں۔
خرق عادت: معجزہ، خلاف عادت ایسے امر کا ظہور جو عام طبائع کو اچنبھے میں ڈال دے اس کی تفصیل معجزہ میں دیکھو اور خارق عادات پڑھو۔
خسوف: لفظ خسوف مفرد بھی ہے اور جمع بھی۔ چاند کے تاریک ہو جانے کو خسوف سے تعبیر کیا جاتا ہے علم ہیئت میں کہا گیا ہے کہ جب زمین چاند اور سورج کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ تو چاند تاریک ہو جاتا ہے اس لیے کہ چاند روشنی سورج ہی سے حاصل کرتا ہے وہ خود تاریک ہے اگر زمین پورے چاند کے درمیان حائل ہو جائے تو خسوف کامل ہوتا ہے ورنہ جس قدر حصے کے درمیان حائل ہو اسی قدر حصہ تاریک رہ جاتا ہے اور یہ خسوف ناقص ہوتا ہے۔
خسوف ناقص: دیکھو خسوف

خسوف کامل: دیکھو خسوف

خشیت: آئندہ کسی ناخوشگوار واقعے کے پیش آجانے کے خطرے کی بناء پر جو الم قلب میں پیدا ہوتا ہے اس کو خشیت سے تعبیر کیا جاتا ہے قلب میں یہ کیفیت کبھی تو اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ انسان کثرت سے گناہوں میں مبتلا رہتا ہے یہ خشیت العوام ہوتی اور کبھی حق جل جلالہٗ کی عظمت وہیبت کا تصور کر کے خوف وخطر اور خشیت میں مبتلا ہو جاتا ہے انبیائے کرام اور خواص کی خشیت بالعموم اس دوسری قسم میں داخل ہے

خشیت العوام: دیکھو خشیت

خشیت الانبیاء: دیکھو خشیت

خشیت الخواص: دیکھو خشیت

خصلت: اس کی جمع خصائل ہے۔ خُو اور عادت کو خصلت کہا جاتا ہے یہ اچھی اور بُری دونوں طرح کی ہوا کرتی ہے یعنی خصلت حسنہ اور خصلت قبیحہ

خصلت حسنہ: دیکھو خصلت

خصلت قبیحہ: دیکھو خصلت

خصوص: ہر شئے کی انفرادیت اور اس کا مخصوص تعین اس انفرادیت اور تعین خصوصی کی وجہ سے ہر شئے کی ایک خالص وقعت اور خاص حیثیت (پوزیشن) قائم ہو جاتی ہے متعدد اشیاء میں سے کسی ایک شئے کو مخصوص کر لینا۔

خط جوہری: جو صرف جہت طول میں قابل قسمت ہو اور جس کا امتداد ایک جہت میں ہو۔

خط: اس سے مراد کتابت بھی ہوتی ہے صوفیائے کرام اس سے حقیقت محمدیہ نیز عالم ارواح مراد لیتے ہیں متکلمین خط کو جوہر قرار دیتے ہیں جو صرف جانب طول میں قسمت کو قبول کر سکتا ہے اور نقطۂ جوہریہ کا منتہا ہوا کرتا ہے حکما خط کو جوہر کے بجائے عرض قرار دیتے ہیں متکلمین کی طرح طول میں اس کو قابل تقسیم قرار دیتے ہیں اور اس کی انتہا نقطۂ عرضیہ کو مانتے ہیں۔ خط کی بابت دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ یعنی خط ایسی مقدار ہے جس میں طول ہی طول ہے۔

خط : حروف ہجائیہ سے لفظ کی تصویر کشی ۔ حکماء کی اصطلاح میں خط وہ ہوتا ہے جو صرف طول میں قابل تقسیم ہو عرض اور عمق میں قابل قسمت نہ ہو اور نقطے کی انتہا ہو یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حکما کے نزدیک خط اور سطح اور نقطہ یہ سب اعراض ہیں ۔ جن کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے کیونکہ وہ حکما کے نزدیک مقداروں کے اطراف اور ان کی انتہا ہیں حکماء کے طور پر نقطہ خط کی انتہا ہے ، خط سطح کی انتہا ہے اور سطح جسم تعلیمی کی انتہا ہے لیکن متکلمین کے ایک طبقے نے خط اور سطح کو مستقل ثابت کیا ہے اور یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ جوہر فرد جب طول کی جانب چل پڑتا ہے تو اس سے خط بن جاتا ہے اور خطوط عرض کی جانب پھیل کر سطح بن جاتے ہیں اور سطح گہرائی میں پڑ کر جسم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور یہ ظاہر ہی ہے کہ متکلمین کے مسلک پر خط اور سطح جوہر ہیں اس لیے کہ جو چیز جوہر سے مرکب ہو وہ عرض نہیں ہو سکتی ۔

خط : سطح کی طرف (کنارہ) صرف جانب طول میں قابل تقسیم اور پھیلا ہوا ہو ۔ نقطہ جوہری کی انتہا جس میں صرف طول ہی طول ہو عرض و عمق نہ ہو ۔ متکلمین کے نزدیک خط اور نقطہ جوہر ہے حکماء کے نزدیک عرض ہے خط کے دس نام ہیں ضلع ، ساق ، سقط الحجر عمود ، قاعدہ ، جانب ، قطر ، وطر ، سہم ، ارتفاع ۔

خط مستدیر : وسط داخل کا وہ نقطہ کہلاتا ہے جس سے محیط کی جانب جس قدر خطوط کھینچے جائیں یا فرض کیے جائیں وہ سب برابر ہوں ان خطوط کشیدہ سے جو دائرہ بنے گا اس دائرے کا گھیرنے والا خط محیط دائرہ کہلائے گا ۔

خط مستقیم : ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک چھوٹے سے چھوٹا جانے والا خط خط مستقیم کہلاتا ہے بالفاظ دیگر دو نقطوں کو ملا دینے والا چھوٹے سے چھوٹا خط خط مستقیم ہوتا ہے

خط استوئی : زمین کا وہ درمیانی خط جو اسے جنوبی اور شمالی دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے سورج کے اس کے مقابل آنے پر دن رات کے برابر ہو جانے کی وجہ سے یہ خط استواء کہلاتا ہے یہ خط سیام کوچین ، برما ، لنکا اور ملک عرب کے نیچے سے ہوتا ہوا سوڈان اور صحرا

اعظم سے گزر کر جنوبی امریکہ کے شمال میں سے گزر جاتا ہے۔

قدیم علم ہیئت کی تحقیق کے مطابق نواں آسمان جن دو نقطوں پر گھوم رہا ہے ان کو قطب شمالی اور قطب جنوبی کہتے ہیں اور قطبین کے مابین آسمان پر جو بڑا دائرہ فرض کیا جائے وہ معدل النہار ہے۔ اس معدل النہار کے بالمقابل زمین پر جو دائرہ بنایا یا فرض کیا جاتا ہے، وہ خط استوا ہے۔

خط نصف النہار وہ خط ستوی اور محیط دائرہ جو زمین کے وسط میں معدل النہار کی سطح کو قطع کرتا ہے جس کی وجہ سے دن رات برابر ہوجاتے ہیں اور زمین کے شمالی اور جنوبی دو حصے ہوجاتے ہیں۔

خطبہ: نثر میں ایسا کلام جو یقینی یا ظنی اور مقبول عام مقدمات سے ترتیب دیا گیا ہو اور اس کا کوئی ایک پہلو ترغیب یا ترہیب لیے ہوئے ہو۔

خطاب: غیر کو مفہوم سمجھانے کے لیے اجرا کلام اور بات چیت کرنا۔

خطاء: وہ کہلاتی ہے جس میں انسان کے قصد وارادہ کو دخل نہ ہو اسی وجہ سے اس کے ارتکاب پر حقوق اللہ ساقط ہوجاتے ہیں اور اس پر حد اور قصاص کا اجرا نہیں ہوتا۔

خطابیہ: یہ ابوالخطاب اسدی کے متبعین ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ جنّت اور دوزخ کوئی مستقل حقیقتیں نہیں ہیں بلکہ دنیا کی نعمتیں جنّت اور آلام دنیوی جہنّم ہیں۔

خطابیات: وہ گفتگو اور کلام کہلائے جاتے ہیں جس میں دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ ان قیاسات کو بھی خطابیات کہا جاتا ہے جو مقدمات مقبولہ عام مظنونات پر مبنی ہوں اور ایسے شخص کی طرف سے پیش ہو رہے ہوں جس کی نسبت عام لوگوں کو حسن ظن اور اعتقاد ہے اس قسم کی خطابیات سے مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ عامۃ الناس کو دینوی و اُخروی امور میں بصیرت اور منفعت حاصل ہوسکے۔

خفاء: اہل اللہ کی اصطلاح میں ایک ربّانی لطیفہ ہے جو روح میں ودیعت کردیا گیا ہے کہ واردات ربّانی کے غلبے کے وقت حق تعالیٰ اور روح کے مابین واسطہ بن جائے اور صفات ربوبیت کی تجلیات کو قبول کرسکے اور روح پر فیضان حق کا پرتو پڑسکے۔

خفیف : جس کا میلان محیط طبعی یعنی بلندی یعنی افلاک کی جانب ہو جو بجائے خود محیط ہیں۔
خلاء : مکان کا متمکن سے خالی ہونا۔ فضاء موہوم، فلاسفہ خلاء کے منکر ہیں متکلمین اس کے امکان کے قائل ہیں۔

شہنشاہ عالمگیر کے دورِ حکمرانی کے ایک عظیم شاعر نعمت خان عالی نے شاعرانہ انداز سے بڑے لطیف پیرائے میں فلاسفہ کی تردید اور متکلمین کی تائید کی ہے۔

فلسفی آنکس کہ می گوید خلا باشد محال
در خزانہ گر رود ہرگز نگوید ایں سخن

خلق (بفتح الخاء) : شئے سے شئے کا پیدا کرنا گویا مواد اور ساز و سامان سے کسی چیز کا پیدا کرنا۔ برخلاف ابداع کے کہ اس میں تخلیق کسی مواد کی محتاج اور ساز و سامان کی منت پذیر نہیں ہوتی۔

خلق (بضم الخاء) : نفس میں راسخ (رچی ہوئی) ایک کیفیت ہے جس کی وجہ سے افعال حسنہ اور اعمال قبیحہ بآسانی سرزد ہوتے رہتے ہیں اگر ایسے افعال سرزد ہوں جو عقلاً اور عرفاً پسندیدہ ہوتے ہیں تو وہ اخلاق حسنہ کہلاتے ہیں ورنہ اخلاق قبیحہ یا سیئہ کہلائیں گے
خلط : غذا جب معدے کی چکی میں پس کر جگر میں پہنچتی ہے تو وہاں اس کے چار حصے ہو جاتے ہیں خون، بلغم، صفرا، اور سودا ان چاروں کو اخلاط اربعہ کہتے ہیں خلط طبعی سے بدن پوری طرح مستفید ہوتا ہے غیر طبعی بدن کے لیے چنداں مفید نہیں ہوتی خلط طبعی کو خلط محمود بھی کہا جاتا ہے۔
خلط محمود : دیکھو خلط
خلط طبعی : دیکھو خلط
خلط غیر طبعی : دیکھو خلط
خلف : بضم اللام و سکون الثانی منطق کی اصطلاح میں خلف کی تعبیر اس سے کی جاتی ہے کہ کسی مقدمے کے نقیض کو باطل کر کے مطلوب کو ثابت کیا جائے۔
خلیط : مرکب، مخلوط، ممزوج، ملا جلا

خلاعت: دیکھو عدالت

خلیفۃ اللہ: انسان

خلیفۂ اعظم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خلیفۂ اکبر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

خلوۃ: حق تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز کی مجلس

خلاف: بتحقیق حق اور ابطال باطل کے لیے بحث و تمحیص اور ایک دوسرے کے بالمقابل مختلف دلائل پیش کرنا۔

خلع: نکاح کی ملکیت سے مال لے کر دست بردار ہو جانا۔

خمسۂ متحیّرہ: حسب ذیل پانچ ستارے خمسۂ متحیّرہ کہلاتے ہیں عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل

خمار: سر کا بوجھ حواس کو مکدر کر دینے والا۔ یہ کیفیت کثرت شراب اور اس کے ہضم نہ ہونے سے بالعموم پیدا ہو جاتی ہے۔

خنّاس: شیاطین میں کے وہ افراد جو انسانوں کے دلوں میں وساوس یعنی بُرے بُرے خیالات ڈالتے رہتے ہیں جن سے ذیل کے الفاظ میں پناہ مانگی گئی ہے۔

اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ . . . . مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ

شیاطین کی یہ قسم خنّاس جنّ و انس دونوں میں پائی جاتی ہے اسی لیے آگے فرمادیا مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ ۔

خناق: اس مرض میں حلق متورم ہو جاتا ہے اس میں ایک جھلّی سی پیدا ہو جاتی ہے جس سے کسی چیز کے نگلنے میں دشواری اور تکلیف ہوتی ہے۔

خوف: کسی ناگوار صورت حال کے پیدا ہو جانے کا خطرہ یا خوشگوار حالات کی تبدیلی کا اندیشہ۔

خون: شوخ اور سرخ رنگ کا خلط ہے مشہور و معروف ہے اس سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔

خون طبعی: جگر میں پیدا ہو کر جسم کی خوراک بنتا ہے اور اس کی نشوونما کے کام آتا ہے۔

خون فاسد: گندی اور تکلیف دہ بیماریوں کی جڑ ہے۔

خون غیر طبعی: دیکھو خون فاسد۔

خیال: ان محسوس صورتوں کا خزینہ جن کی مدرک حس مشترک ہے اور اس میں مطبوعہ یعنی چھپی ہوئی صورتوں کا محافظ ہے۔

د

دائرہ: مسطح شکل جس کو ایک خط نے گھیرا ہوا ہو اور اس کے وسط داخل سے جس قدر مستقیم (سیدھے) خطوط اس سے نکالے جائیں وہ سب برابر برابر ہوں۔ یہ نقطہ مرکزِ دائرہ کہلاتا ہے اور خط اس کا محیط ہوتا ہے۔

دائرۃ الارتفاع: وہ بڑا دائرہ جو زمین کو نصف نصف کر دیتا ہے اور دائرۂ افق کو زاویہ قائمہ پر قطع کرتا ہوا مرکز شمس پر گذر جاتا ہے جہاں بھی مرکز شمس ہو۔

دائرۂ نصف النہار: وہ بڑا دائرہ ہے جو مشرق و مغرب کو جدا کر دیتا ہے قطبین کے افق پر گذرتا ہوا اس کو دو نقطوں پر قطع کر دیتا ہے کہ جو دونوں نقطے شمال و جنوب ہیں اور اس کے قطبین نصف شرقی اور نصف غربی کو افق سے نصف نصف کر دیتے ہیں اور وہ دونوں نقطہائے مشرق و مغرب ہیں اور جو خط کہ نقطہائے شمال و جنوب کو ملا دینے والا ہے وہ خط نصف النہار ہے اور وہ خط مذکورہ ہر دو دوائر کی حد مشترک اور ان کو جدا کر دینے والا ہے۔

دائرۂ اول السماوات: یہ ایک بڑا دائرہ ہے جو شمال و جنوب کے مابین حد فاصل ہے یعنی شمال و جنوب کو علیحدہ علیحدہ اور ممتاز کر دیتا ہے اور دائرۂ افق اور دائرہ نصف النہار کے قطبین سے گذرتا ہے اور خود اس کے قطبین نقطہائے شمال و جنوب ہیں۔

دائرۃ الافق: وہ بڑا دائرہ جو آسمان کے نظر آنے والے اور نظر نہ آنے والے حصوں کے مابین حد فاصل ہے اور اس کے قطبین سمت الراس اور سمت القدم ہیں۔

دائرۂ عظیمہ : دیکھو اسطوانہ

دائرۂ صغیرہ : دیکھو اسطوانہ

دائرۂ قاعدۃ المخروط : دیکھو اسطوانہ

دائرہ : دیکھو دوران

دال : ایک شئے سے دوسری شئے کا علم ہوجانے کی صورت میں شئے اولی دال کہلاتی ہے

داخل : جو چیز داخل شئے ہو اگر وہ اس شئے کا جزء ہو تو رکن کہلاتی ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کی طرف تحلیل منتہی ہوتی ہے اسطقس کہی جاتی ہے اور صورت معینہ کی قابل ہونے کے سبب مادّہ اور صورت مطلقہ کے قابل ہونے کے لحاظ سے بلا تخصیص صورت معینہ ہیولی کہلائے گی اور چونکہ مرکب اس سے ماخوذ ہوتا ہے اصل ہوتی ہے اور صورت معینہ کا محل ہونے کی وجہ سے موضوع قرار پاتی ہے اور اس حیثیت سے کہ اس سے ترکیب کا آغاز ہوتا ہے عنصر نام دیا جاتا ہے۔

داء الاسد : مرض جذام اور برص کو داء الاسد کہا جاتا ہے۔

داء الفیل : مرض فیل پا۔ اس مرض میں پاؤں مع پنڈلی کے پھول کر ہاتھی کے پاؤں جیسا ہوجاتا ہے

دابۃ الارض : قرب قیامت کی علامت میں سے دابۃ الارض کا خروج بھی ہے یہ عجیب وغریب قسم کا جانور ہے جس کے خروج کی تفصیلات اور بھیانک حلیہ کتب احادیث میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔

دائمہ مطلقہ : جس میں ہمیشہ کے لیے موضوع کے لیے محمول کا ثبوت ہو یا ہمیشہ کے لیے موضوع سے محمول کا سلب ہو جب تک موضوع یعنے انسان کی ذات موجود ہے مثلاً ہر انسان حیوان ہے ہمیشہ ہمیشہ یا کوئی انسان پتھر نہیں ہے پہلی مثال میں جب تک انسان موجود ہے وہ لازماً حیوان ہوگا دوسری مثال میں ہمیشہ کے لیے انسان سے حجریت کا سلب ہے۔

دجّال : یہ عجیب وغریب حلیے کی شخصیت بھی اس وقت ظہور کرے گی جب قیامت بالکل قریب ہوگی اس کا خروج امام مہدی کے ظہور کے کچھ بعد ہوگا۔ یہ صرف چالیس شبانہ

روز قیام کرے گا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ کے علاوہ تمام روئے زمین اس کے منحوس قدموں سے پامال ہو رہے گی یہ عجیب وغریب اور محیر العقول شعبدے دکھلاتا اور ان کے ذریعے خلق خدا کو گمراہ کرتا پھرے گا۔ بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل کر دیا جائے گا۔

علامات قرب قیامت کی ترتیب اس طرح بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے امام مہدی کا ظہور ہوگا پھر دجال کا ورود نامسعود ہوگا پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا جن کے ہاتھوں دجال قتل کیا جائے گا پھر قرآن انسانوں کے سینوں تک سے اٹھایا جائے گا اس کے بعد یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا اس کے بعد دابۃ الارض کا ورود نامحمود ہوگا۔ اور سب سے آخر میں آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا جس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ یہ تمام تفصیلات کتب احادیث میں درج ہیں اور وعظ میں ان سب کے تذکرے بار بار ہوتے رہتے ہیں۔

درک: (بفتح الاول وسکون الراء) دریافت اور گہرائی کی انتہا تک پہنچ جانا۔

درک: (بفتح الاول والراء) جہنم کا ایک طبقہ۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔

دق: مشہور مرض ہے جس میں ہمہ وقت مریض کم و بیش بخار میں مبتلا رہتا ہے عموماً کھانسی اور اسہال کی شکایت بھی ہوتی رہتی ہے اس کے تین درجات ہیں ا۔ درجہ اول و دوم میں مرض قابل علاج رہتا ہے اور تیسرے درجے میں بالعموم ناقابل علاج ہو جاتا ہے

دلیل: جس کے جاننے سے دوسری چیز کا علم حاصل ہو جائے یا جو اثبات وصحت مدعا کے لیے پیش کی جائے یا وہ معلوم تصدیقی جو مجہول تصدیقی تک پہنچا دینے والا ہو۔

دلالت دال مدلول: کسی شے کا ایسی حالت میں ہونا کہ ایک شے کے علم سے دوسری شے کا علم لازماً ہو جائے پہلی شے دال کہلائے گی اور دوسری شے مدلول۔ علماء اصول کی اصطلاح میں معنی پر دلالت لفظ کی کیفیت عبارۃ النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص میں محصور ہے جس کو اس طرح منضبط کیا جاسکتا ہے کہ نظم کلام سے

جو کچھ بھی ثابت ہو رہا ہو وہ بذات خود نظم کلام ہی سے ثابت ہے یا ثابت نہیں ہے ثابت ہونے کی صورت میں اگر نظم کلام اسی مقصد کے لیے جاری کیا گیا تھا تب تو عبارۃ النص ہے اور اگر اس مقصد کے لیے اجراءِ کلام نہیں ہوا تھا تو اشارۃ النص ہے اب دوسری شق پر آیئے کہ لفظ سے جو حکم سمجھا جا رہا ہے اگر وہ لغت کے اعتبار سے مفہوم ہو رہا ہے تب تو دلالت النص ہے اور اگر شرع کے اعتبار سے سمجھا جا رہا ہے تو اقتضاء النص ہے۔

دلالت النص میں یہ بات ملحوظ رہتی ہے کہ معنی لغت کے اعتبار سے سمجھا جائے کسی اجتہاد کو اس کے مفہوم میں دخل نہ ہو لغت کے اعتبار سے معنی سمجھنے کی یہ صورت ہے کہ اس زبان کا کوئی ماہر لفظ سنتے ہی بلا تامل اس کے معنی سمجھ جائے مثلاً قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ اپنے والدین کو اُف نہ کہو اس سے ایک ماہر لسان خود سمجھ سکے گا اور اس نتیجے پر پہنچے گا کہ والدین کے باب میں "اُف" سے بڑھ کر مثلاً زجر توبیخ وغیرہ قسم کی گستاخی بدرجہ ادنےٰ ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔

دالت لفظی وضعی: ہر وہ لفظ جو اپنے وضعی معنی کی جانب رہنمائی کرے۔

دالت مطابقی: لفظ اس پورے معنی پر دالت کرے جس کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

دالت تضمنی: لفظ جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اس معنی کے جزء پر دلالت کرے۔

دلالت التزامی: لفظ جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اس کے لازم معنی پر دالت کرے۔

دلالت النص: لغت سے جو معنی سمجھا جاتا ہے اس سے بطریق اولےٰ سمجھا جائے۔

دلک: (مالش) اس سے بدن کے فضلات تحلیل ہو جاتے ہیں رطوبات رقیق ہو جاتی ہیں۔ بدن میں لطیف و خوشگوار حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور جسم مضبوط ہو جاتا ہے۔

دلک استرداد: وہ مالش کہلاتی ہے جو ریاضت کی تکان اور ضعف کو دور کر دیتی ہے جس سے قوت و توانائی کا احساس ہوتا ہے۔ اور ریاضت کے بعد کی جاتی ہے۔

دلک استعداد: اس مالش کے کرنے سے بدن میں ریاضت و محنت کی قوت و قابلیت پیدا ہو جاتی ہے اور ریاضت سے پہلے کی جاتی ہے۔

دلک مسکن: تسکین دینے والی مالش کو کہتے ہیں۔

دم : (خون) افضل واعلیٰ ترین خلط ہے مزاج گرم تر ہے بدن کی غذا ہے اور اس کی پرورش کا ضامن۔ طبعی خون سرخ بے بو شیریں معتدل القوام ہوتا ہے اور جگر میں پیدا ہوتا ہے جگر میں پیدا ہونا خلط طبعی کا لازمی خاصہ ہے اور یہ کہ ہر خلط طبعی ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ بدن کو مطلوبہ اور متوقع فائدہ پہنچائے۔ غیر طبعی خون اور ہر خلط غیر طبعی خون طبعی اور خلط طبعی کے برعکس ہوتا ہے۔

دم طبعی : دیکھو دم

دم غیر طبعی : دیکھو دم

دنیٰ : (مقام دنیٰ) دیکھو قاب قوسین او ادنیٰ

دنیا : عالم افلاک وعناصر جو نہ ازلی ہیں نہ ابدی

دنیائے جدید : (امریکہ) دیکھو اقالیم سبعہ

دنیائے قدیم : دیکھو اقالیم سبعہ

دور : توقف شئے علیٰ نفسہٖ (کسی چیز کا اپنے آپ پر موقوف ہو جانا)

دوران : لغت میں دوران کے معنی طواف کرنے اور کسی شئے کے گرد گھومنے کے ہیں۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ ایک دوسری شئے ایسی شئے کے گرد گھومے کہ جس میں علت ہونے کی صلاحیت ہو جیسے شراب پینے کے بعد نشہ لازماً ہو جایا کرتا ہے گویا نشہ شراب پینے پر مرتب ہوتا ہے اور اس پر موقوف ہے شئے اول دائر کہلاتی ہے اور دوسری شئے مدار بالفاظ دیگر دوران نام ہے ایک شئے کے ساتھ ایک شئے کے ملنے کا اور اقتران کا یہ اقتران کبھی تو صرف وجود کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی عدم کے اعتبار سے اور کبھی وجود و عدم دونوں کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے۔

دوام : ایک شئے کا دوسری شئے کی طرف شمول تمام زمانوں میں اور تمام اوقات میں عام ازیں کہ موضوع سے اس کا انفکاک (جدا ہونا) ممتنع ہو یا نہ ہو۔

دوام ازلی ذاتی اور وضعی تین طرح کا ہوا کرتا ہے۔ دوام ازلی میں محمول یا تو ازلاً یا ابداً موضوع کے لیے ثابت ہوتا ہے یا اس سے مسلوب ہوتا ہے دوام ذاتی میں

محمول موضوع کے لیے اس وقت تک ثابت یا مسلوب ہوتا ہے جب تک کہ موضوع کی ذات موجود رہے۔ دوام وصفی میں موضوع کے لیے محمول کا ثبوت یا سلب اس وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ موضوع کی ذات وصف عنوانی کے ساتھ متصف رہتی ہے۔

دوام ازلی: دوام میں پڑھو۔

دوام ذاتی: دوام میں دیکھو۔

دوام وصفی: دوام دیکھو۔

دواء: دوا وہ کہلاتی ہے جو جسم کی غذا نہ بنے اور نہ جزو بدن بنے بلکہ صرف اپنی کیفیت یعنی گرمی سردی رطوبت و یبوست سے عمل کرنے کے بعد جسم سے خارج ہو جائے۔

دواء غذائی: جو جسم انسانی میں اپنی کیفیت یعنی گرمی و سردی وغیرہ سے عمل کے ساتھ ساتھ غذا بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو جیسے بادام، منقیٰ وغیرہ۔

دوالی: ایک مرض ہے جس میں سوداوی یا بلغمی مادے کی وجہ سے پنڈلی کی وریدیں (غیر متحرک رگیں) پھول کر موٹی ہو جاتی ہیں اور ان میں جگہ جگہ گرہیں پڑ جاتی ہیں۔

دہریہ، دہری: جو حوادث ارضی و سماوی کو دہر کی جانب منسوب کرتا ہو۔

دہر: طویل زمانہ، ازل اور ابد کا منشاء جس کی نہ ابتداء ہو نہ انتہا ہو اور ہر وہ شے جو ابتداء اور انتہا رکھتی ہو وہ اسی میں سمائی ہوئی ہو اور وہ خود اس میں سے کسی میں سمایا ہوا نہ ہو یا جس کی وجہ سے ازل و ابد متحد ہو جائیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ہر ایک ہزار سال کا ہوتا ہے یا اس سے طویل زمانہ مراد ہوتا ہے دہر کو صرف ابد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی اس کا اطلاق حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ پر بھی کر لیا جاتا ہے جیسا کہ حضور اقدس سرور عالم و عالمیان کے اس ارشاد سے ظاہر ہے....

لا تسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ تعالیٰ۔

دین: اطاعت شریعت، دین کا انتساب حق تعالیٰ کی جانب ہوتا ہے۔ آسمانی قانون جو احکام شرعیہ کی صورت میں اور اوامر و نواہی کے روپ میں انبیاء کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے ہیں اس کے مخاطب و مکلف تمام ذوی العقول ہیں جس میں انھیں کے لیے

دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح مضمر ہے۔

ذ

ذات: جو موضوع صفات ہو، بعینہٖ خود ذات، جس کا اطلاق جسم اور غیر جسم سب پر ہو سکے، بر خلاف شخص کے کہ اس کا اطلاق صرف جسم پر ہو سکتا ہے نیز ذات اس امر کی صالح ہوتی ہے کہ اس پر عدم یا وجود کا اطلاق کیا جا سکے شئے کی ذات اس امر کی صالح ہوتی ہے کہ اس پر عدم یا وجود کا اطلاق کیا جا سکے شئے کی ذات وہ ہوتی ہے کہ جو اس کو ماسوا سے مختص اور ممیز کر سکے کبھی شئے سے خود شئے مراد ہوتی ہے جو ماسوا سے مجرد ہوتی ہے۔ شئے کی ذات کے لیے یہ دروازہ بھی کھلا ہوا ہے کہ وہ اپنے وجود پر بھی سابق ہو سکتی ہے۔

ذات الشئ: وہ ہوا کرتی ہے جو اس کو خاص کر دے اور جس قدر بھی ماسوا ہوں ان سے ممتاز کر دے کبھی ذات الشئ سے خود وہی شئے ماسوا سے مجرد کر کے مراد لے لی جاتی ہے۔ اس ذات الشئ کے لیے یہ راہ بھی کھلی ہوتی ہے کہ وہ اپنے وجود سے سابق اور مقدم ہو سکے یعنی ذات الشئ کے وجود سے قطع نظر وہ اپنے وجود سے علت ہونے کی بنا پر ذاتی طور پر سابق ہو اگرچہ زمانے کے لحاظ سے وہ مقارن ہی کیوں نہ ہو گویا ذات الشئ اور اس کے وجود کے مابین کوئی زمانی تقدم و تاخر نہ ہو اس مرحلے پر تقدم الشئ علی نفسہ یعنی شئ کے اپنے آپ پر مقدم ہو جانے کا سوال اور شبہ اس لیے پیدا نہیں ہو سکتا کہ یہاں مقدم شئ ہے اور موخر شئ کا وجود ہے۔

ذاتی: جو ذاتیات سے مرکب ہو جو ماسوا سے اس کو متمیز کر دے۔ شئے کی ذات بعینہٖ خود ذات ہی ہوتی ہے۔

ذاتیات: جنس، نوع، فصل، ذاتیات کہلاتے ہیں۔

ذات وضع: قابل اشارہ حسیہ

ذات احدی: احدیت، یکتا، یگانہ اور خالص وجود جس کا تعلق کسی غیر سے نہ ہو اور نہ کوئی اس کا شریک و سہیم ہو۔

ذات الریہ : مزمنہ پھیپھڑوں کا ورم۔
ذات الجنب : پہلو کا ورم کبھی تو اس جھلی میں ہوتا ہے جو پسلیوں میں لگی ہوتی ہے اور گاہے پسلیوں کے درمیانی گوشت اور گاہے حجاب حاجز میں جو سینہ اور پیٹ کے درمیان پردہ ہے اور جو سانس لینے کے لیے پھیپھڑوں کو حرکت دیا کرتا ہے۔
ذائقہ : زبان کے پٹھے میں پھیلی ہوئی وہ قوت جو رطوبت لعابیہ کے اختلاط سے مختلف کھانوں کا ذائقہ بتلاتی ہے۔
ذبول : اس کے معنی گھٹنے کے ہیں جس کو فارسی میں کاہیدن کہا جاتا ہے جسم اور اجزاء جسم میں جو کاہیدگی جمیع اقطار یعنی طول، عرض وعمق میں اس جسم کی اقتضاء طبعی کی بناء پر پیدا ہو اس کو اصطلاح میں ذبول کہا جاتا ہے عام حالات میں جسم انسانی پچاس سال کے بعد بناء اقتضاء طبعی اس ذبول کو قبول کرنے لگتا ہے۔
ذکاء : یہ ذکاوت بھی کہلاتی ہے۔ ذکاء نفس میں ایک تیز قوت ہوتی ہے جو آراء اور افکار کے حصول میں مددگار ہوا کرتی ہے بخلاف فطنت اور فطانت کے کہ اس میں غیر کے کلام کو فوراً سمجھ لینا ملحوظ ہوتا ہے۔
ذکاوت : دیکھو ذکاء
ذمی : وہ لوگ ذمی کہلاتے ہیں جو غیر مسلم ہوں اور قلمرو اسلامی میں مقیم ہوں اور جن کی جان ومال کی حفاظت کا ذمہ منجانب حکومت اسلامی لیا گیا ہو اور اس کے بدلے برائے نام جزیہ یعنے ٹیکس ان پر عائد کر دیا گیا ہو۔
ذوسنطاریہ : خونی دست آنتوں کا ورم۔
ذوالخاصۃ المخالفہ : وہ چیز کہلاتی ہے جو جسم میں پہنچ کر جسم کے مخالف عمل کرے۔
ذوالخاصۃ الموافقہ : جو چیز جسم میں پہنچ کر موافق جسم عمل کرے۔
ذوالقرنین : مشہور یہ ہے کہ سکندر کا لقب ہے اس واسطے کہ وہ ملک فارس اور قلمرو روم کا بادشاہ تھا یہ بھی مشہور ہے کہ وہ اس روشن دنیا کو پار کر کے بحر ظلمات اور چشمہ حیوان تک پہنچ گیا تھا جو تاریکیوں سے گھرا ہوا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے سر پر دو سینگ

ابھرے ہوئے تھے۔

ذہن: قوت مدرکہ۔ قوت نفس جو حواس ظاہری و باطنی پر حاوی ہو اور حصول علم میں ممد ہو۔
غور و فکر کے ذریعہ علوم و معارف کے ادراک کی کامل استعداد۔

ذوق: خائقہ ہزا۔ یہ ایک قوت ہے جو زبان میں پھیلی ہوئی ہے اور رطوبت لعابیہ کی وجہ سے اس کا ادراک و احساس ہوتا ہے۔ ارباب سلوک ذوق کو عرفانی نور سے تعبیر کرتے ہیں جس کو حق تعالیٰ کی جانب سے اس کے پرستاران خاص کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ حق و باطل کے مابین امتیاز کر سکتے ہیں۔

ذوالعقل: تصوف کی اصطلاح میں ذوالعقل اس کو کہا جاتا ہے جو نگاہ ظاہری سے خلق کو دیکھتا ہے اور باطنی نظر حق تعالیٰ کی جانب رکھتا ہے۔

ذوالعین: صوفیہ ذوالعین اس کو سمجھتے ہیں جو خلق کو باطنی نگاہ سے اور حق کو بہ نظر ظاہر معائنہ کرتا ہے۔

ذوالعین والعقل: باصطلاح تصوف خلق کو حق میں اور حق کو خلق میں دیکھنے والا ذوالعقل والعین کہلاتا ہے اور حق و خلق میں سے کوئی ایک دوسرے کے لیے اس کی نظر میں حجاب نہیں بن جاتا کیونکہ وجود واحد کو وہ اپنی آنکھ سے جو ایک دیکھتا ہے اس کی وجہ اور حیثیت اس سے مختلف اور دوسری ہوتی ہے جو کثرت میں وحدت دیکھنے سے ہوتی ہے متعدد آئینے سامنے ہوں تو ایک ہی صورت یعنی وحدت ان سب آئینوں میں کثرت کا جلوہ دکھلائی دیتی ہے اور کثرت شہود واحد کے لیے مزاحم نہیں بن جاتی۔

ر

رباعی: علم صرف کی اصطلاح میں رباعی اس کو کہتے ہیں جس کے حروف اصلی چار ہوں اسی کو رباعی مجرد بھی کہا جاتا ہے۔ اگر چار سے کوئی حرف زیادہ ہو تو رباعی مزید ہے۔

رباعی مجرد: دیکھو رباعی۔

رباعی مزید: دیکھو رباعی۔

ربائیہ : موجبہ پڑھو۔

رباط : بندھن۔ ربط سے لیا گیا ہے جس کے معنی بندش کے ہیں۔ ایک سفید ڈوری نما عضو ہے جس سے جسم کی ہڈیوں کو ملا کر باندھا جاتا ہے۔

ربع مسکون : دیکھو اقالیم سبعہ

رجل : رجل کا اطلاق اس انسان پر کیا جا سکتا ہے جو مرد ہو اور بچپن سے متجاوز ہو کر حد بلوغ کو پہنچ چکا ہو۔

رخصت : رخصت کے معنی آسانی اور سہولت پیدا کر دینے کے ہیں شریعت کی اصطلاح میں رخصت اس سہولت و آسانی کو کہا جاتا ہے جو تکلیفات شرعیہ میں کسی عذر معقول کی بناء پر کمی کرنے سے یا امر مشکل کو آسانی میں تبدیل کر دینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس رخصت کی بہت سی اقسام ہیں جو اصول فقہ کی کتابوں سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

رداء : وہ حجاب کہلاتا ہے جو گناہوں کی کثرت سے اور جسمانی تاریکیوں کی وجہ سے انسانی قلب اور عالم قدس کے مابین حائل ہو کر انوار ربوبیت کو منقطع کر دیتا ہے۔ مشائخ کی اصطلاح میں رداء بندے پر صفات حق تعالیٰ کے ظہور کا نام ہے۔

رزق : رزق کا اطلاق ماکولات و مشروبات پر کیا جاتا ہے بلا لحاظ اس کے وہ حلال ہوں یا حرام۔ معتزلہ حرام کو رزق میں شامل نہیں کرتے۔ بعض حضرات رزق کے معنی کو اس قدر وسعت دیتے ہیں کہ وہ اس کے دائرے میں ملبوسات اور تمام ضروریات زندگی کو لے آتے ہیں۔

رسم : جو ذاتیات و عرضیات سے مرکب ہو۔

رسم تام : جو جنس قریب اور خاصہ سے مرکب ہو۔

رسم ناقص : جو جنس بعید اور خاصہ سے یا صرف خاصہ سے مرکب ہو۔

رسخ : دیکھو تناسخ۔

رسول : جس کو اللہ نے اپنے احکام کی تبلیغ و ہدایت کے لیے مخلوق کی طرف بھیجا ہو۔ خاص کر جبریل کے ذریعے اس پر وحی اور کتاب و احکام نازل کیے جاتے ہوں۔

رسالت : مصدر ہے فرستادن یعنی بھیجنے کے معنی میں آتا ہے۔ اصطلاح میں رسالت صاحب عقل بندوں کے اور حق تعالیٰ خالق العباد کے مابین سفارت ہے تاکہ اس کے ذریعے بندوں کی روحانی بیماریاں اور اخلاقی رذائل دور کیے جاسکیں اور ان کو دنیا و آخرت کی وہ باتیں تبلائی اور سمجھائی جاسکیں جن کے جاننے اور سمجھنے سے ان کی عقلیں قاصر ہیں۔

رُسوب : تلچھٹ پیشاب کے وہ اجزاء جو اس میں ممتاز نظر آتے ہیں یہ کبھی تہ نشین رہتے ہیں یا کبھی اوپر یا درمیانی حصے میں تیرتے دکھلائی دیتے ہیں۔

رسوب راسب : پیشاب کے وہ اجزاء جو قارورے میں تہ نشین ہوتے ہیں۔

رسوب غمام : وہ رسوبات جو قارورے کی بالائی سطح پر تیرتے نظر آتے ہیں۔

رسوب معلق : قارورے کے درمیان لٹکتے ہوئے دکھلائی دینے والے رسوبات۔

رسوب محمود : عمدہ اور اچھا رسوب جو چکنا اور سفید یکجا مجتمع اور یکساں ہوتا ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مواد کا نضج یعنی پختگی مکمل طور پر ہوئی ہے۔

رسوب ردّی : وہ رسوب جو رسوب محمود کے برعکس ہو۔

رسوب مدّی : وہ رسوب جس میں پیپ کی آمیزش ہو۔

رشد : (بضم اول وسکون الثانی) راہ حق میں ثابت قدم رہنا رشد کہلاتا ہے۔

رشوت : وہ عطیہ جو سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دینے کے لیے دیا یا لیا جائے۔

رضا : احکام و مقدرات الٰہی کے سامنے نہ صرف سرنگوں ہو جانا بلکہ راضی ہو جانا اور جو حادثہ بھی گزر جائے اسی کو اپنے حق میں بہتر خیال کرنا دیکھو تسلیم۔

رطوبت۔رطب : تری تر۔ وہ کیفیت جس کی وجہ سے بآسانی تفرق و اتصال ہو سکیں اور بسہولت شکلیں تبدیل ہو سکیں۔

رطوبت اصلیہ : اصلی پیدائشی رطوبت جو پیدائش کے وقت سے اعضاء اصلیہ میں موجود ہو۔ اس کو رطوبت غریزی بھی کہا جاتا ہے۔ ایک رطوبت عارضی وسطحی بھی ہوتی ہے جیسے درخت کی شاخ اور ٹہنی میں رطوبت اصلی ہوتی ہے جو اس کے رگ وریشہ میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے اور درخت کی سوکھی لکڑی کو بھگو دیا جائے تو اس میں رطوبت عارضی وسطحی ہو گی۔

رطوبت عارضی : دیکھو رطوبت اصلیہ

رطوبت سطحی : دیکھو رطوبت اصلیہ

رطوبت غریزی : دیکھو حرارت غریزی

رعشہ : کپکپی۔ مرض ہے جس میں اعضاء بے قابو ہو جاتے ہیں اور کانپتے رہتے ہیں۔

رعد : وہ کڑک اور ہولناک آواز کہلاتی ہے جو بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے اس کا قصہ یہ ہے کہ دھواں جب ابخرات کے ساتھ مل کر اور ان کو لے کر اوپر کو چڑھتا ہے تو ابر کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا اور دھواں ابر میں گھٹ کر رہ جاتا ہے اس کشمکش کے بعد دھوئیں کے جس حصے میں حرارت باقی رہ جاتی ہے وہ اپنے زور کے بل پر اوپر نکل جانے کے لیے مضطر ہوتا ہے اور جس دھوئیں کی حرارت زائل ہو جاتی ہے وہ نیچے کی طرف آجانے پر مجبور ہو جاتا ہے اس اضطرار و اضطراب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چڑھنے اترنے والے دھوئیں اور ابر میں سخت رگڑ ہونے کی وجہ سے ایک ہولناک آواز پیدا ہوتی ہے یہی آواز رعد (کڑک) کہلاتی ہے اور چونکہ دھوئیں میں کچھ دہنیت اور چکناہٹ بھی ہوتی ہے وہ رگڑ سے مشتعل ہو کر چمکنے لگتی ہے۔ یہ چمک برق کہلاتی ہے اگر وہ لطیف ہو اور فوراً بجھ جائے اور اگر غلیظ ہو تو اسے صاعقہ کہتے ہیں۔

رعونت : تکبر کے ساتھ اگر نفسانیت کی آمیزش ہو تو اس کو رعونت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

رفع : اعراب کی قسم ہے (دیکھو اعراب)

روح : روح شریعت کی اصطلاح میں امر ربی ہے جس کی حقیقت صرف علام الغیوب جانتا ہے۔

طبی اصطلاح میں روح ان لطیف اور سبک بخارات کو کہا جاتا ہے جو دل کے صاف ستھرے خون سے ابھرتے اور پیدا ہوتے ہیں گویا روح پاکیزہ خون کی لطیف بھاپ ہوتی ہے انہیں بخارات سے قوتوں کا تعلق ہوتا ہے یہ روح مختلف ذرائع سے اور متعدد راہوں سے جسم کے مختلف حصوں میں پہنچتی ہے اور اپنا عمل دخل جاری رکھتی ہے۔ اس کے مختلف روپ حسب ذیل ہیں۔

روح اعظم : روح انسانی کے مدارج اعلیٰ میں سے ہے ذات الٰہی کی مظہر ہے لا یعلمہ الا ہو۔ اس

کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ حقیقت محمدیہ ہے، عقل اول ہے، نفس واحدہ ہے، حقیقت اسمائیہ ہے۔ وہ خالق اکبر کی پہلی تخلیق ہے کہ جس کو خالق نے اپنی صورت پر خلق کیا ہے۔ وہ خلیفہ اکبر ہے جوہر نورانی ہے اس کی جوہریت مظہر ذات ہے۔ اس کی ذاتیت اس کے علم کی مظہر ہے جوہریت کے اعتبار سے اس کا نام نفس واحدہ ہے نورانیت کے لحاظ سے اس کا نام عقل اول ہے۔ عالم کبیر میں اس کے مظاہر و اسماء عقل اول قلم اعلیٰ اور نور اور نفس کلیہ اور لوح محفوظ وغیرہ ہیں۔ اسی طرح عالم صغیر انسانی میں اس کے اسماء و مظاہر و ظہور کے لحاظ سے سر، خفاء روح، قلب فواد، عقل اور نفس وغیرہ ہیں۔

روح القدس: عقل فعال

روح انسانی: نفس ناطقہ، جوہر بسیط، انسان کے تمام قوائے جسمانی اعضاء اور روح حیوانی پر حکمراں، جس کی حقیقت کے ادراک سے عقلیں عاجز ہیں (دیکھو نفس ناطقہ)

روح باطنہ: دیکھو قلب

روح حیوانی: یہ روح قوت حیوانی کی حامل ہے اور اس کا تعلق اسی قوت حیوانی سے ہے۔ یہ دل میں پیدا ہو کر شرائین (رگوں) کے ذریعہ تمام جسم میں پھیلتی ہے اور زندگی کو قائم رکھتی ہے (دیکھو نفس حیوانی)

روح طبعی: اس روح کا تعلق قوت طبعی سے ہے اور یہ اسی قوت طبعی کی حامل ہے۔ یہ جگر میں پہنچ کر وریدوں (غیر متحرک رگوں) کے ذریعے تمام جسم میں پھیلتی ہے۔

روح نفسانی: اس کا تعلق قوت نفسانی سے ہے اور یہ اسی قوت کی حامل ہے۔ دماغ میں پہنچ کر پٹھوں (اعصاب)، کے ذریعے تمام جسم میں پھیلتی ہے اور اعضاء میں حس و حرکت پیدا کرتی ہے۔

روح نباتی: جسم کی وہ صورت کمالیہ جس کے ذریعے تغذیہ اور نشوونما کا کام انجام پائے۔

رؤس ثمانیہ: ہر علم وفن کی کتاب کے آغاز میں مصنفین جو آٹھ باتیں لکھتے ہیں۔ وہ رؤس ثمانیہ کہلاتی ہیں۔ غرض (علت غائی) منفعت، وجہ تسمیہ، مصنف کا نام، علم وفن کا درجہ کہ کس علم سے مقدم اور کس سے موخر ہے علم وفن کی جنس کہ عقلیات سے ہے یا منقولات میں

سے علم اور کتاب کے ابواب کی تقسیم انجاد تعلیم۔

رواقیہ: افلاطون اول کے مکتبۂ خیال کی پابند جماعت جو افلاطون کی مجلس میں شریک رہ کر اور دوسرے وقت گوشہ نشین و مراقب ہو کر اس کے اشارات و کنایات سے حکمت کے اسرار و دقائق معلوم کرتی تھی۔

رویاء: (بالمنعم) خواب میں جو کچھ دکھلائی دیتا ہے وہ سب کا سب رویاء کہلاتا ہے خواہ وہ سچ ہو یا جھوٹ صحیح ہو یا غلط۔

رویت: آنکھ سے دیکھنا رویت بصری کہلاتا ہے اگر قلب سے دیکھا جائے تو اس کو رویت قلبی یا رویت علمی کہا جائے گا۔

رویت بصری: دیکھو رویت

رویت قلبی: دیکھو رویت

رویت علمی: دیکھو رویت

ریاضت: اخلاق کی تہذیب و اصلاح کے لیے بدن اور اعضاء بدن کو دیدہ و دانستہ مشقت میں ڈالنا یا اغراض نفسانی اور محرکات و دواعی خواہشات و شہوات سے منہ موڑلینا اور راہ صواب کی جانب چل پڑنا۔

ورزش: اگر ورزش سے تمام جسم کو نفع پہنچے تو ریاضت عام ہے اور اگر کسی خاص عضو تک افادہ محدود رہے تو ریاضت خاص ہے۔

ریاضت عام: دیکھو ریاضت

ریاضت خاص: دیکھو ریاضت

ریاء: جس قدر عمل خیر کا انسان عادی ہو اس میں اگر لوگوں کو دکھلانے اور ان کی توجہ جذب کرنے کے لیے زیادتی کی جائے تو یہ ریاء اور ریاکاری ہے۔

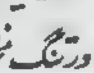
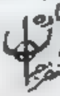
ریمیا: (طلسم میں دیکھو)

رکاز: اس مال و متاع کو کہا جاتا ہے جو زمین میں دفن ہو خواہ قدرتی طور پر شروع سے یا مدت مدید سے ان میں موجود رہا ہو۔ یا کسی نے محفوظ کر رکھا ہو۔ قدرتی دفینے کو معدن اور انسان کے

رکھے ہوئے کو کنز بولا جاتا ہے۔

رکن : (دواخل دیکھو)

ز

زاویہ : زاویہ ایک ہیئت اور کیفیت کہلاتی ہے جو کسی مقدار کو کسی حد میں گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے عارض ہوا کرتی ہے علاوہ دوسرے لفظوں میں زاویہ ایک ہیئت ہے جو سطح کو عارض ہوتی ہے اور دو خطوں کے باہم ملنے سے حاصل ہوتی ہے یہ خط سطح کے جس نقطے پر ملتے ہیں تو مقام التقار (ملنے کی جگہ) پر تین قسم کے زاویے پیدا ہو جاتے ہیں زاویہ قائمہ، منفرجہ، حادہ اگر سیدھا خط سیدھے خط پر اس طرح گذر جائے  تو اوپر اور نیچے کی جانب جو دو دو گوشے پیدا ہوں گے وہ زوایا قوائم یعنی زاویہ قائمہ کہلائیں گے اگر سیدھے خط کے بجائے دوسرے خط پر ٹیڑھا گذر جائے۔  تو چھوٹے بڑے کشادہ اور تنگ مختلف زاویے پیدا ہوں گے بڑے اور کشادہ زاویے منفرجہ اور چھوٹے اور تنگ زاویے زوایا حادہ کہلائیں گے اگر مثلاً قوس پر سے سیدھا خط گذرے 

تو اندر کی جانب زوایا حادہ اور بیرونی زوایا منفرجہ کہلائیں گے۔

زاویۂ قائمہ : دیکھو زاویہ

زاویہ حادّہ : دیکھو زاویہ

زاویہ منفرجہ : دیکھو زاویہ

زاجر : مومن کے قلب میں من جانب اللہ ایک نور ودیعت ہوا کرتا ہے جو اس کو حق کی طرف متوجہ کرتا رہتا ہے۔

زاہد : جو متاع دنیا اور اس کے لذائذ سے منہ موڑ لے وہ زاہد کہلاتا ہے۔

زعم : قول بلا دلیل زعم کہلاتا ہے اعتقاد باطل کو بھی زعم کہا جاتا ہے یہاں باطل کے معنی واقعے کی عدم مطابقت کے ہیں اعتقاد کی عدم مطابقت مراد نہیں ہے۔

زمانہ : حکمائے مشائیہ کے مسلک پر کم متصل ہے غیر مجتمع الاجزاء اور فلک الافلاک کی حرکت

کا مقدار ہے حکماء متکلمین کے نزدیک زمانہ "معلوم متجدد" سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے دوسرا متجدد "کم" متقدر ہوتا ہے بعض اس کو واجب الوجود قرار دیتے ہیں بعض فلک کو زمانہ سمجھتے ہیں، بعض مطلقاً حرکت کو زمانے سے تعبیر کرتے ہیں بعض فلک اعظم یعنی فلک محدد للجہات کو حرکت کا مقدار خیال کرتے ہیں۔ بعض اس کے ثبوت کو عینی نہیں بلکہ وہمی جانتے ہیں بعض صرف ماضی و مستقبل کو زمانہ تسلیم کرتے ہیں حال کو وہ صرف آن اور ماضی و مستقبل کے درمیان حد فاصل قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک آن بہر حال زمانہ نہیں ہوتی، وہ زمانے سے ایک جداگانہ شئے اور دو زمانوں کے مابین ایک فصل متوہم ہوتی ہے اگر اس کو متوہم نہیں بلکہ واقعی مان لیا جائے تب بھی وہ آن رہے گی زمانہ بہر حال نہ بن سکے گی بعض حکماء زمانے کو مطلقاً معدوم کہتے ہیں۔

ماضی گذر چکا مستقبل ابھی آیا نہیں حال اولاً تو آن ہے زمانہ نہیں پھر جوں ہی ہم اس کو زمانہ حال قرار دینے کی غرض سے اس کی طرف متوجہ ہوں گے وہ اپنی حیثیت تبدیل کرے گا اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ماضی بن جائے گی۔ بعض فلاسفہ نے بگڑی ہوئی بات بنانے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ زمانے کے کسی خاص حد میں موجود نہ ہونے کے یہ معنی کب ہیں کہ وہ مطلقاً اور سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ ماضی مستقبل اور حال فی حد ذاتہم اپنی اپنی حدود میں موجود ہیں۔ بلا شبہ ان میں سے کوئی دوسرے کی حد میں موجود نہیں ہے لیکن دوسرے کی حد میں موجود نہ ہونے کے یہ معنی کیسے ہوگئے کہ وہ اپنی ذات کی حد تک بھی اور مطلق موجود ہی نہیں ہیں کسی خط کے درمیان حد فاصل نقطہ خط کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے خط کے یہ دونوں حصے نقطے میں موجود نہ ہونے کے باوجود اپنی اپنی حد میں ضرور موجود ہوتے ہیں۔

زمان: (معنی میں پڑھو)

زمان فترۃ: جب سابق نبی کی نبوت و تعلیم کا دور ختم ہو جائے اور نئے نبی کا ورود ابھی ہوا نہ ہو تو یہ وقت زمانہ فترۃ کہلاتا ہے جیسا کہ نبی آخر الزماںؐ کی بعثت سے پہلے ایسا دور گذرا تھا جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و شریعت مسخ و ختم ہو چکی تھی اس دور میں جو افراد کہ شرک و بت پرستی سے کنارہ کش اور توحید سے آشنا رہے وہ نجات پا جائیں گے۔

زمانہ مرض: ہر وہ مرض جس کا انجام صحت ہو اس پر چار دور گذرتے ہیں گویا زمانہ مرض وہ ہوا جو چار زمانوں سے گذرے اور بالآخر صحت یاب ہو جائے چار زمانے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ زمانہ ابتداء مرض ۲۔ زمانہ تزائد مرض ۳۔ زمانہ انتہاے مرض ۴۔ زمانہ انحطاط مرض

زمانہ ابتداء مرض: جب مرض شروع ہو۔

زمانہ تزائد مرض: جب مرض میں اضافہ ہونے لگے۔

زمانۂ انتہاء مرض: جب مرض پوری شدت پر پہنچ کر ایک حالت پر ٹھہر جاتے۔

زمانہ انحطاط مرض: جب مرض کم ہونا شروع ہو جائے۔

زندقہ: خدا کی وحدانیت اور یوم آخرت پر ایمان نہ لانے کو زندقہ کہا جاتا ہے۔

زندیق: ملحد جو یزدان واہرمن دونوں کا قائل ہو متمرد، سرکش فرق امراتب منکر نے والا ثبوت نبوت کے اعتقاد کے باوجود ایسے عقائد رکھتا ہو جو بالاتفاق عقائد کفریہ ہوں۔

زوج: ایک معنی شوہر کے۔ دوسرے یہ کہ یہ فرد کا مقابل ہے۔ فرد وہ عدد کہلاتا ہے جو مساوی طور پر تقسیم نہ ہو سکے بخلاف زوج کے کہ وہ مساوی طور پر ایک بار یا متعدد بار تقسیم ہو سکتا ہے مثلاً تین اور چار یا پانچ اور آٹھ کہ تین اور پانچ برابر برابر تقسیم نہیں ہو سکتے اور چار اور آٹھ ایک بار اور ایک بار سے زیادہ بار مساوی تقسیم ہو سکتے ہیں۔

زہد: زاہد: دنیا سے روگردانی، راحت ولذات دنیوی کا اس غرض سے ترک کر دینا کہ یہ سب کچھ بلکہ اس سے زیادہ آخرت میں مل جائے گا۔

س

سالک: وہ ہے جس پر ایک ایسی کیفیت اور حالت طاری ہو جائے جس کی وجہ سے بغیر غور و فکر اور بغیر علم کے مقامات قرب الہٰی طے ہو جائیں اس حالت وکیفیت کے ذریعہ جو کچھ حاصل ہوگا وہ علم عینی ہوگا اور مشاہدہ ہوگا جس میں شکوک وشبہات کے لیے کوئی گنجائش نہ ہوگی۔

ساقط: (دیکھو حذف)

ساکن: سکون سے نکلا ہے جس کے معنی قرار اور عدم حرکت (زیر، زبر، پیش) کے ہیں یا حرکات ثلثہ

(زیر، زبر، پیش) میں سے کسی حرکت کا نہ ہونا۔

سالم: علم صرف میں سالم اس کو کہتے ہیں جس کے حروف اصلی ف، ع، ل، میں سے کسی کے بجائے حروف علت ہمزہ اور تضعیف نہ ہو بخوییئن اس کو سالم قرار دے دیتے ہیں جس کے حرف آخر حرف اصلی کی جگہ حرف علت نہ ہو خواہ شروع یا درمیان میں حرف علت آ ہی کیوں نہ جائے۔

سبب: وہ ہوتا ہے جو پہلے سے موجود اور مقصود تک پہنچانے کا وسیلہ ہوتا ہے اور شئے کے وجود میں وہ موثر دخیل نہیں ہوتا اور جس کی وجہ سے صحت یا مرض یا ان دونوں کے مابین درمیانی حالت پیدا اور قائم رہتی ہے سبب بادی: یہ خارجی سبب ہوتا ہے جو جسم پر موثر ہو کر کوئی نئی حالت پیدا کر دیتا ہے جیسے سرد و گرم ہوا کی سردی یا گرمی یا غصّہ وغیرہ سبب سابق: بدن کو کسی حالت کے قبول پر آمادہ کرے اور کسی واسطے کے ذریعے عمل کرے جیسے امتلاء عفن کہ بخار کے لیے سبب سابق ہے امتلاء عفونت پیدا کرتا ہے اور عفونت بخار کا سبب ہوتی ہے سبب ضروری وہ ہوتا ہے جس کے بغیر زندگی ناممکن ہو کر رہ جائے اور وہ اسباب ستہ ضروریہ ہیں سبب غیر ضروری جو طبیعت کے موافق ہو یا مخالف لیکن اس کے بغیر بھی حیات قائم رہ سکتی ہے سبب مرض مرض پیدا کرنے والا سبب سبب واصل جو بدن میں موجود ہو اور بغیر کسی واسطے کے بدن میں کوئی حالت پیدا کر دے۔

سبب بادی: دیکھو سبب

سبب خارجی: دیکھو سبب

سبب سابق: دیکھو سبب

سبب ضروری: دیکھو سبب

سبب غیر ضروری: دیکھو سبب

سبب مرض: دیکھو سبب

سبب واصل: دیکھو سبب

سبب ذاتی: دیکھو امور اتفاقیہ

سبب اتفاقی: دیکھو امور اتفاقیہ

سبعیت : دیکھو عدالت

سبع سیارہ : ہمہ وقت حرکت میں رہنے والے سات ستارے قمر عطارد زہرہ شمس مریخ مشتری زحل

سبع المثانی : فاتحۃ الکتاب سورۂ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے سبع المثانی کہلاتی ہے۔

سجع : وہ ہموزن فقرے جو کلام نظم و نثر کے آخر میں بار بار آتے رہیں اور نظم و نثر کی تان آخر میں انھیں پر ٹوٹتی رہے۔

سجدہ : لغت کے اعتبار سے سر کو بحالت قیام و قعود یا چلتے پھرتے سامنے کی جانب قدرے جھکا دینا اصطلاح شریعت میں پیشانی اور ناک کو زمین پر ٹیک دینے سے عبارت ہے

سجدۃ التلاوۃ : قرآن مجید کی تلاوت کے دوران چودہ مقامات ایسے آتے ہیں کہ پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوۃ واجب ہوجاتا ہے عام ازیں کہ سامع بالقصد سنے یا بلا قصد۔

سجدۃ السہو : دوران نماز میں کسی رکن کے ترک یا کمی بیشی یا بھول چوک ہوجانے پر جو سجدہ واجب ہوجاتا ہے وہ سجدۂ سہو کہلاتا ہے۔

سحر : شریر الطبع اور خبیث طینت انسان اعمال مخصوصہ سیکھ کر اور ان کو عمل میں لاکر جو شعبدہ اور خلاف عادات کرتب دکھلائے اس کو سحر اور جادو کہا جاتا ہے سحر سیکھنا اور اسکو زیر عمل لانا شرعاً ناجائز و حرام ہے اور جادوگر کو کافر اور واجب القتل قرار دیدیا گیا ہے

سحاب : ابر- بیشتر حالات میں ابر اوپر چڑھنے والے اجزائے بخاری کے تکاثف و انقباض سے پیدا ہوتا ہے اور جب کبھی ہوا سردی کی شدت سے منقبض ہوجاتی ہے تو اس کا بھی نتیجہ وہی ہوا کرتا ہے جو بخار والے ابر کا ہوتا ہے یعنی بارش، اولے، برف، کہر وغیرہ۔

سر (بکسر الاول) : ایک لطیفہ ہے جو قلب میں من جانب اللہ ودیعت کر دیا گیا ہے جس طرح روح بدن میں ودیعت کردی جاتی ہے یہ محل مشاہدہ ہے روح محل محبت ہے اور قلب محل معرفت ہے۔

سر السر : جس کی وجہ سے حق بندے سے منفرد ہوجائے جیسے احدیت کے اجمال میں حقائق کی

تفصیلات کا علم اور نفس الامر میں ان کا اجتماع و شمول جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

سرمد: جس کا نہ اول ہو نہ آخر ہو۔ سرمد دہر کا ظرف ہے یا دہر ازلی یا ابدی ایک رخ اور بازو ہے۔ سرمد کی تفصیل دہر میں پڑھو۔

سرسام: سرسام مرض ہے جس کی وجہ سے دماغ یا دماغی جھلیوں کے اندر ورم پیدا ہو جاتا ہے۔

سطح: جس میں صرف طول اور عرض ہی ہوں عمق نہ ہو۔

سطح حقیقی: وہ جو دو جہتوں میں اس طرح ممتد ہو کہ دونوں کا تقاطع زاویہ قائمہ پر ہو خط کی انتہا جو صرف طولاً اور عرضاً تقسیم ہو سکے عمقاً تقسیم نہ ہو سکے۔

سطح جوہری: وہ بعد جوہری جس کا امتداد (پھیلاؤ) صرف دو جہتوں میں ہو۔

سطح مستوی: جسم کا طرف (کنارہ) جو طول و عرض میں پھیلا ہوا ہو اس کے تمام اجزاء برابر ہوں کوئی بلند و پست نہ ہو۔

سعادت: اخلاقی قوتوں کا اعتدال۔

سفسطہ: وہمی و خیالی اور بادہوائی مقدمات سے مرکب قیاس ہوا کرتا ہے جس کی غرض مقابل مخالف کو صامت و ساکت اور ملزم قرار دے دینا ہوتا ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ جوہر ذہن میں موجود ہے اور جو چیزیں ذہن میں موجود ہوں وہ ذہن میں یعنی غیر میں قائم ہے اور جو چیز غیر میں قائم ہوتی ہے وہ عرض ہوا کرتی ہے لہذا جوہر عرض ہو گیا۔

سفلیطین: سیارات، زہرہ، عطارد، قمر

سقراط: فیثاغورث حکیم و فلسفی کا شاگرد ہے افلاطون کے اساتذہ میں سے ہے یونانیوں کی بت پرستی کا مخالف تھا اسی وجہ سے اس کو زہر کا پیالہ پینا پڑا اور زہر پی کر یہ کہتا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا کہ میں ایک خراب دنیا سے اچھی دنیا میں جا رہا ہوں۔

سقمونیا: مسہل دوا ہے جو بالعموم صفرا کے اخراج کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

سکون: فلاسفہ کے نزدیک قابل حرکت کا حرکت نہ کرنا سکون ہے ان کے مسلک پر مجردات نہ متحرک ہیں نہ ساکن اس لیے کہ وہ حرکت کے قابل اور شایاں ہی نہیں متکلمین کا کہنا ہے کہ جہاں

حرکت ہو سکتی ہو وہاں کچھ دیر ٹھہر جانے کا نام سکون ہے۔

سُکر: (بالضم) ایک نفسانی کیفیت اور غفلت ہے جو روح میں مسرت وانبساط کو ابھار دیتی ہے اور عقل کو مغلوب کر دیتی ہے یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ گرم مرطوب ابخرات دماغ کے تہہ خانوں میں پہنچ جاتے ہیں کیونکہ کوئی ایسی چیز استعمال کر لی جاتی ہے جو ابخرات کو برانگیختہ کر دیتی ہے بسا اوقات اس کی سکرت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ حس اور حرکت ارادہ تک معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔

صوفیائے کرام سکر کو حیرت اور ہیبت قرار دیتے ہیں جو مشاہدۂ جمال محبوب کے وقت طاری ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عقل مغلوب ہو کر رہ جاتی ہے اور قوت تمیز باطل ہو جاتی ہے بعض اوقات محویت اس انتہائی نقطے پر پہنچ جاتی ہے کہ انسان کو یہ خبر تک نہیں ہوتی کہ وہ کیا کچھ کہہ رہا ہے منصور کا نعرۂ انا الحق اور بایزید بسطامی کا سبحانی ما اعظم شانی" اسی قسم کے سکر کے نتائج وثمرات ہیں۔

سکینہ: نزول انوار غیبیہ سے قلب میں جو طمانیت حاصل ہو اس طمانیت کا تعلق مبادیات عین الیقین سے ہے۔

سکون: صالح حرکت جسم کا حرکت نہ کرنا۔

سکوت: قدرت کے باوجود ترک تکلم۔

سکتہ: ایک مرض ہے جس میں مریض بے ہوش ہو کر ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتا ہے اور مردے کی طرح بے جان پڑا رہتا ہے۔

سلف: جو افراد ہمارے آباؤ اجداد اور اقربا سے گزر چکے ہیں وہ سب سلف ہیں جن کی جمع اسلاف ہے، ان میں سے جو افراد اعمال صالحہ اور علم وعمل کے سلسلے کا کوئی کارنامہ انجام دے گئے ہوں وہ سلف صالحین کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

سلف صالحین: دیکھو سلف

سلب: (بفتح وسکون لام) نفی ایجاب، ایجاب کا مقابل نسبت تامہ خبری کا جدا ہونا۔

سلب کلی: افراد موضوع میں سے ہر فرد سے محمول کا سلب مثلاً ہمارا یہ کہنا کہ انسانوں میں کا کوئی

ایک فرد بھی تیجہ نہیں یہ سلب کلی ہے۔

سلب جزی: یہ دو طرح سے ہوتا ہے یا تو بعض افراد موضوع سے محمول کا سلب ہو اور بقیہ دوسرے ابعاض کے لیے محمول ثبوت ہو یا بعض افراد موضوع سے محمول کا سلب ہو عام ازیں کہ دوسرے بقیہ افراد کے لیے ایجاب ہو یا نہ ہو۔

سلب العموم: اس میں ایجاب کلی کا اٹھا دینا ہوتا ہے لیکن وہ ایجاب جزی کے وقت صادق ہو جاتا ہے سلب العوام اور عموم السلب کے مابین فرق یہ ہے کہ جہاں جہاں عموم السلب صادق آتا ہے وہاں سلب عموم صادق آجاتا ہے لیکن سلب عموم جہاں جہاں صادق آتا ہے وہاں عموم السلب صادق نہیں آسکتا۔

سلب بسیط: جس کا مصداق اصلاً موجود نہ ہو۔

سلب ثابت: جو مسلوب الوجود اور ثابت الذات ہو۔

سِل: ایک مشہور مرض ہے اس میں پھیپھڑے کے اندر زخم پڑ جاتے ہیں ہر وقت تھوڑا بہت بخار رہتا ہے کھانسی ہوتی رہتی ہے

سموم: (بالضم) جمع سم بمعنی زہر (بالفتح) یا دسموم زہریلی زہر آلود اور جھلس دینے والی ہوا کبھی کبھی اس زہریلی ہوا میں سرخی بھی جھلک جاتی ہے۔

سمع: سماعت قوت سامعہ اس کو حواس ظاہری میں سب سے افضل و برتر قرار دیا گیا ہے اس کی حفاظت نہایت ضروری ہے

سماعت: دیکھو سمع

سمت القبلہ: اس نقطہ کو کہتے ہیں جو دائرہ افق کو گھیرے ہوئے ہو اگر کوئی شخص مکہ معظمہ کی طرف رخ کر کے اس نقطے کے مقابل کھڑا ہو تو جو خط مصلی کے قدم اور اس نقطے کو ملا دینے والا ہے وہی خط سمت قبلہ ہے۔

سماعی: جس کا تعلق صرف سننے سنانے سے ہو اصطلاح میں اس شئے کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی ایسا قاعدہ کلیہ نہ ہو جو تمام جزئیات پر حاوی ہو بلکہ سارا دار و مدار صرف سننے سنانے پر ہی ہو اس سماعی کا مقابل قیاسی ہے حال سماعی میں یہ صورت ہوتی ہے کہ عرب با عرب

سے جس عامل کا جو بھی عمل سن لیا اسی پر عمل درآمد ہونے لگا کسی قیاس وغیرہ کو اس میں دخیل نہیں ہونے دیا۔ برخلاف عوامل قیاسی کے کہ مثلاً عرب سے یہ سنا کہ یہ عامل اس طرح کا عمل کرے جیسے فاعل کو پیش یا مفعول کو زبر دے گا جیسے لفظ نصر فعل ہے یا فاعل کو پیش اور مفعول کو زبر دیتا ہے اب اگر یہ یعنی ضرب اور فتح کے عمل کے ذیل میں کچھ نہ سنا یا نہیں لیکن قیاس کر لیا کہ نصر کی طرح ضرب اور فتح کے فاعل اور مفعول پر بھی پیش اور زبر ہونا چاہیئے۔

سمین: پتلی چربی جو عموماً گوشت کے ساتھ لپٹی رہتی ہے۔

سنت: لغت میں سنت پسندیدہ اور غیر پسندیدہ دونوں طریقوں کو کہا جاتا ہے شریعت کی اصطلاح میں سنت ایک ایسا راستہ ہے جو دین کی شاہراہ پر انسان کو ڈال دیتا ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کے نشانات ثبت ہوں یا جس پر دین و شریعت کے جاننے والے چلے ہوں۔ سنت کی یہ راہ فرائض و واجبات کی راہ سے الگ ہے فرائض و واجبات کی ادائیگی تو اسلام کے حلقہ بگوش پر لازمی ہے جس سے مفر کی کوئی راہ نہیں۔ لیکن سنت الخلفاء الراشدین المھدیین اور اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم کے فرمان رسول اللہ علیہ السلام کی بناء پر صحابہ کرام کی سنت اور طور طریق پر عمل کا درجہ بہرحال فرض و واجب کے بعد ہے اور اس طریقے پر بطور فرض و وجوب کے نہیں بلکہ رسول اللہ اور اصحاب کرام کی اتباع و پیروی کے پیش نظر چلنا چاہیئے زمرہ سنت میں سے بعض سنن مثلاً جماعت، اذان اور اقامت شعائر دین کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں جن سے رو کے جانے کی صورت میں احکام ویسے ہی سخت ہیں جیسے کہ ترک فرائض و واجبات کے سلسلے کی تعزیرات ہیں۔

سنتیں دو طرح کی ہیں ایک سنن ہدیٰ دوسری سنن زوائد

سنن ہدیٰ وہ ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ بطور عبادت و تقرب یا بطور تکمیل ہدایت عمل فرمایا ہے اور کبھی اتفاقاً ان کو ترک بھی فرما دیا ہے۔ تاکہ ان سنتوں کو فرض و واجب کا درجہ نہ دے دیا جائے۔

سنن ہدیٰ کو سنن مؤکدہ بھی کہا جاتا ہے۔
سنن زوائد وہ ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت وتقرب کے نہیں بلکہ بطور عادت عمل فرمایا ہے ان سنن کو غیر مؤکدہ سنن بھی کہا جاتا ہے اور یہ درجہ استحباب میں ہیں اور مستحب پر عمل مستحسن ہے اور ترک پر کوئی مواخذہ نہیں۔

سنن ہدیٰ : دیکھو سنت

سنن مؤکدہ : دیکھو سنت

سنن غیر مؤکدہ : دیکھو سنت

سنن زوائد : دیکھو سنت

سن شمسی : تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن چھ گھنٹے چند دقیقوں اور چند ثانیوں کا ہوتا ہے۔

سن قمری : تین سو چون (۳۵۴) اور ایک تہائی دن کا ہوتا ہے سن شمس سن قمری سے گیارہ (۱۱) دن اور ایک دن کے گیارہویں حصے کے بقدر زیادہ ہوتا ہے عام شہرت یہ ہے کہ وہ سن قمری تین سو ساٹھ (۳۶۰) دن کا ہوتا ہے۔

سن، سن نمو، سن وقوف، سن کہولت، سن شیخوخت :۔ سن عمر سن نمو تقریباً تیس سال تک، سن وقوف چالیس سال تک، سن کہولت جس کو سن انحطاط بھی کہا جاتا ہے چالیس سے تقریباً ساٹھ سال تک، اس کے بعد آخر عمر تک سن شیخوخت کی لاچاریاں اور درماندگیاں اور ہمہ وقت کا یہ ورد کہ ع

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

سن نمو :۔ دیکھو سن

سن وقوف : سن دیکھو

سن کہولت : سن پڑھو

سن شیخوخت : پڑھو سن

سوداء : مشہور خلط ہے جب کیلوس جگر میں پہنچ کر پک جاتا ہے اور وہ اخلاط مختلفہ خون صفراء بلغم بن جاتا ہے۔ تو تلچھٹ کے طور پر جو چیز تہ نشین ہوجاتی ہے وہ سوداء کہلاتی ہے اس

کو سوداء طبعی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا مزاج سرد و خشک ہے یہ خون کو گاڑھا کرتا ہے تاکہ وہ سرد و خشک اعضاء ہڈی وغیرہ کی غذا بن سکے اس کا کچھ حصہ فم معدہ پر گرتا ہے جس سے بھوک کا احساس ہوتا ہے سوداء طبعی خون کی تلچھٹ ہوتی ہے۔ غیر طبعی کسی خلط یا خود سوداء کے جلنے سے پیدا ہوتا ہے۔ غیر طبعی وہ سوداء کہا جاتا ہے جو کسی خلط صالح کے جل جانے یا خود سوداء طبعی کے جل جانے سے پیدا ہوتا ہے اسی لحاظ سے قدرتی طور پر سوداء غیر طبعی کی چار قسمیں بن جاتی ہیں کیونکہ جو خلط بھی جل کر سوداء بنا وہ غیر طبعی ہو رہا چنانچہ سوداء خونی سودائے صفرائی سوداء بلغمی، سودا سوداوی اسی کے نام ہیں۔

سوداء طبعی : دیکھو سوداء

سوداء غیر طبعی : دیکھو سوداء

سُؤر : (بضم الاول وسکون الثانی) لغت میں سور کے معنی شہر کی فصیل اور حصار کے ہیں منطق کی اصطلاح میں لفظ کل یا بعض افراد موضوع کی تعداد بتلانے کے لیے مستعمل ہوتا ہے فقہ کی اصطلاح میں اس کے معنی کھانے اور پینے کے اوپس خوردہ یعنی بچے ہوئے یعنی جھوٹے کھانے پینے کے لیے جاتے ہیں۔ جیسے "سُؤر المومن شفاء"۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اگر کسی کا جھوٹا کھانا یا پانی کھا پی لے تو تکبر و انانیت کی بیماری سے اس کو فی الفور شفا ہو ہی جاتی ہے۔

سوفسطائیہ : فلاسفہ کا وہ گم کردہ راہ طبقہ جو حقائق کا منکر ہے اور تمام اشیاء موجودات کو توہمات و تخیلات کی بازی گری سمجھتا ہے اس گروہ کی تین شاخیں ہیں عنادیہ، عندیہ اور لاادریہ ان کے مابین فرق ان کی ہر سہ شاخوں عنادیہ، عندیہ اور لاادریہ میں معلوم کرو۔

سورۃ فاتحۃ الکتاب : دیکھو ام الکتاب

سورۃ فاتحہ : فاتحۃ الکتاب، سبع المثانی، یہ سورۃ دوبارہ نازل ہوئی۔

سورۃ محمد : دیکھو ام الکتاب

سوء القنیا : یہ مرض استسقاء کا پیش خیمہ ہے اس مرض سے جگر بڑھ جاتا ہے اور چونکہ غذا جزو بدن نہیں ہوتی اس وجہ سے بدن ڈھیلا ہو جاتا ہے۔

سوءمزاج : مزاج کی خرابی کو کہتے ہیں اس میں مزاج اپنے اعتدال طبعی سے منحرف ہوجاتا ہے وہ
مرض مفرد بھی سوءمزاج سے تعبیر کیا جاتا ہے جو پہلے پہل اعضاء مفردہ میں پیدا ہوتا ہے ۔

سوءمزاج مفرد : سوءمزاج کی وہ قسم جس میں چاروں کیفیتوں گرمی، سردی خشکی، تری میں سے
کسی ایک کیفیت کو غلبہ ہو، اس کو سوءمزاج سادہ اور سوءمزاج بسیط بھی کہا جاتا ہے ۔

سوءمزاج سادہ : دیکھو مزاج مفرد

سوءمزاج بسیط : دیکھو مزاج مفرد

سوءمزاج مرکب : اس میں ہر چہار کیفیات گرمی سردی خشکی تری میں سے دو کیفیتیں اپنے تناسب
واعتدال سے بڑھ جاتی ہیں اگر اس کے ساتھ کوئی مادہ نہ ہو تو سوءمزاج ساذج ہے اگر مادہ ہو
تو سوءمزاج مادی ہے ۔

سوءمزاج ساذج : دیکھو سوءمزاج مرکب

سوءمزاج مادی : دیکھو سوءمزاج مرکب

سوءمزاج مستحکم : وہ مزاج جس نے پائیداری حاصل کر لی ہو ۔

سہو : خیال سے کسی صورت یا کسی بات کا زائل ہو جانا لیکن خزانہ دماغ میں اس کا محفوظ رہنا ۔
بخلاف نسیان کے کہ اس میں بات یا صورت خزانہ ہی سے زائل ہو جاتی ہے گویا سہو، ادراک
اور نسیان کے مابین ایک حالت ہے ۔

سہم الاسطوانہ : دیکھو اسطوانہ

سہم المخروط : دیکھو اسطوانہ

سیمیا : طلسم میں دیکھو ۔

سیارات : متحرک ستارے

سیارات سبعہ : سبع سیارہ میں پڑھو

سیاست مدینہ : حکمت عملی کی قسم ہے جس میں ایسے امور سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق ایک
جماعت کثیرہ کے وسیع دائرہ عمل اور مصالح عامہ سے ایک شہر یا ملک میں شریک ہونے
کی حیثیت سے ہو ۔

سیاست المدن، سیاست مدینہ میں پڑھو۔

سیرۃ: اخلاق، عادات، خصائل، جبلت، طبیعت، طرز روش، چال ڈھال، طور طریق، امیال واذواق، طبیعت ثانیہ (سیکنڈ نیچر) اس کی مزید وضاحت وتشریح کے لیے سیرۃ کا ایک آئینہ نمونے کے طور پر آئندہ اوراق میں جڑ دیا گیا ہے اس میں سیرۃ کے خدوخال دیکھ لو اور اگر چاہو تو سیرۃ النبی صلعم کے اسی سانچے میں خود کو ڈھال لو۔

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

ش

شاذ: جو چیز بھی خلاف قیاس ہو وہ شاذ کہلاتی ہے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر۔

شاذ (حدیث): جس کی اسناد ایک ہو اور جس کو کسی ایک ثقہ یا غیر ثقہ راوی نے روایت کیا ہو۔ اگر راوی غیر ثقہ ہے تو وہ حدیث ناقابل قبول ہوگی اگر راوی ثقہ ہے تب بھی اس پر امت کا اجماع نہ ہو سکے گا۔

شاہد: لغت میں شاہد کے معنی حاضر کے ہیں شریعت کی اصطلاح میں شاہد اس گواہ اور خبر دینے والے کو کہتے ہیں جو کسی معاملے، قصے قضیہ یا کسی ایک شخص کے موافق اور دوسرے کے مخالف گواہی دے۔ ایسی گواہی جو ظن وتخمین پر نہیں بلکہ عینی مشاہدے پر مبنی ہو جیسا کہ رسول اکرم کا ارشاد ہے کہ جب تم روشن سورج کی طرح کسی بات کو دیکھ لو تب تو گواہی دو ورنہ گواہی دینے سے باز رہو جہاں حقوق کا سوال درپیش ہو وہاں بھی گواہی ضروری ہے۔ محبوب ومعشوق کو بھی اس بنا پر شاہد کہا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت عاشق کے تصور پر مسلط اور اس کے خیال پر سوار رہتا ہے کبھی شاہد کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو قلب مومن میں موجود ہو اور وہ ہر وقت اسی کا ذکر واذکار کرتا رہے اگر علم غالب ہو تو شاہد العلم کہا جائے گا اگر وجد غالب ہو تو شاہد الوجد کہا جائے گا اگر حق غالب ہو تو شاہد الحق لقب پائے گا۔

شاہد العلم: دیکھو شاہد

شاہد الحق: دیکھو شاہد

شاہد الوجد: دیکھو شاہد

شاکّہ: (بہ تشدید الکاف) فرقہ لاادریہ میں کا ایک ذیلی فرقہ شاکّہ کہلاتا ہے جو ہر امر میں اظہار شک کرتا رہتا ہے۔

شاعر: دیکھو شعر

شبہ: اگر کسی چیز کا حرام یا حلال خطا یا صواب غلط یا صحیح ہونا مشتبہ ہو جائے تو اس کو شبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شجاعت: (دیکھو عدالت)

شحم: وہ موٹی اور غلیظ چربی جو بالعموم گوشت سے علیحدہ پردے کی شکل میں پائی جاتی ہے

شحم حنظل: اندرائن کا گودا جو اخراج بلغم کے لیے بطور مسہل استعمال کیا جاتا ہے۔

شخص: اس کا اطلاق صرف معین اور جسم خاص پہ ہو سکتا ہے بخلاف ذات کے کہ اس کا اطلاق جسم پہ بھی ہوتا ہے اور جو اشیاء کہ جسم و جسمانیت سے بری ہیں ان پہ بھی اطلاق ہوتا ہے۔

شرع شریعت: بیان، اظہار، طریق و مذہب بنا دینا۔ التزام عبدیت، طریق دین۔ دین کی وہ باتیں اور وہ احکام (اوامر و نواہی) جو حق تعالے نے بندوں پر قرآن کے ذریعے نازل فرمائے اور جو رسول اللہ کے قول و فعل و عمل سے اور طور طریق سے ثابت ہوئے۔

شریعت: دیکھو شرع

شراب: جمع اشربہ۔ لغت میں ہر پینے کی چیز کو شراب کہا جاتا ہے خواہ حرام ہو یا حلال۔ اصطلاح شریعت میں اس پینے کی چیز پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو نشہ آور ہو۔ شریعت نے اس سلسلے میں ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ کل مسکر حرام ہر نشہ آور چیز حرام ہے

شراب مطار: وہ شراب جس پر چھ ماہ گذر چکے ہوں۔

شرط: جس پر شئے موقوف ہو اور وہ خود شئے کا جز اور اس میں داخل نہ ہو۔ اس کی جمع شروط ہے ایک شرط علامت قیامت کے معنی میں بھی آتی ہے اس کی جمع اشراط ہے شرط

کو شرطیہ بھی کہا جاتا ہے۔

شروط: اس شرط کی جمع جس پر شئی موقوف ہوتی ہے اور وہ شئے کی نہ تو جزء ہوتی ہے اور نہ اس میں داخل ہوتی ہے۔

شریط: دیکھو شر

شرط حقیقی: جس پر حقیقۃً فاعل کی تاثیر موقوف ہو۔

شرط عادی: جس پر حقیقۃً نہیں بلکہ عادتاً فاعل کی تاثیر موقوف ہو۔

شرائین: شریان کی جمع ہے شریان ایک متحرک رگ ہوتی ہے جو دل سے نکل کر تمام جسم میں خون اور روح حیوانی کو سپلائی کرتی رہتی ہے۔

شرطیہ شخصیہ (قسم قضیۂ شرعیہ) جس میں حکم تقدیر معین اور وضع خاص پر ہو۔

شرطیہ کلیہ (قسم قضیۂ شرعیہ) : جس میں حکم جمیع تقادیر مقدم پر ہو۔

شرطیہ جزئیہ (قسم قضیۂ شرعیہ) : جس میں حکم بعض تقادیر پہ مقدم ہو۔

شطح: ایسا کلام جس سے زبان بربناء نفرت لڑکھڑائے کان اس سے کراہت و ناگواری محسوس کریں اور اس سے رعونت وادعا کی بو آتی ہو اگرچہ کلام سچا ہی کیوں نہ ہو محققین اس کے قائل کو پسند نہ کریں اگرچہ قائل خود بھی محقق ہی کیوں نہ ہو۔

شطر: جزء کو کہا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ التصور شطر التصدیق عند الامام الرازی ارباب عروض نصف شعر کے حذف کر دینے کو شطر کہتے ہیں اور اس باقی نصف شعر کو مشطور کہا کرتے ہیں۔

شعر: (بالکسر) لغت میں جاننے اور دریافت کر لینے کے معنی میں آتا ہے اصطلاح عروض میں ایسے موزوں کلام کو کہا جاتا ہے جو معنیٰ رکھتا ہو۔ متقفیٰ ہو اور کہنے والے نے کلام کو موزوں رکھنے کا قصد و ارادہ بھی کیا ہو۔ بنا بریں ایسا کلام جو غیر موزوں ہو یا موزوں ہو لیکن معنی نہ رکھتا ہو اور معنی رکھنے کی صورت میں قائل کے قصد و ارادے کو اس میں دخل نہ ہو وہ شعر نہیں کہا جا سکتا۔ شعر کی اس تعریف سے شاعر کی تعریف بھی خود بخود ذہن میں آگئی ہوگی

شعور: معلومات و معقولات کی تہہ تک پہنچ جاتے لیکن ثبات و قرار اور طمانیت حاصل نہ ہو سکے

شفقت : عوام الناس کی تکالیف دور کرنے کا نام شفقت ہے۔
شفاء : اخلاط اربعہ کا اعتدال کی جانب مائل ہونا شفا ہے۔
شقاوت : اخلاقی قوتوں کا اعتدال سے انحراف۔
شکر : اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتراف کو شکر کہا جاتا ہے شکر کی بہترین صورت یہ ہے کہ اعتقاد واعتراف قلبی کے ساتھ انسان کی زبان سے بدن کے ہر عضو، ہر حرکت، ہر ادا اور روش روش سے اقرار نعمت واظہار شکر ہوتا رہے اور اس سے بھی اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان ادائے شکر سے عجز وقصور کا اعتراف کرلے اور سمجھ لے کہ اس سے عہدہ برآ ہو ہی نہیں سکتا۔
شکور : دیکھو شکر
شکل (فلسفی) : وہ ہیئت یا کیفیت جو ایک حد یا چند حدود کے احاطے سے حاصل ہو یا مقدار کے لیے جہتہ تناہی سے حاصل ہو۔
شکل طبعی : وہ شکل جو بلا موانع کے طبعی اقتضاء سے ہو۔
شکل منطقی : وہ ہیئت جو حد اوسط کو اصغر (صغریٰ) اور اکبر (کبریٰ) کے قریب رکھنے کی کیفیت سے حاصل ہو اگر حد اوسط صغریٰ میں محمول اور کبریٰ میں موضوع ہو تو شکل اول ہے اور دونوں میں محمول ہو تو شکل ثانی اگر دونوں میں موضوع ہو تو ثالث ہے اگر پہلی شکل کا عکس ہو تو شکل رابع ہے۔
شک : جس کے جانبین میں موافق ومخالف برابر ہوں۔
شہود : کائنات وموجودات عالم میں صرف حق ہی حق کا نظر آنا
شہادت : دیکھو شاہد
شے : وہ وجود جس کا اطلاق کائنات کی ہر چیز اور ہر ہر ذرے پر کیا جا سکے خواہ وہ جواہر ہوں یا اعراض ہوں موجود، ثابت، متحقق۔
شیخین : فقہ میں شیخین کا اطلاق امام اعظم (ابوحنیفہ) اور امام ابویوسف پر کیا جاتا ہے۔ حکمت وفلسفے میں فارابی وبوعلی سینا پر۔ تصوف میں شیخ مقتول اور شیخ شہاب الدین سہروردی پر
شیطان : مشہور شخصیت ہے مخلوقات میں سب سے بدتر اور مستحق لعنت ہے لیکن اس انسان

سے بہتر ہے جو حق تعالیٰ کے سامنے نہ جھکے۔

شیطان ہزار مرتبہ بہتر ز آدمے
او سجدہ پیش آدم وایں پیش حق نکرد

شیطان باطل کوش، حق پوش، ناحق پرست، نافرمان اور سچائی سے دور رہتا ہے اس کا دوسرا فرد ابلیس مکار و فریب کار ہوتا ہے۔

شیخ الجبل: حسن ابن صباح یانی فرقہ باطنیہ و مؤسس قلعۂ الموت کا لقب جس نے اپنے متبعین و فدائیوں کے ذریعے عالم اسلام میں تہلکہ برپا کر دیا تھا۔

شیخ الجبال: دیکھو شیخ الجبل۔

شیاف: شافہ کی جمع ہے شافہ اس بتی یا فتیلہ کو کہتے ہیں جو دواؤں میں لت کر کے مخرج براز میں رکھی جاتی ہے کبھی اس سلائی کو بھی کہدیتے ہیں جس کو دوا سے تر کر کے آنکھوں میں پھیرا جاتا ہے۔

ص

صاحبین: علم فقہ میں صاحبین کا اطلاق امام اعظم کے ہر دو تلامذہ امام ابویوسف اور امام محمد پر کیا جاتا ہے۔

صادع: یعنی پھاڑ دینے والا یعنی وہ تفرق اتصال جو ہڈی یا کری کے طول میں ہو اور اس کو پھاڑ دے

صافن: پنڈلی کے اندر کی طرف کی وہ رگ جو ٹخنوں تک چلی جاتی ہے اور ٹخنے پر انگوٹھے کے مقابل واقع ہے۔

صاعقہ: دیکھو رعد

صبر: مصائب اور ہمہ قسم کے ابتلاء سے رنجیدہ خاطر ہو کر غیر اللہ کے سامنے شکوے شکایات نہ کرنا اور اپنا سارا دکھ درد صرف اللہ سے کہنا اور اسی سے مدد کا درمان اور دکھ کا مداوا طلب کرنا انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ صبر (بالفتح) صبر (بالکسر) کی طرح تلخ ضرور ہوتا ہے دیکن بر شیریں دارد۔

صبح صادق: وہ سفیدی جو افق مشرق میں شروع ہو کر عرضاً پھیلنے لگتی ہے اس کے بعد تاریکی

کا ظہور نہیں ہوتا۔

صبح کاذب : وہ سفیدی جو افق مشرق میں طولاً شروع ہوتی ہے اس کے بعد پھر تاریکی چھا جاتی ہے۔

صحیح : یہ لفظ مریض اور فاسد کا ضد ہے۔ فقہا کے نزدیک صحیح وہ کہلاتا ہے جو اپنی اصل اور وصف کے لحاظ سے صحیح ہو۔ اہل صرف صحیح اس کو کہتے ہیں جس کے حروف اصلی، ف، ع، ل میں سے کسی حرف کی جگہ حرف علت قابض ہو جائے نحویین اس کلمے کو صحیح قرار دیتے ہیں جس کے حرف آخر لام کی جگہ حرف علت نہ ہو۔ اہل صرف و نحو کی تعبیرات اس لیے مختلف ہو گئی ہیں کہ علم صرف کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ وہ کلمے کے جوہر کو پرکھتے ہیں اور اس کی صحت اور اس کے تغیرات سے بحث کرتے ہیں برخلاف نحویین کے کہ وہ اعراب و بناء کی حیثیت سے کلمے کے صرف حرف آخر سے غرض رکھتے ہیں یہ دونوں اپنے اپنے کلمے کو سالم بھی کہا کرتے ہیں۔ اہل حساب و ہندسہ عدد مطلق یعنی واحد غیر معین کو صحیح کہتے ہیں جس کا مقابل کسر ہے اطباء صحیح اس جاندار کو قرار دیتے ہیں جو ایسی بدنی کیفیات کا حامل ہو جس سے بذات خود افعال سلیمہ سرزد ہوں جس میں تغیر و تبدیلی نہ ہو۔ محدثین حدیث صحیح کو صحیح کہتے ہیں۔

صحت : ایسی حالت یا ایسے ملکہ کو صحت سے تعبیر کیا جاتا ہے جس سے بجائے خود افعال سلیمہ سرزد ہوں اس تعریف کے دائرے میں انسان و حیوان کے علاوہ نباتات بھی آجاتے ہیں کیونکہ ان سے بھی افعال سلیمہ مثلاً جذب، تغذیہ، تنمیہ، تولید وغیرہ صادر ہوتے رہتے ہیں لہٰذا وہ بھی دائرہ صحت و صحیح میں آجانے چاہئیں فقہا کے نزدیک وہ افعال معیار صحت پر پورے اترتے ہیں جو عبادات میں قضاء فعل کا موجب نہ بن سکیں اور معاشرت میں شرعاً ثمرات کے مترتب کا سبب بن سکیں اسی صحت کا بالمقابل باطل ہے۔

صحو : احساس کا زوال اور اس کا غائب ہو جانا صحو کہلاتا ہے۔

صحابی : جس نے بحالت ایمان رسول اللہ کا جمال جہاں آراء دیکھا ہو۔

صدق : جو امر علم و اعتقاد کے مطابق ہو یا جو امر واقع کے مطابق ہو یا جو حق جل مجدہ کے علم میں جس طرح ہو اور لوح محفوظ پر جس طرح ثبت ہے اس کے مطابق ہو یا جہاں ہلاکت کا خطرہ ہو وہاں بھی

بات کہنا یا جہاں جھوٹ بولے بغیر نجات کی راہ نہ ہو وہاں سچ بولنا۔

صدر: علم عروض میں شعر کے پہلے مصرع کے جزو اول کو صدر کہا جاتا ہے لغت میں (ہر کس و ناکس جانتا ہے) اس کے معنی سینہ کے ہیں۔

صدقہ: حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے کسی کو اپنا عین المال تفویض کر دینا صدقہ کہلاتا ہے۔ فقراء کو اگر کوئی چیز ہبہ کے نام سے دی جائے تب بھی وہ صدقہ ہی رہے گی اور اغنیاء کو صدقہ کا نام دے کر دی جائے تب بھی وہ صدقہ نہیں بلکہ ہبہ ہی رہے گی ہبہ اور صدقہ میں فرق یہ ہے کہ ہبہ واپس لیا جاسکتا ہے اور صدقہ کی واپسی نہیں ہو سکتی۔

صرف: ایسا علم جس کے ذریعے کلمے کے حالات تعلیل کی حیثیت سے جانے جائیں۔

صراط: لغت میں راستے کے معنی ہوتے ہیں خواہ راست ہو یا کج۔ شریعت کی اصطلاح میں بال سے بھی باریک اور تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز پل جو قیامت کے روز دوزخ پر بنا دیا جائے گا جس پر سے تمام انسانوں کو لازماً گزرنا پڑے گا۔ مستحقین جنت اس پر سے تیزی یا آہستہ خرامی کے ساتھ گزر کر جنت میں داخل ہو جائیں گے اور کفار مشرکین اور گنہ گار مسلمان اس کی دھار سے کٹ کر واصل جہنم ہوں گے العیاذ باللہ۔

صراط مستقیم: تمام دینی و دنیوی امور اعمال و افعال اقوال عبادات معاملات، اعتقادات و اخلاقیات میں حدود توسط (درمیانی اور سیدھی راہ) اختیار کرنا اور مسلک اعتدال کو ملحوظ رکھنا۔

صریح: جس کلام سے کثرت استعمال کی بناء پر مقصد پورا پورا ظاہر و واضح ہو جائے۔ کثرت استعمال حقیقی ہو یا مجازی۔ نص کا بھی یہی مفہوم ہے الّا یہ کہ اس میں کثرت استعمال کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

صرع: مرگی۔ یہ ایک مشہور مرض ہے اس میں وقتاً فوقتاً دورے پڑا کرتے ہیں جس میں مریض بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ اور ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو جاتے ہیں آنکھوں کے ڈھیلے اوپر کو پھر جاتے ہیں اور منہ سے جھاگ آنے لگتا ہے۔

صعق: لغت میں آسمان سے برسنے والی آگ کو کہا جاتا ہے اصطلاح تصوف میں تجلی ذاتی کی بناء پر حق میں فنا ہو جانے کا نام صعق ہے۔

صغریٰ: مقدمہ کا پہلا جزو۔ (منطق)
صفت: اس اسم کو کہا جاتا ہے جو ذات کے بعض حالات کی جانب رہنمائی کرے بالفاظ دیگر وہ ایسا اسم ہے جو ذات مبہم پر دلالت کرے جس کے ساتھ کچھ صفات بھی ہوں۔ صفت کے سلسلے میں یہ امر ملحوظ رہے کہ موصوف اور محل جب ہر جہت سے یعنی تمام جہات سے ایک ہی ہو تو اس کی صفات متنوع یعنی قسما قسم کی ہوں گی کبھی شئ کی صفت سے وہ چیز مراد ہوتی ہے۔ جو اس شئ میں داخل اور اس کی رکن ہو۔ صفت اور شرط بظاہر اس بناء پر ملتی جلتی سی معلوم ہوتی ہیں کہ وہ دونوں موصوف اور مشروط پر موقوف ہوا کرتی ہیں تاہم ان کے مابین دقیق فرق ہے شرط مشروط سے خارج اور صفت موصوف میں داخل ہوا کرتی ہے
صفات سبعہ: (حق جل مجدہ کی سات صفات)۔ حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، البصر، کلام، بعض نے صفات تکوین و ایجاد کا اضافہ کر کے صفات کی تعداد آٹھ کر دی ہے۔
صفات ذاتی: جس سے حق جل مجدہ موصوف ہے اور ان صفات کی ضد سے منزہ ہے جیسے قدرت عظمت، عزت وغیرہ۔
صفات فعلی: وہ صفات جن کی ضد سے بھی حق جل مجدہ کا متصف ہونا ممکن ہو۔
صفات الاجناس: دیکھو صفات نفسیہ۔
صفات معنویہ: دیکھو صفات نفسیہ۔
صفات جلالیہ: وہ صفات جن کا قہر و غضب اور عزت و عظمت سے تعلق ہو۔
صفات جمالیہ: جو صفات رحم و رحمت اور لطف و کرم سے متعلق ہوں۔
صفات نفسیہ: صفات نفسیہ کی تعبیرات مختلف فضلاء نے جداگانہ اور اپنے اپنے طور پر کی ہیں جو لوگ ان صفات کو کسی محل میں حال قرار دیتے ہیں ان میں سے قاضی باقلانی اور ان کے متبعین کی رائے یہ ہے کہ ذات کے بقا کی صورت میں یہ صفات اس سے جدا اور مرتفع ہو ہی نہیں سکتیں مثلاً صفت جوہریت اور موجود ہونے کی صفت صفات نفسیہ میں سے ہے۔ کہ جو ذات کے باقی رہنے تک لازماً باقی رہتی ہے۔ جبائی اور اس کے ہمخیال معتزلہ کا خیال یہ ہے کہ ان صفات کی وجہ سے متماثلین میں تماثل اور متخالفین میں تخالف واقع ہو جاتا ہے جیسے سوادیت

اور بیاضیت (سیاہ ہونا اور سفید ہونا) اشاعرہ بنیادی طور پر صفات نفسیہ کے حال ہونے کی نفی کرتے ہیں ان کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ صفات صرف ذات کا پتہ دیتی ہیں اس کے علاوہ کسی اور زائد معنی کی جانب رہنمائی نہیں کرتیں مثلاً وہ صرف یہ بتلاتی ہیں کہ ذات جوہر ہے یا موجود ہے یا ذات ہے یا شئی ہے اشاعرہ میں سے کچھ افراد ان کی تعبیر ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ صفات نفسیہ وہ ہوتی ہیں کہ ان کی ذات کا وصف کسی امر زائد کے سمجھنے کا محتاج نہیں ہوتا اگر دیکھا جائے تو اشاعرہ کی ان دونوں تعبیروں کا حاصل ایک ہی ہے ان صفات نفسیہ کے بالمقابل صفات معنویہ بھی ہوتی ہیں جو اس امر کی طرف مشعر ہوتی ہیں جو ذات پر زیادہ ہوتا ہے مثلاً ذات کا مکان میں ہونا جس کو تحیز سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ تحیز ذات جوہر پر زائد نہیں ہے یا مثلاً حدوث جس کے معنی ہی وجود کے مسبوق بالعدم ہونے یعنی عدم سے وجود میں آنے کے ہیں اور اس کے ذات پر امر زائد ہونے میں بھی کوئی اشتباہ نہیں ہے صفات نفسیہ کو صفات الاجناس بھی کہا جاتا ہے۔

صفراء: پت۔ زرد رنگ کا تیز تلخ خلط ہے جو جگر کے اندر پیدا ہو کر کچھ تو پتے میں جمع رہتا ہے جہاں سے ضرورت کے وقت تراوش کر کے غذا کے ہضم اور فضلات کے اخراج میں مدد دیتا ہے اور کچھ خون میں مل جل کر پھیپھڑوں کو اور دوسرے اسی طرح کے گرم وخشک اعضاء کی غذا بن جاتا ہے منفعت کے لحاظ سے اس کا درجہ بلغم کے بعد ہے مزاج گرم تر ہے خون کو رقیق کر کے باریک رگوں میں پہنچنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ آنتوں پر چھائے ہوئے لیسدار بلغم کو دھو ڈالتا ہے۔

صفراء طبعی: شوخ سرخ اور زعفرانی رنگ اور ہلکے وزن کا ہوتا ہے اس میں تیزی زیادہ ہوتی ہے۔

صفراء غیر طبعی: اس میں غلیظ یا رقیق بلغم یا جلا ہوا سودا مل جاتا ہے یا خود طبعی صفراء بھی جل کر غیر طبعی صفراء کہلانے لگ جاتا ہے رنگ زرد ہوتا ہے اس میں بلغم کی آمیزش ہوتی ہے یہ صفراء زنگاری، زنجاری، اصحیٰ، مرّہ، متعدد اقسام کا ہوتا ہے۔

صلہ: (بالکسر) لغت میں عطیہ اور ہدیہ کے معنی میں آتا ہے اصطلاح نحو میں اس جملہ خبریہ کو صلہ

کہا جاتا ہے جو موصول کے بعد آتا ہے اور موصول میں جو خبر ہوتی ہے وہ اس کی طرف راجع ہوتی یعنے (لوٹنے والی) ہوتی ہے۔

صناعت: علم اور صناعت عرف عام میں ایک دوسرے کے بالمقابل بولے جاتے ہیں جو علوم عمل کرنے سے حاصل ہوتے ہیں انہیں عرف عام میں صناعت کہا جاتا ہے مثلاً سنار لوہار وغیرہ پیشہ وروں کی صفت اور جو علوم صرف نظر و استدلال اور ذہنی غور و فکر سے حاصل کیے جاتے ہیں ان کو علوم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صناعت نفس انسانی کا وہ حاسہ ہے جس کی رہنمائی سے انسان کسی شے اور جسم کو قصد و ارادے سے کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کی غرض سے بنانے اور ڈھالنے پر قادر ہو جائے جیسے لوہار لوہے سے بالارادہ تلوار بنانے پر قادر ہو جاتا ہے لغت میں صانع کی حرفت اور عمل صنع کو صناعت کہا جاتا ہے اس کی جمع صناعات ہے اصطلاح میں ایک ملکہ ہے (نفس میں راسخ یعنی رچی ہوئی کیفیت) جس کی وجہ سے بلا دقت و زحمت اختیاری افعال صادر ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صناعت ایک ایسا علم ہے جو کیفیت عمل سے تعلق رکھتا ہے اور کام کی مشق و مزاولت سے حاصل ہو جاتا ہے۔

صنف: وہ نوع کہلاتی ہے جو کسی صفت عرضی کی پابند ہو جیسے پاکستانی انسان۔

صورت: صورت وہ جوہر ہے جو بذاتہٖ متصل اور ہر سہ جہات طول عرض عمق میں پھیلی ہوئی ہے یا وہ حقیقت جس میں مزید کی قید یا حیثیت کا لحاظ نہ کیا جائے یا جس کی وجہ سے شئے دوسرے سے ممتاز ہو جائے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شئے کی صورت وہ ہوتی ہے جس سے شئے بالفعل حاصل ہو جائے اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ شئے بھی تو آخر صورت ہی ہوا کرتی ہے لہذا اس کے لیے ایک اور صورت درکار ہو گی تاکہ وہ دوسری صورت سے ممتاز ہو جائے۔ اس صورت میں امتیاز جاتا رہے گا اور مزید برآں تسلسل لازم آجائے گا جو محال ہے۔ اعتراض اس طرح رفع کیا جا سکتا ہے کہ صورت الصورت کوئی جداگانہ صورت نہیں ہے بلکہ وہ تو خود صورت ہی ہے جیسے وجود عین وجود ہوا کرتا ہے۔ نیز جواب میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ صورت امر انتزاعی اعتباری ہے اور امور اعتباری انتزاعی ہیں،

تسلسل محال ہی کیے ہے یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ماہیت حضور علمی کے لحاظ سے صورت ہوا کرتی ہے اور وہ عینی یعنی وجود خارجی کے لحاظ سے عین ہی ہوتی ہے صورت سے ماہیت معلومہ مراد ہوتی ہے اور وہ امر بھی مراد ہوتا ہے جو تشخص ذہنی سے متشخص ہو جائے صورت کا اطلاق جب کیفیت پر ہو جو آلہ تعقل ہے تو اس صورت میں وہ شخصی صورت ہو گی، اور جب اس معلوم پر اطلاق ہو جس کی وجہ سے وہ ذہن میں ممیز ہو گئی ہے تو کلی صورت ہو گی۔

صوفیا کرام اور عرفا طریقت صورت کو امر خفی کے ظہور کا محل قرار دیتے ہیں اس بنا پر کہ وہ امر خفی اس صورت کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات پر غور کیا جائے تو نتیجہ یہی ہو گا کہ وہ سب حق تعالیٰ کی صور و مظاہرہ اور اس کی مطلق و مقدس ذات کے جلوے ہوں گے جو صورتوں کی قیدیں آ کر ظاہر ہو گئے ہیں اسی بنا پر جس قدر اعیان ثابتہ ہیں وہ اسماء الٰہی کی صورتیں ہیں اور اعیان خارجی اعیان ثابتہ کی صورتیں ہیں۔

صورت مطلقہ: صورت کی وہ حقیقت جس میں اطلاق کی قید اطلاق کی حیثیت سے ملحوظ ہو۔

صورت جسمیہ: جوہر بسیط اور ایسا امتداد جس میں طول و عرض وعمق پائے جائیں یہ اپنے تشخص میں ہیولیٰ کی محتاج رہتی ہے

صورت نوعیہ: جس کی وجہ سے انواع جسم (قسما قسم کے جسم) باہم ممتاز و مختلف ہو جائیں اور جو آثار و اشکال مختلف کا سبب بن جائے اور بالفعل اپنے محل کے بغیر نہ پائی جائے۔

صیغہ: وہ ہیئت ہے جو حروف و حرکات و سکنات کی ترتیب سے کلمے کو حاصل ہوتی ہے۔

ض

ضبط تولید: دیکھو عزل۔

ضحک: ایک کیفیت غیر راسخہ جو انسان میں اس وقت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب کہ مواقع تعجب پر روح دفعتاً اندر سے باہر کی جانب حرکت کرنے لگتی ہے۔ اس کیفیت کو اگر انسان

خود بھی حس سمع سے محسوس نہ کر سکے یعنی سن نہ سکے تو تبسم کہا جاتا ہے۔ اگر خود اس کیفیت کو حس سمع سے محسوس کر سکے اور سن سکے تو ضحک ہے اور اگر اس کے دائیں بائیں افراد تک سن سکیں تو قہقہہ ہے (دیکھو تبسم)

ضد: ضد کی تعبیر دو طرح کی جاتی ہے۔ ایک یہ کہ اس کا ایسا مقابل خارج میں موجود ہو۔ جو قوت میں برابر ہو اور ہم جنس نہ ہو۔ دوسرے ایسا موجود جو موضوع اور محل میں دوسرے کے ساتھ ساتھ شریک ہو لیکن یہ شرکت بیک وقت نہ ہو بلکہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہو یعنی ایک ہٹے تب دوسرا اس کی جگہ لے سکے۔ یہ دونوں ضدیں کہلائیں گے جو قبیل صفات سے ہوں گے وجودی ہوں گے اور ایک محل میں بیک وقت جمع نہ ہو سکیں گے۔ بلکہ ایک کے جانے کے بعد دوسرا آسکے گا اور یہ بھی ہو سکے گا کہ دونوں کسی موضوع و محل میں موجود ہی نہ ہوں۔ مزید تفصیل تقابل و تضاد میں پڑھو۔

ضرورت: کوئی شئے دوسری شئے سے عقلاً جدا نہ ہو سکے یعنی ایک شئے سے دوسری شئے سے چھوٹ جانے کو عقل قبول نہ کرے گویا یہ انفکاک ممنوع ہو تو اس کو ضرورت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً انسان کی طرف حیوان کی نسبت ضروری ہے۔ اس ضرورت کے معنی یہ ہوئے کہ اس نسبت کو دوام حاصل ہے۔ یعنی علی الدوام جہاں انسان ہو گا تو اس نسبت ضرورت یعنی حیوانیت کو دوام حاصل رہے گا۔ اس تشریح سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دوام ضرورت کی بہ نسبت عام ہے اور ضرورت اس کی نسبت سے خاص ہے۔ یعنی ہر ضروری کے لیے دائم ہونا ضروری ہے لیکن ہر دائم ضروری ہو یہ ضروری اور لازمی نہیں ہے۔ دیکھئے فلک کی حرکت دائمی ہے۔ لیکن یہ حرکت ضروری بھی ہو تو عقل اس کے ضروری ہونے کو تسلیم نہیں کر سکتی کیونکہ اس کا امکان موجود ہے کہ فلک حرکت نہ کرے سب ہی جانتے ہیں کہ امکان کے لیے وجود و عدم اور وقوع و عدم وقوع کے دونوں دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ ضرورت کے متعدد اقسام بھی ہیں مثلاً اول ضرورت ازلی دوسری ضرورت ذاتی جس کو ضرورت مطلقہ بھی کہا جاتا ہے یہ ضرورت قیام و بقاء ذات تک باقی رہتی

ہے۔ تیسری ضرورت وصفی۔ یہ ضرورت قیام وبقائے وصف تک رہتی ہے۔ چوتھی ضرورت وقتی۔ یہ کسی معین وقت میں ہوتی ہے یا اوقات میں سے کسی بھی وقت میں ہوتی ہے'

ضرورت ازلی: دیکھو ضرورت۔

ضرورت ذاتی: دیکھو ضرورت۔

ضرورت مطلقہ: دیکھو ضرورت۔

ضرورت وصفی: دیکھو ضرورت۔

ضرورت وقتی: دیکھو ضرورت

ضروری: بدیہی کا ہم معنی ہے (دیکھو اسباب العلم اور بدیہی)

ضرب المثل: اس کو ضرب الامثال بھی بولتے ہیں۔ مثال بیان کرنا اور اس کو مثل (؟) کے یعنی جس کی مثال دی گئی ہے اس کے مطابق ثابت کرنا ذہنی حقائق کو کسی امر محسوس کے ساتھ تشبیہ دے کر محسوس مثال سے سمجھانا معقول کو محسوس اور غیر واضح کو واضح کرنا۔

ضروریہ مطلقہ: وہ ہے جس میں موضوع کے لیے محمول کے ثبوت یا سلب کی ضرورت کا حکم کیا جائے جب تک کہ موضوع کی ذات موجود ہے۔

ضعیف: قوی کا ضد ہے۔ عام اصطلاح میں ضعیف وہ کہلاتا ہے جس کا ثبوت مشکوک ہو۔ اصول حدیث کی اصطلاح میں حدیث حسن کا کمترین اور ادنیٰ مرتبہ حدیث ضعیف کا مانا جاتا ہے۔ خواہ ضعف اس بنا پر ہو کہ راوی اس وجہ سے ضعیف ہیں کہ ان میں عدالت نہیں ہے۔ یا ان کا حافظہ خراب ہے۔ اور ان کے عقائد پر شبہ کیا گیا ہے۔ یا مرسل و منقطع ہے'

ضلع: مثلث کی ایک ساق۔ یا اس کے تین ضلعوں میں کا ایک خط یا ایک ضلع۔

ضلال: گمراہی۔ اصطلاح میں ایسی راہ پر چلنے کو ضلال کہا جاتا ہے جو مطلوب کے خلاف کسی منزل پر لے جانے والا ہو۔

ضماد: لیپ

ضمیر: نفس انسانی کی وہ اندرونی بصیرت جو اعمال حسنہ یا افعال قبیحہ کے خیال کے بعد اقدام

وارتکاب سے قبل تحسین یا ملامت کی تحریک پیدا کرے اور اس کے بعد مسلسل عمل حسن یا فعل قبیح کے اقتدار و نتائج کی جانب تنبیہات و اشارات کرتی رہے۔ کسی فعل کی تحریک اور اقدام کے مابین قلب وضمیر میں جو ارتیاب کشمکش اور کھٹک پیدا ہوتی ہے اس کا تدارک سرور کائنات و موجودات نے چند جامع الفاظ میں بتلا دیا ہے۔ جو منجملہ "جوامع الکلم" ہے "مایُریبک الی مالا یریبک" (جو چیز یا جو خیال تم کو مبتلائے خلجان و تردد کردے اس کے ارتکاب و اقدام سے باز آجاؤ اور اس راہ پر چل پڑو جو شبہات و ترددات سے خالی ہو)

ضم: لغت میں ایک چیز کو دوسری چیز میں ملا دینے اور چسپاں کر دینے کے معنی میں آتا ہے۔
علم نحو کی اصطلاح میں ضم مبنی کے اعراب کی ایک قسم ہے۔

ضمّۃ: دیکھو رفع۔

ط

طاعت: پابندی کے ساتھ اوامر شرعی کی بجا آوری اور منہیات سے مستقلاً پرہیز۔

طاہر: طاہر الظاہر۔ طاہر الباطن۔ طاہر السر۔ طاہر السِّر و العلانیہ: جس کو اللہ تعالےٰ ذمائم اخلاق اور گناہوں سے بچاتا ہو اور وساوس قلبی سے محفوظ رکھے جو اللہ تعالیٰ سے پلک جھپکنے کے بقدر بھی غافل نہ رہ سکے جو اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور بجا آوری میں سعی کرتا رہے اور جانبین کی رعایت ملحوظ رکھے۔

طب: وہ علم جس کے قوانین کی رعایت ملحوظ رکھنے سے بدن انسانی کی صحت محفوظ رہ سکے اور انسان امراض سے بچتا رہے۔ طب علمی کے اجزاء ۱۔ امور طبعیہ کا علم ۲۔ بدن کے حالات کا علم ۳۔ اسباب کا علم ۴۔ علامات کا علم۔

علم طب کا ماخذ اور اس کی بنیاد تجربات پر مبنی ہے۔ طبقات الاطباء میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ طب کا کچھ حصہ بعض انبیاء کرام پر بطور وحی نازل ہوا ہے۔ اس روایت کی صحت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حکیم انسانیت طبیب ارواح و

اجسام سرورِ کائنات و موجودات کا ارشاد ہے کہ

"العلم العلمان علم الادیان وعلم الابدان"

اس سے علم طب کی اہمیت اور اس فن کے تقدس کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

طب علمی: اس کا عمل سے تعلق نہیں ہوتا صرف یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ صحت کیا چیز ہے اور مرض کسے کہتے ہیں۔

طب عملی: اس کا تعلق عمل سے ہوتا ہے مثلاً یہ کہ مرض کا علاج اور ازالہ کس طرح کرنا چاہیئے، کیا دوائیں استعمال کی جائیں اور کون سی تدابیر عمل میں لائی جائیں۔

طب علمی کے اجزاء: امور طبعیہ کا علم۔ بدن انسان کے حالات کا علم۔ اسباب کا علم علامات کا علم۔

طب روحانی: دلوں کے کمالات اس کے فوائد اس کے امراض و ادویات اور اس کے اعتدال و صحت کی کیفیت کے علم کا نام طب روحانی ہے۔

طبیب روحانی: ایسا شیخ طریقت جو طب روحانی میں پوری پوری بصیرت رکھتا ہو اور ارشاد و تکمیل کرا سکے۔

طبیعیات: وہ امور جو جسم کو اس وجہ سے عارض ہوتے ہیں کہ اس میں تغیر پذیری اور استحالہ کی استعداد ہے۔

طبیعت: جو بالذات حرکت و سکون کا اور افعال ذاتیہ کا مبدء ہو۔ غیر ذی شعور ہو یا قوت جو اجسام میں ساری (پھیلی ہوئی) ہو کہ جس کی وجہ سے جسم اپنے طبعی کمال تک پہنچ جائے اطباء طبیعت کا اطلاق مزاج اور حرارت غریزیہ پر کرتے ہیں۔

طبیعت کا مفہوم "قوت مدبرہ" کے دو لفظوں میں پوشیدہ ہے۔ طبیعت ہی درحقیقت بدن انسان کی مدبر ہے۔ بدن کی اندرونی اصلاح و تدبیر کے سارے فرائض طبیعت ہی سے متعلق ہیں یہی امراض کا مقابلہ کرتی ہے اور دوران مقابلہ بڑے محیر العقول اعمال انجام دیتی ہے۔ طبیعت جب کمزور ہو جائے تو سارے علاج معالجے پڑے رہ جاتے ہیں اور طبیبوں اور مسیحاؤں کی ساری طب و مسیحائی بے کار ہو جاتی ہے۔ درحقیقت

اولاً اور بالذات معالج طبیعت ہے اور بالعرض و ثانیاً طبیب اور علاج ہے بہترین معالج وہ ہے جو دوران معالجہ طبیعت کو قوت پہنچائے۔ تاکہ اس کی دوائیں طبیعت کی مدد سے موثر و کارگر ہو سکیں۔

طبیعت مطلقہ: طبیعت کو طبیعت کی حیثیت سے دیکھا جائے اور اطلاق کا بھی لحاظ نہ کیا جائے۔ اس کو طبیعت الکل بھی کہا جاتا ہے۔

طبیعت الکل: طبیعت مطلقہ میں دیکھو۔

طبیعت شاعرہ: ذی شعور طبیعت۔

طبیعت نوعیہ: جس کا مقتضے اپنے افراد میں مختلف نہیں ہوتا۔

طبیعۃ امتدادیہ: امتداد کی حیثیت ہر خارجی قید اور صفت سے قطع نظر کرتے ہوئے۔

طبیعی: وہ امر طبیعی جو مقتضائے طبیعت ہو۔

طبیعی زیادتی: یعنی زیادہ ہونے والی چیز کی جنس پہلے سے بدن میں موجود ہو مثلاً ہاتھ یا پیر کی پانچ کی بجائے چھ انگلیاں ہو جائیں۔

طبیعی کمی: پیدائشی کمی مثلاً ہاتھ یا پیر کی چار چار ہی انگلیاں ہوں۔

طریقہ اہل سنت والجماعت: مندرجہ ذیل عقائد کے معیار پر پورا اترنے والا اہل سنت والجماعت کے طریقے پر سمجھا جا سکتا ہے اس کا عقیدہ یہ ہونا چاہیئے کہ عالم یعنی ماسوا اللہ سب حادث ہے۔ صانع عالم قدیم ہے وہ صفات کمالیہ قدیمہ حسنہ کے ساتھ متصف ہے۔ یہ صفات نہ تو اس کی عین ہیں نہ غیر ہیں۔ وہ واحد و احد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کے جنس اور غیر جنس سے کوئی اس کا مقابل نہیں ہے۔ اس کی کوئی شکل و صورت نہیں ہے وہ کسی حد میں محدود و محصور نہیں ہے اور نہ وہ کسی میں حلول کرتا ہے۔

اس میں کوئی حادث قائم نہیں ہے اور اس پر حرکت و انتقال کا اطلاق بھی صحیح نہیں ہے وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ زمان میں، نہ حیز میں نہ کسی جہت میں ہے جو وہ چاہتا ہے وہ ہو رہتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا۔ وہ نہ تو کسی شے کا محتاج ہے نہ اس پر کوئی امر یا شئے واجب و لازم اور ضروری ہے ساری مخلوق اس کے

قضاء و قدر، حکم مشیت و ارادہ کی تابع ہے تمام اعمال و افعال اس کی مشیت سے ہیں الا یہ کہ وہ افعال قبیحہ اور اعمال ذمیمہ سے راضی اور خوش نہیں ہوتا۔ معاد جسمانی اور تمام وہ باتیں جو شریعت میں وارد ہو چکی ہیں مثلاً عذاب قبر، منکر نکیر کے سوالات و جوابات حشر و نشر حساب و کتاب، صراط میزان وغیرہ وغیرہ سب حق ہیں اور واقع ہو جانے والی ہیں۔

کفار جہنم میں داخل کیے جانے والے ہیں اور انبیاء عظام، اولیائے کرام اور صلحاء امت کی شفاعت، گنہگاران امت کے حق میں حق ہے قیامت اور آثار قیامت کے سلسلے میں دجال کا خروج، یاجوج ماجوج کی یلغار، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، امام مہدی کا ظہور مغرب سے شمس کا طلوع وغیرہ وغیرہ علامات ظاہر ہونے والی ہیں اور حق ہیں۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم اور نبی آخر الزماں خاتم الانبیاء آنحضرت سرور کائنات ہیں جو افضل البشر، اور افضل الانبیاء ہیں تمام انبیاء کرام اور کتب سماوی برحق ہیں۔

طریقت: شریعت کے احکام پر پیہم و مسلسل عمل پیرا رہنا اور اس پر مستحکم ہو جانا۔

طرفین: فقہ میں طرفین سے امام اعظم اور امام محمد دونوں مراد ہوتے ہیں۔ اور قضیہ حملیہ کے اطراف موضوع و محمول اور قضیہ شرطیہ کے اطراف مقدم و تالی بھی طرفین کہلاتے ہیں۔

طغیان: گناہگاری اور ارتکاب جرائم میں حد سے گزر جانے کو طغیان کہا جاتا ہے۔

طغاوۃ: (بضم الطاء): آفتاب کے گرد شاذ و نادر ایک مکمل اور کبھی ناتمام دائرہ نظر آتا ہے شیخ الرئیس نے شفا میں شہادت دی ہے کہ اس نے یہ دائرہ کبھی کامل اور کبھی ناقص دیکھا ہے وہ اس دائرے کو قوس قزح کی طرح رنگین بتلاتا ہے۔

طفرہ: جسم مسافت کو اور اجزائے مسافت کو اس طرح طے کر کے آخری حد پر پہنچ جائے کہ مسافت کے درمیانی حصول سے اور ان کے محاذ و مقابل سے اس کو گزرنا نہ پڑے۔ حکماء اور فلاسفہ میں سے کوئی گروہ بھی اس کا قائل نہیں الا نظام معتزلی کہ "او بہ طفرہ قائل است"

طلسم: قوائے سماویہ، فعالیہ کا قوائے ارضیہ انفعالیہ کے ساتھ امتزاج اور گھل مل جانا جس سے عجیب و غریب آثار و افعال ظہور پذیر ہوں اس کو علم طلسمات میں عقدہ لاینحل اور کیمیا کہا جاتا ہے۔ جب معدنی قوتیں باہم مل جل کر کسر و انکسار کے بعد سونے اور چاندی کی

شکل اختیار کرلیں تو اس کو علم کیمیا کہا جاتا ہے، اس طرح کا ایک علم سیمیا بھی ہے کہ جو انسانی خیالات پر متصرف ہو کر ایسی خیالی شکلیں اور صورتیں پیدا کر دیتا ہے جن کا درحقیقت کوئی خارجی وجود تک نہیں ہوتا لیکن انسان ان سے کبھی لطف اندوز ہوتا اور لذت حاصل کرتا ہے۔ اور کبھی متوحش و خوف زدہ ہو جاتا ہے، ایسا ہی ایک ہمیا ہے جو سیارات سبعہ کے سفلیات "عناصر" میں تصرف کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تسخیر قلوب اور تسخیر اجنہ کا تعلق اسی سے ہے۔ ایسا ہی ایک علم ریمیا ہے جو قوائے ارضیہ کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے اور اس سے عجیب و غریب کرشمے اور شعبدے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

طمانیت: دیکھو تلوین۔

طوالع: حق تعالیٰ کے اسماء کی ابتدائی تجلیات کا وہ پرتو جو بندوں کے قلوب پر ان کے اخلاق و صفات اور ان کے نور باطن کے بقدر اور مطابق پڑتا ہے۔

طہر: طہر اور طہارت کا ایک ہی مفہوم ہے۔ لغت میں ان کے معنی پاکی اور پاکیزگی کے ہیں طہارت ظاہری بھی ہوتی ہے، اور باطنی بھی۔ طہارت ظاہری شریعت کی اصطلاح میں چند اعضاء کے مقررہ طور و طریق پر دھونے کا نام ہے۔ غسل طہارت کبریٰ کہلاتا ہے وضو کو طہارت صغریٰ کہا جاتا ہے۔ طہارت باطنی نجاست کفر و نفاق اور تمام باطنی اخلاق ذمیمہ سے قلب کو پاک و صاف کر لینے کا نام ہے۔ فقہاء ایام ماہواری کی درمیانی مدت کو طہر کہتے ہیں۔

طہارت: دیکھو طہر

طہارت کبریٰ: دیکھو طہر

طہارت صغریٰ: دیکھو طہر

طہارت ظاہری: دیکھو طہر

طہارت باطنی: دیکھو طہر

ظ

ظاہر: ظاہر ہے۔ اصول فقہ کی اصطلاح میں ہر اس کلام کو ظاہر کہا جاتا ہے جو خود الفاظ سے سننے والے پر ظاہر و واضح ہو جائے۔ ظاہر کلام میں تحقیق و تاویل کا احتمال رہتا ہے۔

ظاہر العلم: صوفیائے کرام کے نزدیک ظاہر العلم اعیان ممکنات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ظاہر الوجود: ارباب معرفت ظاہر الوجود سے اسمار الٰہی کی تجلیات مراد لیا کرتے ہیں۔

ظاہر الممکنات: صوفیہ صافیہ صورتوں کے اعیان و صفات کو تجلّی حق قرار دیتے ہیں اور اسی کو وجود الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ظرف: جو شئی کو محیط ہو اور شئی کے لیے محل ہو۔ جیسے زمان و مکان جار اور مجرور کو بھی ظرف کہا جاتا ہے۔ اگر ان دونوں کا مشترکہ متعلق عبارت میں مذکور ہو تو اس کو ظرف لغو کہا جائے گا اگر مقدر و محذوف ہو تو ظرف مستقر نام ہوگا۔

ظرف لغو: دیکھو ظرف

ظرف مستقر: دیکھو ظرف

ظرفیت: کسی شئی کا حقیقتاً یا مجازاً غیر میں یعنی دوسری چیز میں حلول کر جانا۔ روپیہ جیب میں ہو تو حلول حقیقی ہے۔ کتاب کے حروف پر نظر کا پڑنا حلول مجازی ہے۔

ظل: معدوم الذات، مرتب الآثار جس کا وجود اصل ہی کا وجود ہو۔ وجود حقیقی کے تعینات خارجیہ ممکنہ کا اضافی پرتو۔

سایہ ہر مادی اور کثیف چیز کا سایہ اور پرچھائیں ہوا کرتی ہیں یہ سایہ اور پرچھائیں آفتاب و ماہتاب یا چراغ کے بالمقابل کثیف و مادی چیز کے آنے سے پیدا ہوتی ہے۔ صوفیہ صافیہ اضافی موجودات کو ظل قرار دیتے ہیں۔ یہ اضافی موجودات اعیان ممکنہ ہیں جو درحقیقت معدومات ہیں لیکن وجود حقیقی کے نور اور فیضان کے طفیل ان کی ظلمت عدمیت ظلی وجود اختیار کر گئی ہے۔ حق تعالیٰ کے ارشاد "الم تر الی ربک کیف مد الظل" ہیں۔ اسی جانب اشارہ ہے کہ وجود حقیقی نے ممکنات پر وجود اضافی پھیلا دیا ہے۔ جیسے طلوع

شمسی کے بعد ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔

ظل اللہ: انسان کامل جس کو عقل اول اور ظل الاول بھی کہا جاتا ہے ظل اللہ ظل الاول عقل اول۔ انسان کامل۔ ان تمام خطابات و القاب کا لباس صرف ایک ہی قد رعنا اور قامت زیبا پر سجتا ہے اور وہ صرف سید الکونین کا قامتِ زیبا و قد رعنا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ظل الاول: عقل اول۔ فلاسفہ عقل اول کو ظل الاول قرار دیتے ہیں جس کا مصداق ہر پھر کر خارج میں ذات اقدس نبوی اور احاخداہ کے سوا کوئی بنتا ہی نہیں اول ما خلق اللہ نوری

ظلمت: ہر وہ چیز جو روشن ہونے کی صالح ہو اس سے نور معدوم ہو تو یہ ظلمت کہلائے گی۔

ظلم: ملک غیر میں تصرف اور حد سے تجاوز کو ظلم کہا جاتا ہے۔

ظن: شک کی جانب

ع

عام: عموم سے نکلا ہے۔ عام میں شمول ہوا کرتا ہے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بارش عام طور پر ہوئی ہے جب کہ وہ تمام مقامات پر برسے اور سارے علاقے کو یا چند مقامات کو اپنی لپیٹ میں لے لے یعنی شامل کر لے مقابل خاص ہے۔

عام کو مطلق سمجھنے کی غلطی نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ عام کی طرح مطلق سب کو یعنی جمیع اشیاء کو محیط اور شامل نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کا احاطہ واحد غیر معین کے شمول تک رہتا ہے مطلق کا مقابل مقید ہے۔

عام میں تمام اشیاء، اجزاء اور افراد شامل ہیں۔

عارض: جو شے سے خارج ہو اور اس پر محمول ہو۔

عالم: (بفتح اللام): علامت سے مشتق ہے۔ ماسوی اللہ تعالیٰ ساری کائنات و موجودات اور مخلوقات احاطہ عالم میں داخل ہے البتہ جزئیات اجناس میں سے ہر جزئی پر عالم کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ عام اجناس پر اطلاق ہو سکتا ہے مثلاً عالم الحیوانات کہہ سکتے ہیں اس کے جزئیات پر فرداً فرداً اطلاق نہیں کر سکتے۔

وجودیوں کا کہنا ہے کہ عالم صرف حق جل مجدہٗ کی ذات مع اس کی جگمگاتی ہوئی صفات کے ہے کیوں کہ اللہ کے سوا ماسویٰ کا وجود ہی کہاں ہے ۔ ع

کہ با ہستیش نام ہستی بوند

عالم امر و عالم خلق: عالم کی یہ تقسیم صوفیائے کرام نے کی ہے۔ وہیں سے متکلمین و مفسرین نے ان اصطلاحات کو لیا ہے۔ اور استعمال کیا ہے۔ صوفیائے صافیہ کے نقطہ نظر سے عالم خلق عالم محسوسات ہے اور عالم امر غیر محسوس عالم۔ کم سے کم الفاظ میں اس کی تشریح یہ ہے کہ عالم امر ایسا عالم ہے جس کو موجد کل حق جل مجدہٗ بلا لحاظ و تعین مدت وجود میں لے آیا۔ اس عالم امر کو عالم غیب و عالم ملکوت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ عالم امر و عالم خلق حق تعالیٰ کی ایک ہی تجلّی کے دو پر تو ہیں۔ جب حق تعالیٰ نے اپنی ذات کی وحدت کا ظہور کثرت میں چاہا۔ تو عام فیض رسانی کے نقطہ نگاہ اولاً عالم امر کو موجود فرمایا۔ پھر سیر نزولی کرتے ہوئے تنزلات کے آخری مرتبے تک پہنچا کہ جو مرتبہ انسانیت ہے۔ اور طرفۃ العین (آنکھ جھپکتے جھپکتے) بلکہ اس سے بھی کم وقفے میں، عالم خلق کی تخلیق کرتا ہوا اقصیٰ الغایات تک پہنچ گیا۔ یعنی آخری نقطہ سے نقطہ اولیٰ پر جا رہا۔ اور درجۂ اطلاق میں آ گیا۔ گویا ایک نفس بلکہ طرفۃ العین سے بھی کم وقفے میں عالم امر و عالم خلق ظہور میں آگئے

اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ ۔

جہانے خلق و امر از یک نفس شد

کہ ہم آندم کہ آمد باز پس شد

عالِم (بکسر لام): عالم اسم فاعل ہے مصدر علم بمعنی دانش کا اس کا اطلاق حق سبحانہ کے علاوہ مخلوق پر بھی عام ہے لیکن اہل حق اور عارفین طریقت حق تعالیٰ مع صفاتہٖ پر اس کا اطلاق کرتے ہیں۔ وہ ماسویٰ اللہ کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے حق تعالیٰ کے سوا کسی اور پر اس کے اطلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

عالم مثال: عالم مادیات اور عالم مجردات کے مابین عالم۔

عالم ارواح: اس عالم میں وہ صورتیں متشکل ہو جاتی ہیں جو عالم اور عالم جسمانیات

میں متشکل نہیں ہو سکتیں۔

عالم ملکوت : دیکھو امر۔

عالم غیب : دیکھو امر۔

عابد : جو صوم وصلوٰت اور تمام فرائض دینی پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے وہ عابد کہلاتا ہے۔

عارف : جو خدائے قدوس کی ذات وصفات اور اس کی لاانتہا قدرت کی نیرنگیوں پر غور وفکر کرتا رہے۔ تاآں کہ اس کے پاک اور مہذب نفس میں نور حق جلوہ فگن ہو جائے۔

عاریت : دیکھو تملیک

عارض : وہ کیفیت ہے جو کسی حالت کے تابع ہو یا اس کو لاحق ہو یا وہ شے جس سے اس شئے پر محمول ہونے والا خارج ہو مثلاً ضحک (ہنسی) جو انسان پر محمول اور عارض ہوا کرتی ہے لیکن انسان کی حقیقت سے یہ خارج ہے۔ عارض کو عرض نہ سمجھ لیا جائے کیوں کہ عارض عرض کی نسبت عام ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ہم صورت جسمیہ کو جوہر کی نسبت یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہیولیٰ کو عارض ہوتی ہے لیکن کسی جوہر کو عرض نہیں کہہ سکتے جوہر قائم بنفسہ ہوتا ہے اور عرض قائم بالغیر۔

عارضہ : مرض کو کہا جاتا ہے مرض کی وہ حالت جو کسی دوسرے مرض کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے۔

عامل : لغت میں اس کے معنی کارکن کے ہیں۔ اصطلاح نحو میں عامل وہ کہلاتا ہے جو وہ معنی پیدا کر دے جو اعراب چاہتا ہے۔ یہ لفظی اور معنوی ہوا کرتا ہے لفظی بحیثیت عامل اسم۔ فعل۔ حرف لفظوں میں ہوا کرتا ہے۔ عامل معنوی لفظاً نہیں بلکہ ذہن میں ہوتا ہے۔ پھر عامل لفظی قیاسی اور سماعی ہوا کرتا ہے۔ عامل سماعی کا تعلق صرف عربلہ عرب سے سننے پر موقوف ہے۔ جس عامل کے متعلق انھوں نے جس قسم کے عمل کا فیصلہ کر دیا اس سے تجاوز اور اس میں قیاس کی دخل اندازی جائز نہیں۔ عامل قیاسی کا بھی اگر چہ عربوں ہی سے سنے سنائے پر دار ومدار ہے تاہم اس میں قیاس کو دخل ہے۔ مثلاً لفظ "علیٰ" اسم کو جر دزیر اور لفظ "لن" فعل کو نصب دیتا ہے۔ یہ عوامل سماعی

پس ہم ان کے ہم وزن الفاظ کو ان پر قیاس کر کے اس قسم کے عمل کا اختیار نہیں دے سکتے لیکن "ضرب" جو عامل قیاسی ہے وہ فاعل کو رفع (پیش) اور مفعول کو نصب (زبر) دیتا ہے یہاں ہم "ضرب" کے ہم وزن فعل کو ضرب پر قیاس کرتے ہوئے اسی طرح کے عمل کا حق دے سکتے ہیں۔

عامل لفظی : دیکھو عامل۔

عامل معنوی : دیکھو عامل۔

عامل قیاسی : دیکھو عامل۔

عامل سماعی : دیکھو عامل۔

عائد : عود سے نکلا ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں اصطلاح نحو میں عود چار اشیاء میں ہوتا ہے۔ ضمیر جیسے زید، ابوہ قائم۔ لام تعریف جیسے نعم الرجل زید، ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لے آنا جیسے "الحاقۃ ما الحاقۃ" یا خبر مبتدا کی تفسیر ہو جیسے قل ھو اللہ احد

عاشور : ماہ محرم کی دسویں تاریخ۔ یہ تاریخ اور دن بڑا عظیم الشان ہے اس دن میں بڑے بڑے حوادث ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ ابو الآبار، آدم علیہ السلام کی تخلیق اسی تاریخ میں ہوئی۔ جنت سے آپ اسی تاریخ میں رخصت کیے گئے۔ اسی تاریخ میں آپ کی توبہ قبول ہوئی۔ طوفان نوحؑ اسی تاریخ میں برپا ہوا، امام مظلوم حسین رضی اللہ تعالٰی اسی تاریخ میں شہادت کبریٰ کے مراتب عالیہ پر فائز ہوئے اور مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر کے مطابق امام مہدی کا ظہور اسی تاریخ میں ہونا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول اسی تاریخ میں ہوگا۔ دجال لعین اور دابۃ الارض کا خروج اسی تاریخ میں مقدر ہے۔ سب سے آخری حادثہ قیام قیامت ہے وہ اسی تاریخ میں پیش آنے والا ہے۔

اس دن کو یوم عاشورہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ حق جل مجدہ نے اس تاریخ میں دس اولوالعزم انبیاء کرام و مرسلین عظام، حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ایوب

علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزماں افضل الرسل صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دس کرامات و انعامات خصوصی سے نواز اجلا امتیاز بخشا۔

اس دن میں عبادات بدنی و مالی کے مظاہرات بہ کثرت کیے جاتے ہیں۔

عبادت - عبادت بدنی، مالی - عبادت مرکب : مکلف مسلمان کے وہ افعال و اعمال جو اس کی خواہشاتِ نفس کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں مگر صرف معبود حق کی رضا و خوشنودی کے لیے سرزد ہوں -

حق جل مجدہ کی عظمت کے پیش نظر اس کی مرضی کے مطابق اعمال و افعال کی ادائیگی جو بدنی مالی اور دونوں سے مرکب ہوا کرتی ہے جیسے نماز روزہ اور زکوٰۃ اور مرکب جیسے حج بیت اللہ۔

عبادت بدنی : نماز روزہ

عبادت مالی : زکوٰۃ

عبادت مرکب : حج

عبد : وہ ہے جو اپنے رب کی عبادت کرتا ہو اور اس کے اوامر (احکام) کی اطاعت اور منہیات سے پرہیز کرتا رہے ۔

عبدیت : عہد و معاہدے پورے کرنا، حدود شرعی کی نگہداشت اور حق تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہو اس پر راضی و قانع رہنا اور جو نہ دیا ہو اس پر صبر کرنا۔

عبارت النص : وہ معنوی نظم و مقصد کہ جس کے لیے کلام جاری کیا گیا ہو۔

عبث : اس امر یا فعل کا ارتکاب جس کے فائدے کا علم نہ ہو۔

عتیق : آزاد مرد۔

عتاب : محبوب شخصیت سے کسی ناپسندیدہ امر کے ظہور پر اظہار سرزنش اور خفگی کو عتاب کہا جاتا ہے۔ تاکہ وہ آئندہ کے لیے مجتنب رہے اور مجتنب رہ کر حسب سابق مورد لطف و کرم بن جائے۔ درحقیقت عتاب ایک قسم کی تادیب شفقت ہے۔

عجز: جس ممکن پر کہ امتناع کا شائبہ نہ ہو اس پر قدرت نہ ہونے کا نام عجز ہے۔ ممکن بالذات جو ممتنع بالغیر ہوتا ہے اس پر قادر نہ ہونے کا نام عجز نہیں ہے۔ مثلاً ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ علت تامہ کے ہوتے ہوئے حق تعالیٰ معلول کے عدم پر قادر نہیں ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ حق تعالیٰ (معاذ اللہ) عاجز ہے۔ عجز اور قدرت کے اس مفہوم کو خوب سمجھ کر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اس کی وجہ سے بہت سے مغالطوں سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔

عجمہ: وہ لفظ کہلاتا ہے جس کو غیر عرب نے کسی معنیٰ کے لیے وضع کیا ہو اور اسباب منع صرف میں کا ایک سبب۔

عُجب: (بضم الاول والثانی) کوئی شخص اگر اپنے کو اس مرتبہ پر پہنچا ہوا خیال کرے جس کا فی الحقیقت وہ مستحق نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ اس میں عُجب پیدا ہو گیا۔

عَجَب: (بفتح الاول والثانی) جب کسی امر کا سبب نہ معلوم ہو سکے اور اس قسم کے امور عادتاً بھی روزمرہ پیش نہ آتے ہوں تو ایسی حالت میں نفس انسانی میں جو تاثر پیدا ہوتا ہے وہ عجب کہلاتا ہے۔

عدل: ظلم کا ضد ہے۔ احقاق حق کے معنیٰ بھی دیتا ہے۔ باطل میں سے حق کو نکال لینے اور اس کو ممتاز کر لینے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ افراط و تفریط (زیادتی و کمی) کے مابین امر متوسط و معتدل اور خیر الامور بھی ہے خیر الامور اوسطہا۔ فقہار کی اصطلاح میں وہ شخص صاحب عدل و عادل کہلاتا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔ صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو۔ اس پر سلامت روی غالب ہو خسیس اور گھٹیا قسم کے افعال و حرکات اس سے سرزد نہ ہوتے ہوں۔ عدل۔ منع صرف کے نو اسباب میں سے ایک سبب بھی ہے

عدم: معدوم ناپید۔ سلب محض نفی محض۔ لیس محض۔ اگر عدم کو وجود مطلق کے بالمقابل لایا جائے تو سلب وجود مطلق مراد ہوگا جو عدم مطلق ہے۔ اور اگر مطلق الوجود کے مقابلے میں لایا جائے تو مطلق وجود کا سلب مراد ہوگا جو مطلق عدم ہے۔

عدم مطلق: سلب وجود مطلق۔

عدم حقیقی: جو قطعاً وجود کا صالح اور قابل نہ ہو۔

عدمِ اضافی : جو فیضان وجود کے بعد وجود کا صالح ہو۔
عدمِ ثابت : کسی صفت کا محل سے اس طرح زائل ہونا کہ اس محل میں یا اس کی نوع میں یا اس کی جنس میں اس صفت کی صلاحیت ہو۔
عدمِ سابق : وجود سے پہلے عدم
عدمِ لاحق : وجود کے بعد عدم
عرش : بلند و ارفع جسم جو تمام اجسام کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور جہاں سے احکام قضا و قدر جاری ہوتے رہتے ہیں۔
عرشِ اعظم : دیکھو فلک اطلس۔
عرشِ معلے : دیکھو ام الکتاب
عرض : جو غیر میں قائم ہو۔ اپنے وجود میں محل کا محتاج ہو۔ عرض قار الذات کے اجزاء وجود میں یکجا اور جمع ہو جاتے ہیں جیسے سیاہی سفیدی۔ غیر قار الذات کے اجزا جمع نہیں ہوتے جیسے حرکت و سکون۔ عرض وہ حالت بھی کہلاتی ہے جو کسی مرض کے نتیجے کے طور پر عارض و لاحق ہو جیسے بخار میں درد سر مزید تفصیل کے لیے تمنی پڑھو۔
عرض قار الذات : عرض دیکھو۔
عرض غیر قار الذات : عرض دیکھو۔
عرضِ ذاتی : وہ احوال جو شئے کو باعتبار ذات کے یا باعتبار اس کے جزو مساوی کے یا باعتبار لازم مساوی کے یا باعتبار اس کی نوع کے یا باعتبار اس کے لازم انواع کے عارض ہوں۔
عرض لازم : جو اپنی ماہیت سے چھوٹ نہ سکے۔
عرض مفارق : جو ماہیت سے چھوٹ سکے۔
عرضیات : خاصہ۔ عرض عام
عرض عام : ایسی کلی ہے جو حقیقت افراد سے خارج ہو لیکن ایک سے زیادہ حقیقتوں کے افراد پر اس کا اطلاق کیا جا سکے۔
عرض البلد : سمت الراس اور دائرہ معدل النہار کے درمیان دائرہ نصف النہار کی قوس (کمان)

یا افق اور قطبین عالم میں سے کسی ایک قطب جنوبی یا شمالی کی قوس۔

عرفیہ عامہ: جس میں موضوع کے لئے دائمی ثبوت یا سلب ثبوت کا حکم کیا جائے جب تک کہ موضوع کی ذات وصف عنوانی کے ساتھ متصف ہے۔

عرفیہ خاصہ: بعینہ عرفیہ عامہ ہے جب کہ اس کو لادوام بحسب الذات کی قید کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔

عروق ساکنہ: غیر متحرک رگیں۔

عروق ضاربہ: شرایین متحرک اور بڑھنے والی رگیں۔

عروق شعریہ: بال جیسی باریک رگیں جو شریانوں اور وریدوں کے درمیان ہوتی ہیں۔

عرق النساء: پٹھے کا درد جو کولھوں سے ران پنڈلی اور پاؤں کے نیچے تک اترتا چلا جاتا ہے یہ درد ایک جوڑے پٹھے میں لاحق ہوتا ہے اس کو لنگڑی کا درد بھی کہتے ہیں۔

عزل: مادۂ تولید کو ضائع کر دینا عزل ہے بعض فقہا نے ایک قدم آگے بڑھ کر حمل روکنے کی دواؤں کے استعمال اور نفخ روح سے پہلے اسقاط حمل کو بھی عزل میں شامل کر لیا ہے۔

عزم: سوچ سمجھ کر متعدد اشیاء و امور میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینا اور اس پر جم جانا۔

عصبہ: عصبہ اصطلاح میں اس وارث کو کہا جاتا ہے جو اصحاب فرائض پر تقسیم ہونے کے بعد میت کا جو مال بچے وہ سب لینے کا حق رکھتا ہو۔

عصب: اعصاب اس کی جمع ہے عصب تار کی طرح کا ایک بست عضو ہے جو دماغ یا حرام مغز سے نکل کر تمام جسم میں پھیل جاتا ہے۔ اور سارے جسم میں قوت حس اور حرکت پیدا کرتا ہے۔

عصبانی: وہ عضو کہلاتا ہے جس میں نسبتاً پٹھے زیادہ ہوتے ہیں۔

عصبہ سامع: اس کو عصب سمعی یا عصب سماعت بھی کہتے ہیں یہ سننے کا پٹھا ہوتا ہے۔

عصبہ سمعی: دیکھو عصبہ سامع۔

عصبہ سماعت: دیکھو عصبہ سامع۔

عصبہ مجوفہ: وہ پٹھا جو مقدم دماغ سے نکل کر آنکھ میں آتا ہے اور وہاں آکر آنکھ کا اندرونی

پردہ (طبقہ شبکیہ) بنا دیتا ہے۔ اس میں ایک سوراخ ہوتا ہے جس کے ذریعے
قوت باصرہ دماغ تک جاتی آتی رہتی ہے۔

عصمت : ایک ملکہ اور نفس میں رچی ہوئی ایک کیفیت ہے جس کی وجہ سے انسان
گناہوں سے باوجود گناہوں پر قدرت رکھنے کے بچتا رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں
سمجھنا چاہیے کہ قادر مطلق کی جانب سے عطا کی ہوئی ایک قوت ہے جو گناہوں سے اور
مکروہات و شبہات سے' قدرت رکھنے کے باوجود محفوظ رکھتی ہے۔

انبیاء خلقاً معصوم ہیں۔ اور اولیاء خلقاً" معصوم نہ ہونے کے باوجود محفوظ رہتے ہیں۔
حالانکہ دونوں میں گناہوں کی قدرت و صلاحیت مفقود نہیں ہوتی۔

عضو : بدن کا حصہ۔ جز۔ وہ غلیظ جسم جو اخلاط کے ابتدائی مزاج سے پیدا ہوتا ہے۔

عضو خضیض : کمتر درجہ کا عضو۔

عضو مفرد : وہ عضو جس کے جزو کی وہی تعریف ہو جو اس کے کل کی تعریف ہے یا جس کے جزو
اور کل دونوں ایک ہی نام سے سمجھے جاتے ہوں جیسے ہڈی۔ کری۔ عضلہ، پٹھا، وتر، رباط،
شریان، ورید، جھلی۔ وغیرہ۔

عضو مرکّب : جو ایک یا ایک سے زیادہ مفرد اعضاء سے مل کر بنتا ہے جیسے آنکھ، سر، ہاتھ، پیر
وغیرہ۔

عضو معتدل مفرط : انگشت شہادت کے سرے کی جلد سب سے زیادہ معتدل ہے۔

عضو حار مفرط : اعضاء میں سب سے زیادہ گرم دل ہے۔ اس کے بعد جگر بعد ازاں گوشت۔

عضو بارد مفرط : اعضاء میں سب سے زیادہ سرد ہڈی ہے پھر کری پھر رباط۔ پھر پٹھے پھر
حرام مغز پھر دماغ کا گودا۔

عضو رطب مفرط : سب سے زیادہ تر پتلی چربی پھر موٹی چربی پھر نرم گوشت پھر دماغ
پھر حرام مغز۔

عضو یابس مفرط : علی الترتیب بال، ہڈی، کری، رباط، پٹھے۔

عضلہ : مچھلی، گوشت اور پٹھوں کا مرکب جس سے بدن کو حرکت ہوتی ہے۔

عطف: لغت میں عطف کے معنی میل کے ہیں اصطلاح نحو میں ایک تابع لفظ ہوتا ہے۔ جس کی کسی شئ کی طرف نسبت ہوتی ہے جیسے زید عالم و عاقل ہے یا کسی شئے کی نسبت اس کی طرف ہوتی ہے جیسے جارنی زید و عمرو۔ اور تابع و متبوع کے درمیان حرف عطف (مثلاً واؤ) ضرور ہوتا ہے۔

عطف البیان: تابع کی ایک قسم ہے جو صفت نہ ہونے پر بھی اپنے مطبوع کو واضح کردیتا ہے یعنی تابع متبوع کی یکجائی سے ایسی وضاحت ہوجاتی ہے جو ان میں سے ہر ایک سے انفرادی طور پر حاصل نہیں ہوسکتی۔ تاہم متبوع تابع کی بہ نسبت زیادہ واضح ہوا کرتا ہے۔

عفّت: (دیکھو عدالت)

عفنی بخار: وہ بخار جو کسی خلط کے سڑ جانے سے پیدا ہو۔ ہوتا یہ ہے کہ اخلاط کے متعفن ہو جانے سے گرمی پیدا ہوتی ہے اور اس سے دل اور روح گرم ہو کر بخار پیدا کر دیتی ہے۔

عقل[۱۴]**:** ایک ایسا جوہر ہے جو مدرک کلیات ہے اور اپنی ذات میں اپنے افعال واکتساب کمالات میں مادے سے مستغنی ہوتا ہے یعنی نہ خود مادی ہوتا ہے اور افعال واکتساب کمالات میں مادّے کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ جوہر روحانی ہے جس کو حق تعالیٰ نے انسانی بدن سے متعلق کر دیا ہے۔ قلب کا وہ نور ہے جس کی وجہ سے حق و باطل کے مابین تمیز ہوتی ہے۔ مادے سے مجرد جوہر ہے۔ جس کو انسانی بدن کے ساتھ تدبیر و تصرف کا تعلق ہے

عقل اول: ام الکتاب، قلم اعلیٰ۔ لوح القضاء

عقل فعال: یہ عقل عاشر ہے یعنی دسویں عقل کہلاتی ہے جس کو شریعت کی زبان میں ناموس اکبر، جبریل اور روح القدس کہا جاتا ہے یہ لوح الکل جوہر مجرد ہونے کے علاوہ روح و مادے کا سرچشمہ اور عالم عناصر کی علت ہے اس کو فعّال (بہت بڑی کارگزار) اس بناء پر کہا جاتا ہے کہ عالم عناصر میں اس کے تصرفات وافعال سب سے زیادہ ہیں۔

عقل ہیولانی: عقل کی استعداد محض اور اس کا وہ درجہ جب کہ اس پر بدیہات و نظریات

عقل

کا کوئی نقش ثبت نہیں ہوتا۔ اور وہ صرف ایک قوت ہوتی ہے۔ جو فعل سے خالی ہوتی ہے جس طرح بچوں میں ہر قسم کی استعداد ہوتی ہے لیکن بالفعل کوئی نقش و اثر نہیں ہوتا۔ اس کو عقل ہیولانی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح ہیولیٰ اولیٰ اپنی ذات کی حد تک ساری صورتوں سے خالی ہوتا ہے اس طرح یہ عقل بھی تمام افعال و نقوش سے خالی اور سادہ ہوتی ہے عقل ہیولانی نفس ناطقہ کے مراتب کا پہلا مرتبہ ہے۔

عقلِ بالملکہ: نفس ناطقہ کے مراتب میں کا یہ دوسرا مرتبہ ہے۔ جس میں عقل ظواہر بدیہات کا نقش قبول کر لیتی ہے اور اس میں نظریات کے اکتساب کی استعداد ابھر آتی ہے اور اسی میں ایک قوت بیدار ہو جاتی ہے جس کے ذریعے وہ بدیہات کی نردبان (سیڑھی) سے نظریات کے بام بلند تک پہنچنے کی صالح و قابل ہو جاتی ہے۔

عقل مستفاد: عقل کا وہ درجہ جس میں بدیہات کے علاوہ نظریات بھی منکشف ہو جاتے ہیں۔

عقل بالفعل: اس درجے اور مرتبے میں پہنچ کر عقل انسان کامل ہو جاتی ہے تمام نظریات اس پر منکشف اور اس کے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔

عقل عاشر: دیکھو عقل فعّال۔

عقول عشرہ: دس عقلیں عقل اول سے دسویں عقل تک۔

عقل مدرک کلیات: نفس ناطقہ

عقل انسانی: وہ جوہر جو اپنی ذات کے اعتبار سے مجرد ہو لیکن حصول کمالات میں مادے کا قرین اور اس کا محتاج ہو۔

عقاب: ناپسندیدہ انسان کو اس کے کسی ناپسندیدہ فعل کے صادر ہو جانے پر بطور کیفر کردار تکلیف و اذیت دینا اور رسوا عام کرنا۔

عکس مستوی (عکس مستقیم): صدق اور کذب باقی رکھ کر قضیے کے جزو اول کو ثانی اور ثانی کو اول کر دیا جائے۔ اس کو عکس مستقیم بھی کہتے ہیں۔

عکس مستقیم: دیکھو عکس مستوی۔

عکس النقیض: صدق اور کذب باقی رکھ کر قضیے کے جزو اول کو ثانی اور جزو ثانی کے نقیض کو

اول کر دیا جائے۔ یا نقیض محمول کو موضوع اور نقیض موضوع کو محمول کر دیا جائے

علم: علم کی تعبیرات بکثرت ہیں زیادہ مشہور اور زیادہ متفق علیہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ کسی شئے کی صورت کا عقل (ذہن) میں آنا۔

۲۔ عقل کے نزدیک شئے سے جو صورت حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ جاننے والے کے نزدیک جو حاضر ہو۔

۴۔ ذہن میں آئی ہوئی صورت کو نفس کا قبول کر لینا۔

۵۔ علم اور معلوم کے مابین حاصل شدہ اضافت (تعلق و ربط)

۶۔ حالت ادراکیہ۔

۷۔ اعتقاد جازم وقطعی جو واقع کے مطابق ہو۔

۸۔ شئے کا بعینہٖ اور ہو بہو ادراک

۹۔ معلوم سے خلا اور حجاب کا اٹھ جانا۔

۱۰۔ صفت راسخہ جس کے ذریعہ کلیات وجزیات کا ادراک ہو سکے۔

۱۱۔ صفت بسیط ذات اضافت بالفاظ دیگر حالت انجلائیہ۔

۱۲۔ حق جلّ مجدہٗ کی جانب سے عقول پر انکشافی تجلی۔

علم الٰہی: ایسے موجودات کا علم جو اپنے وجود خارجی و ذہنی میں مادے کے محتاج تو نہ ہوں لیکن مادے کے ساتھ ان کا تعلق ممکن ہو۔

علم اعلیٰ: علم الٰہی دیکھو

علم کلی: علم الٰہی اور فلسفہ اولیٰ دیکھو

علم مابعد الطبیعات: عالم ارواح و عقول و مجردات کا علم

علم قدیم: وہ علم ہے جو اللہ جل مجدہٗ کی ذات میں قائم ہے اور بندوں کے علم حادث سے کسی قسم کی شباہت نہیں رکھتا۔

علم حادث: علم حادث کی قسم بدیہی اور ضروری کسی مقدمے پر موقوف و معلق نہیں ہوتی جیسے کل کا جزء سے بڑا ہونا یا حواس، کے ذریعے حصول علم جو براہ راست از خود حاصل ہو جاتا

ہے البتہ علم حادث کی جو قسم استدلالی ہے وہ قدیم و ترتیب مقدمات پر موقوف ہے جیسے حدوث یا قدوم علم۔

علم حضوری: علم بلا واسطہ صورت۔

علم حصولی، علم انطباعی: علم بواسطہ صورت تصور و تصدیق اسی علم کے اقسام ہیں۔

علم تعلیمی: علم ریاضی کو علم تعلیمی کہا جاتا ہے۔

علم التشریح: اس علم میں انسانی اعضاء اور ان کی باہمی ترکیب کی کیفیت زیر بحث لائی جاتی ہے اسی بنا پر اس کا موضوع انسانی اعضاء ہوا کرتے ہیں جن کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث ہوتی ہے اس کی غایت اولین تو خالق و صانع کے کمال صنعت کی معرفت ہے۔ مزید برآں اس سے امراض کے اسباب کا سراغ مل جاتا ہے اور معالجات میں سہولت رہتی ہے۔

علم فعلی: علم قبل از ایجاد جس سے وجود خارجی مستفاد ہے جو غیر سے نہ لیا گیا ہو۔

علم انفعالی: علم بعد از ایجاد جو وجود خارجی سے مستفاد ہو اور غیر سے لیا گیا ہو۔

علم الیقین: بر بناء دلیل امور و اشیاء کا جوں کا توں سمجھ لینا۔ مشاہدے کے بعد جو علم ہو اس کو عین الیقین کہا جاتا ہے۔ شہود و وقوع کے بعد جو علم ہوتا ہے وہ حق الیقین کہلاتا ہے۔

علم المعانی: مقتضاء حال کے مطابق الفاظ کو اور ان کے مواقع استعمال کو جان لینا۔

علم البدیع: مقتضاء حال اور وضاحت و دلالت کی رعایت کرتے ہوئے اور تعقیدات معنوی سے بچتے ہوئے تحسین کلام کے لیے خوب صورت سے خوب صورت الفاظ کا استعمال کرنا۔

علم البیان: ایک مفہوم و معنی کو مختلف انداز و طریق سے ادا کرنا تاکہ مفہوم خوب واضح ہو جائے۔

علم اجنہ: جانوروں کی بولی کا علم۔

علم استدلالی، علم کسبی، علم نظری: جو علم بغیر غور و نظر اور فکر کے حاصل نہ ہو سکے۔

علم اکتسابی: جو علم فراہمی اسباب کے ذریعے حاصل ہو سکے۔

علم لدنیؔ: علم بلا واسطہ جو علم بلا دلیل عقلی اور بغیر شواہد نقلی کے بارگاہ علم و درسگاہ علیم و علام سے براہ راست القا ہو۔

علم الیقین: دلیل کے ذریعہ جو ازعان حاصل ہو۔

علم فعلی: جو کسی غیر سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔

علم انفعالی: جو کسی غیر سے حاصل کیا گیا ہو۔

علم الکلام: میں بحث ہوتی ہے موجود کے اعراض ذاتیہ سے اس حیثیت سے کہ وہ اسلام کے طور طریق اور مسلمہ قواعد کے مطابق ہو۔

علم المیزان: علم منطق

علم الفرائض: وہ علم ہے جس کے ذریعے میت کے ورثا مستحقین پر ترکے کی تقسیم کی کیفیت معلوم ہو سکے۔

علت: جس کا وجود فی نفسہٖ (اپنے آپ) ہو اور اس کے وجود سے دوسرے کا وجود ہو اور موجب بالذات اور موجب بالارادہ ہو۔ محتاج الیہ ہو جس کی طرف معلول محتاج ہو۔

علت العلل: سب سے مافوق اور بالاتر علت جو تمام اسباب و علل کی خالق و مبدع ہے، جلّ مجدہٗ۔

علت الوجود: جس پر ماہیت کا اتصاف موقوف ہو۔

علت الماہیت: جس کی وجہ سے ماہیت متقومہ اپنے اجزاء کے ساتھ وجود خارجی میں متقوم ہو۔

علت موجبہ: جس کے لیے معلول کا وجود ضروری ہو۔

علت تامہ: جس کی یہ علت تامہ ہو اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسری علت نہ ہو۔

علت ناقصہ: علت غیر تامہ کو کہا جاتا ہے جس کے لیے معلول کا وجود ضروری نہ ہو۔

علت مادی: جس شئے میں معلول کی استعداد ہو اور وہ معلول کا جزو ہو۔

علت صوری: جس سے معلول کی فعلیت حاصل ہو اور وہ معلول کا جزو ہو۔

علت غائی: صدور فعل کا مقصد و غایت۔

علت فاعلی: جس سے فعل صادر ہو اور اس کی وجہ سے معلول کا وجود ہو۔

علت مادی علت صوری علت غائی علت فاعلی کی مثال یک جا طور پر یوں سمجھی جائے کہ پانی پینے کے لیے کمھار نے کوزہ بنایا کوزہ بنانے والا کمھار کوزے کی علت فاعلی ہے کوزہ کی ہیئت و شکل علت مادی ہے جس مٹی سے بنایا گیا وہ مٹی علت مادی ہے۔ کوزے کی غرض وغایت پانی پینا ہے یہ علت غائی ہے۔

علامت: جس بات سے صحت یا مرض یا ان سے متعلق کسی امر کا پتہ چل جائے وہ علامت کہلاتی ہے۔

علامات مزاج صفراوی: تمام بدن میں اور آنکھوں میں زردی۔ منہ کی تلخی۔ زبان کی خشکی پیاس کی شدت، ٹھنڈی ہوا کی خواہش، نبض میں تیزی، بھوک کی کمی، متلی، زرد اور سبز رنگ کی قے، مقام براز کی سوزش و جلن خواب میں زرد اشیاء آگ اور شعلوں کا نظر آنا۔

علامات مزاج دموی: طبیعت کی گرانی۔ بدن کا سرخ ہونا۔ اعضاء میں کھچاوٹ۔ بدن کا پھول جانا۔ خواب میں سرخ چیزوں کا نظر آنا۔

علامات مزاج بلغمی: بدن کا سفید ہونا۔ پیاس کی کمی۔ بھوک اور غنودگی کی زیادتی، طبیعت کی گرانی۔ خواب میں پانی اولے اور بادلوں کا دیکھنا۔

علامات مزاج سوداوی: بدن کی خشکی۔ بیداری۔ خواب میں خوفناک اور سیاہ چہروں کا اور دھوئیں کا دیکھنا۔

علاج: ازالہ مرض کے ذرائع کام میں لانے اور استعمال کرنے کا نام علاج ہے۔

علاج بالاضداد: مرض کا علاج مخالف تدابیر سے کرنا مثلاً گرم مرض میں سرد اور سرد مرض میں گرم دوائیں استعمال کرانا۔

علویات: سیارات مریخ مشتری زحل

علم الجنس: (بفتح العین واللام)، جو ذہناً شے معین کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

عمر طبعی: مزاج اور قوت کے مطابق پوری پوری عمر پالینا عمر طبعی تک پہنچ جانا کہلاتا ہے۔ قدیم اطباء ایکسو بیس سال تک کی عمر کو عمر طبعی قرار دیتے ہیں لیکن آج کے دور انتشار میں ساٹھ ستر

سال کو بھی بدقت عمر طبعی کہا جاسکتا ہے۔

عمرہ: (بضم العین وسکون المیم)، حج کی ایک قسم ہے جس میں احرام کے ساتھ طواف کعبہ کیا جاتا ہے اور صفا و مروہ کے مابین سعی کی جاتی ہے۔ وقوف عرفہ اس میں داخل نہیں۔

عمد: بدرستی ہوش و خرد جو عمل کیا جائے وہ عمد کہلاتا ہے۔

عما: لغت میں اس کے معنی کوری اور نابینائی کے ہیں۔ مرتبہ احدیت جمع الجمع حقیقت الحقائق

عمود: وہ خط جو دوسرے خط پر سے گزرا جائے تو چار زوایا رقائم پیدا ہو جائیں۔
(دیکھو اسطوانہ)

عُمق: گہرائی۔ وہ بُعد جو طول و عرض کا مقاطع ہو۔

عموم السلب: سلب عموم۔ سلب کلّی۔ کلیۃ سلب۔

عُنصُر: لغت میں عنصر کے معنی اصل کے ہیں یعنی وہ اصل و بنیاد جو کسی چیز کے تحلیل ہونے کے بعد باقی رہ جائے، گویا عُنصر ایسا اصل ہے کہ جس سے مختلف الطبائع اجسام ترکیب پاتے ہیں اس کی جمع عناصر ہے۔ عناصر۔ آگ، ہوا، پانی اور مٹی ہیں۔ ان کو عناصر اس لیے کہا جاتا ہے کہ مرکبات ان کی طرف تحلیل ہو جاتے ہیں۔ اور مرکبات کے تحلیل پانے کے لحاظ سے یہ اسطقسات کہلاتے ہیں۔ لفظ "اسطقس" کے اطلاق میں "کون" کے معنی ملحوظ ہیں اور "عنصر" کے اطلاق میں۔ فساد کے معنی لیے جاتے ہیں اور اس حیثیت سے کہ وہ مرکبات کے اجزا ہیں۔ ان کو رکن کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ رکن شئے کا جزو ہی تو ہوا کرتا ہے اور چوں کہ ان میں سے ہر ایک عنصر دوسرے کی جانب منقلب ہوتا رہتا ہے اس لیے ان کو "اصول الکون والفساد" قرار دیا جاتا ہے
عناصر کی تعداد کے بارے میں شروع سے آج تک اختلاف کا سلسلہ جاری ہے اور ہر دور میں ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہی ہے۔ اس کائنات وموجودات کی ہر چیز اختلافات کی جولانگاہ اور معرکۃ الآرا رہی ہے۔ کل تحقیق سے کسی چیز کی جو نوعیت معین ہو چکی تھی وہ آج بتدیل ہو رہی ہے۔ یہی حال عناصر کا ہے۔ بعض ان کی تعداد صرف ایک بتلاتے ہیں۔ پھر یہ کہ وہ کیا ہے اس میں مختلف الخیال ہو جاتے ہیں۔ بعض دو عناصر قرار دیتے ہیں۔ بعض تین کے قائل ہیں۔ بعض مثلاً مشائیہ چار عناصر۔ آگ۔ پانی۔ ہوا۔ اور مٹی

کے قائل ہیں ۔ ایک گروہ ایک اور عنصر کا اضافہ کرتا ہے ۔ جس کو سنسکرت میں آکاش کہا جاتا ہے ۔ ایک اور گروہ اصحاب خلیط کہلاتا ہے ۔ خلیط کے معنی ہیں مرکب ۔ ملاجلا ۔ اصحاب خلیط عناصر کی بساطت کے منکر ہیں وہ کائنات کی ہر چیز کو مرکب لاتعداد مختلف اجزا سے مخلوط و ممزوج یعنی ملاجلا ۔ مانتے ہیں ۔ عناصر کی تحقیق آج جس منزل پر ہے ۔ اس کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں ۔ کہ یہ ساری نقش آرائیاں خلیط ہی کے موقلم کی گلکاریاں اور ارباب خلیط ہی کے مسلک کی شرح و تفصیل ہیں ۔

عنصر خفیف مطلق : آگ

عنصر خفیف اضافی : ہوا

عنصر ثقیل مطلق : مٹی

عنصر ثقیل اضافی : پانی

عنصر خفیف : جس کی حرکت بلندی کی جانب ہو ۔

عنصر ثقیل : جو پستی کی جانب مائل ہو ۔

عنقا : (دیکھو ہبار)

عنادیہ : وہ فرقہ جو حقائق اشیاء کا منکر ہے اور تمام اشیاء کائنات کو اوہام و خیالات کا گورکھ دھندا اور نقش بر آب سمجھتا ہے ۔ (منفصلہ پڑھو)

عندیہ : وہ فرقہ جو حقائق اشیاء کو تابع اعتقاد خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم جوہر کو عرض حادث قدیم کی نسبت جوہر عرض حادث قدیم ہونے کا اعتقاد کر لیتے ہیں تو یہ سب ایسے ہی ہو جاتے ہیں ۔

عوارض عامہ : جو اجرام سماوی اور اجسام عنصری دونوں کو عارض و لاحق ہوں جیسے حرکت و سکون زمان و مکان وغیرہ ۔

عوارض ذاتیہ : جو شئے کو بالذات عارض ہوں اور اس کی ماہیت کو لازم ہوں ۔ اگرچہ ماہیت سے خارج ہی کیوں نہ ہوں ۔

عوارض غریبہ : جو شئے کو بالذات عارض ہوں ۔

عوارض غریبہ : جو شئے کو بالذات عارض نہ ہوں۔

عوارض سماوی : جن عوارض و حوادث میں انسان کو دخل نہ ہو اور وہ قدرتی طور پر حاصل اور لاحق و عارض ہوتے ہوں۔ جیسے جنون۔ نسیان۔ نیند مرض موت۔ خواتین کے ایام ماہواری۔

عوارض مکتسبہ : جن عوارض میں انسان کو دخل ہو۔

عینیت : ذات میں اتحاد ایک کا جو مفہوم ہو بعینہٖ وہی دوسرے کا بھی مفہوم ہو یہی عینیت کہلاتی ہے عین اور عینیت ایک ہی ہوتے ہیں۔

عین : (دیکھو عینیت) چشمہ۔ آفتاب آنکھ وغیرہ متعدد معانی کا بھی حامل ہے۔

عین الیقین : جو طمانیت قلبی اور یقین کہ کشف و مشاہدے سے حاصل ہو۔

عین اللہ :
عین العالم : } انسان کامل ذات اقدس نبویؐ۔

عین ثابت : بارگاہ علم کی وہ حقیقت جو خارج میں تو موجود نہ ہو لیکن علم الٰہی میں معلوم و ثابت ہو۔

غ

غایت : مقصد، انتہا، جس کی وجہ سے شئے کا وجود ہو۔ اور جو فاعل کے فعل کا مقصود و منشا ہو۔

غایتِ ذاتیہ : (دیکھو امور اتفاقیہ)

غایتِ اتفاقیہ : (دیکھو امور اتفاقیہ)

غارِ کف : ہتھیلی کا درمیانی نشیب۔

غباوت : (دیکھو عدالت)

غذا : وہ چیز جو بدن میں پہنچ کر صرف اپنے مادے سے اثر کرتی ہے اور جزو بدن بن جاتی ہے۔ جزو بدن بننے کے یہ معنی ہیں کہ اس کا بیشتر حصہ گوشت پوست میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بعض غذائیں بدن میں اپنے مادہ صورت و کیفیت سے عمل کرتی ہیں وہ غذائے دوائی ذوالخاصہ کہلاتی ہیں بعض صرف مادے اور صورت نوعیہ سے عمل کرتی ہیں ان کو غذائے ذوالخاصہ کہا جاتا ہے۔ غذا کی متعدد اقسام طبی کتابوں میں درج ہیں۔

غذائے، دوائے، ذوالخاصہ: دیکھو غذا۔

غذائے ذوالخاصہ: دیکھو غذا۔

غریب: وہ حدیث جس کی اسناد متصل نہ ہوں اور کسی ایک تابعی یا تبع تابعی نے جس کو روایت کیا ہو۔

غرابت: کلمہ کا مکروہ اور نامانوس الفاظ پر مشتمل ہونا معانی کا واضح نہ ہونا۔

غشی: وہ بے ہوشی جو ضُعف قلب سے پیدا ہو۔

غشاء: جھلّی۔

غشاوہ: پردہ۔

غضب: نفس کی وہ حرکت جس کا محرک ومبدأ انتقام کا ارادہ ہوا کرتا ہے۔ اور جذبۂ انتقام ہی غضب کو برانگیختہ کرتا ہے۔

غضروف: کُرّی ہڈی۔

غیب: وہ امر خفی کہلاتا ہے جس کا ادراک کوئی سی حس بھی نہیں کر سکتی اور نہ ہدایت عقلی اس کی مقتضی ہو سکتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس پر کوئی عقلی یا سماعی دلیل نہ ہو جیسے "وعندہٗ مفاتیح الغیب لایعلمہا الاھو" دوسری قسم وہ ہے جس پر عقلی یا سماعی دلیل ہو، جیسے صانع ومبدع اور خلاق عالم کا وجود کُنہ اس کے صفات۔ عالم آخرت وغیرہ وغیرہ۔

غیب المکنون: حق جل مجدہٗ کی ذات اور اس کی حقیقت وکُنہ کا وہ راز جس کو صرف وہی جانتا ہے۔

غیب المصئون: ذات حق اور اس کی کُنہ وحقیقت کا وہ سربستہ راز جس کو صرف وہی جانتا ہے۔

غیب المطلق: لاتعین کے اعتبار سے ذات حق سبحانہٗ تعالیٰ۔

غیب الہویت: ذات حق سبحانہٗ لاتعین کے اعتبار سے یا جو کسی قید سے مقید نہ ہو۔

غیب الغیب: مرتبہ احدیت ذات۔ بصارت وعقل وادراک کی دسترس سے وراء۔ وراء الوراء۔ پرے دور بہت دور جہاں طائر تخیل بھی پر نہ مار سکے۔

غیب القلب: حق جل مجدہٗ کی طرف سے ایسی حالت وکیفیت کا ورود کہ جس کے بعد انسان مخلوق سے حتیٰ کہ اپنی ذات تک سے غافل ہو رہے اور صرف ذات حق میں محو اور فنا ہو جائے۔

غیریت: دو اشیاء میں سے ہر ایک کا دوسری شئ سے متغائر ہونا۔ عینیت اسی غیریت کی مقابل ہے غیریت اور تغایر ایک ہی مفہوم کے حامل ہیں۔

غیر طبعی زیادتی: وہ چیز بدن میں پیدا ہو جائے جو پہلے نہ تھی مثلاً آنتوں میں کیڑے پیدا ہو جائیں۔

غیر طبعی کمی: جو کسی پیدائش کے بعد لاحق ہو مثلاً کوئی عضو یا اس کا کوئی جز کٹ جائے۔

غیر منصرف: جس میں نو علتوں میں سے دو علتیں ہوں یا ان میں ایسی ایک علت ہو جو دو علتوں کی قائم مقام ہو۔ نو علتیں۔ عدل وصف تانیث معرفہ عجمہ جمع ترکیب وزن فعل۔ الف فرق زائدتان۔

غیر قار: جس کے اجزاء مفروضہ مجتمع نہ ہوں۔

ف

فاعل: جس سے فعل کا صدور ہو اگر اختیار سے فعل صادر ہو تو فاعل بالاختیار ہے ورنہ فاعل بالایجاب

فاعل بالاختیار: جس سے باختیار خود فعل کا صدور ہو۔

فاعل بالایجاب: جس سے بلا قصد و اختیار فعل سرزد ہو۔

فاسد: جو اصلاً صحیح ہو اور وصف کے لحاظ سے صحیح نہ ہو۔

فاسخ: ہڈی اور کری کا وہ تفرق اتصال جو جانب عرض میں ہو اور جس سے اس کے دو یا دو سے زیادہ بڑے بڑے ٹکڑے ہو جائیں۔

فالج: مشہور مرض ہے جس میں بدن کا نصف حصہ بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔

فتحہ: (اعراب کی قسم) دیکھو اعراب۔

فجور: (دیکھو عدالت)

فحوائے کلام: کلام کا اصل مفہوم جس غرض سے کلام جاری کیا گیا ہو۔

فرقان: قرآن مجید اور علم تفصیلی جو حق و باطل میں امتیاز پیدا کر دینے والا ہے۔

فرد: وہ حقیقت جو ایک شئے کو شامل ہو ایک کے علاوہ کو شامل نہ ہو۔ شخص اور فرد کے مابین دقیق فرق یہ ہے کہ حقیقت کا اگر تقید اور قید کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو فرد ہے اگر صرف تقید یا صرف قید ملحوظ ہو تو حصہ اور شخص ہے۔

فراست: مکاشفہ، یقین، معائنہ غیب۔ نور الٰہ کے ذریعے معائنہ ومشاہدہ۔ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ۔

فرض: جو دلیل قطعی قرآن، سنت اور اجماع امت سے ثابت ہو ایسے امر ثابت کا منکر کافر اور تارک قابل تعزیر ہے۔ فرض عین امت کے ہر فرد پر لازم ہوتا ہے اور فرض کفایہ بعض افراد کے انجام دے لینے کے بعد سب پر سے ساقط ہو جاتا ہے یا تجویز عقلی۔

فسق: (دیکھو عدالت)

فساد: مادے سے اس صورت کا زائل ہو جانا جو پہلے سے موجود تھی۔

فسخ: باطل ہو جانا۔ قائلین تناسخ کے نزدیک فسخ یہ ہے کہ نفس انسانی کا زوال و انتقال انسانی بدن سے اجسام جمادی کی طرف ہو جائے (دیکھو تناسخ)

فصاحت، فصیح: وہ کلام فصاحت پر مشتمل اور فصیح کہلاتا ہے جس کے الفاظ و معانی میں تعقید یعنی گرہ پڑی ہوئی نہ ہو، ثقیل و نامانوس الفاظ اور تنافر کلمات سے پاک، کریہہ الصوت، مغلق (غیر واضح) اور خلاف قیاس الفاظ سے یکسر صاف ہو۔ صراحت و وضاحت کے ساتھ مفہوم ادا کر رہا ہو۔ لفظی و معنوی اعتبار سے ماسبق سے مربوط اور اس کے معیار پر ہو جس میں متوازن معتدل اور موزوں ترین الفاظ ادائے مفہوم کے لیے لائے گئے ہوں۔

فصل: جو شے کی ذات کو دوسرے سے ممتاز و متمیز کر دے۔

فصل مقوم: وہ جزء جو ماہیئت میں داخل ہو۔

فصل مقسم: جو کسی شے کو دو حصوں میں تقسیم کر دے۔

فضلات: وہ از کار رفتہ مادے جن کو فضول سمجھ کر جسم خارج کر دیتا ہے جیسے پسینہ، بول براز وغیرہ۔

فطنت فطانت: کسی غیر کے کلام سے فوراً مطلب اخذ کر لینا۔

فطانت: (دیکھو فطنت)

فطرت: آفرینش اور خصلت و جبلت جو قبول دین و حق کے لیے مستعد و تیار ہو۔ "کل مولود یولد علی الفطرۃ"

فطریات : دیکھو بدیہی بدیہات،
فعل (مقولہ) : وہ صفت جو کسی شئے کی تاثیر سے پیدا ہو۔ یہ اختیاری ہوتا ہے اور اضطراری بھی۔
فعل (مقابل اسم) : جس میں تین زمانوں ماضی، مستقبل، حال میں سے کوئی ایک زمانہ پایا جائے۔
فعل : وہ عمل یا فعل جو کسی قوت یا فاعل سے صادر ہو۔
فعل ذاتی : کسی چیز کا اصل فعل مثلاً پانی کا اصل فعل ٹھنڈک پہنچانا ہے۔
فعل عارضی : کسی چیز کا اصلی فعل واثر کے علاوہ کسی اور دوسرے اثر کا پیدا ہو جانا۔ جیسے گرم پانی سے نہانے سے ہم فوری طور پر گرمی اور بعد میں سردی محسوس کرتے ہیں۔ اور سرد پانی میں نہانے سے فوری طور پر سردی اور بعد میں گرمی محسوس کرتے ہیں۔ یہ گرمی اور سردی۔ گرم و سرد پانی کا الٹا اثر ہے جو جسم کے مسامات کھلنے اور بند ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے۔ گرم پانی مسامات کو کھول دیتا ہے اور سرد پانی بند کر دیتا ہے۔
فعل مفرد : جو فعل ایک قوت سے انجام پائے۔
فعل مرکب : جو فعل ایک سے زیادہ قوتوں کے بغیر انجام نہ پا سکے۔
فقہ : احکام شرعیہ کا وہ علم جو ادلّہ قطعیہ سے حاصل کیا گیا ہو۔
فکر : امور معلومہ کا اس طرح ترتیب دینا کہ اس سے مجہول معلوم اور حاصل ہو جائے، نظر اور فکر ہم معنی ہیں الآیہ کہ نظر میں امور معلومہ کا ملاحظہ لازم ہو جاتا ہے اور فکر میں ضروری نہیں ہوتا۔

فکر سے تین معنی مراد لیے جاتے ہیں، ایک معقولات میں نفس کی حرکت خواہ کسی مطلوب کی تحصیل کے لیے ہو یا نہ ہو، اس فکر کا مقابل تخیل ہے جس کی حرکت محسوسات تک محدود ہے، دوسرے مطالب سے مبادی کی طرف اور مبادی سے مطالب کی طرف حرکت یعنی دونوں حرکتوں کا مجموعہ۔ اس فکر کا مقابل حدس ہے۔ تیسری حرکت اولیٰ جو منقطع بھی ہوتی رہتی ہے اور جاری ہو کر حرکت ثانیہ سے ملتی بھی رہتی ہے اس فکر کا بالمقابل ضرورت ہے۔

فلسفہ وحکمتہ (حکمۃ مطلقہ): ایسا علم جس کے ذریعے درمیانی صلاحیت کے انسان پر اس کی بشری طاقت کے بقدر موجودات خارجی وذہنی کے واقعی حالات کا اتنی مقدار و تعداد میں اس حد تک انکشاف ہوجائے کہ ان کی غایت مرتب اور محسوس ہوسکے۔

جہاں تک لفظ فلسفہ کا تعلق ہے یونانی زبان ولغت میں اس کے معنی واجب الوجود حق جل مجدہ کے ساتھ بشری طاقت کے بقدر تشبیہ اور تخلقوا باخلاق اللہ کے ہیں تاکہ ابدی سعادت حاصل ہوسکے جیسا کہ آمر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور ہدایت ہے کہ **تخلقوا باخلاق اللہ**۔

فلسفہ اولی (حکمت الہیہ)، (علم کلی۔ الٰہی بالمعنی الاعم): ایسے موجودات کا علم جو مادے کے محتاج تو نہ ہوں لیکن مادے کے ساتھ ان کا تعلق ممکن ہو۔ (دیکھو حکمت الٰہیہ علم کلی الٰہی بمعنی الاعم)

فلاسفہ (جمع فلسفی): علوم حکمتہ وفلسفہ کے ماہرین۔

فلک: جسم کروی (گول)، جس کو ظاہری اور باطنی دو متوازی سطح گھیرے ہوئے ہوں جن دونوں کا مرکز ایک ہو۔ اس میں خرق والتیام (ٹوٹ پھوٹ) نہیں ہوتا۔

فلک الافلاک: فلاسفہ کے نزدیک محدد الافلاک والجہات ہے وہ اس کو فلک اطلس، فلک اعلیٰ، فلک اقصیٰ اور فلک اعظم بھی کہتے ہیں، ان کے نزدیک یہ نواں آسمان ہے جو سب سے بڑا اور سب سے اوپر ہے اس کے بعد ترتیب افلاک یہ ہے، فلک ثوابت، فلک زحل، فلک مشتری، فلک مریخ، فلک شمس، فلک زہرہ، فلک عطارد، فلک قمر،

شریعت اسلامی سات آسمان مانتی ہے، سبع سمٰوٰت طباقاً اگر ان سات آسمانوں میں کرسی، اور عرش کو اور شامل کرلیا جائے تو فلاسفہ کا قول نص شرعی کے مطابق ہوجاتا ہے۔ اور دونوں کے نزدیک تعداد نو (۹) ہوجاتی ہے۔

فلک اطلس: یہ آسمان ستاروں سے یکسر خالی ہے اور فلک الافلاک، فلک اقصیٰ، فلک اعلیٰ، فلک اعظم، فلک محدد الجہات اور عرش اعظم بھی کہلاتا ہے۔ مزید تفصیل فلک الافلاک میں دیکھو۔

فلک ثوابت: آٹھواں آسمان جو سیارات سبعہ کو چھوڑ کر دوسرے ستاروں سے جڑا ہوا اور

بھرا پڑا ہے۔

فلک اعلیٰ: دیکھو فلک الافلاک

فلک اقصیٰ: دیکھو فلک الافلاک

فلک اعظم: دیکھو فلک الافلاک

فلک محدد الجہات: تمام جہات کو اپنے احاطۂ وسعت میں لیے ہوئے۔ دیکھو فلک الافلاک

فلک زحل: ساتواں آسمان

فلک مشتری: چھٹا آسمان

فلک مریخ: پانچواں آسمان

فلک شمس: چوتھا آسمان

فلک زہرہ: تیسرا آسمان

فلک عطارد: دوسرا آسمان

فلک قمر: پہلا آسمان

فم معدہ: معدہ کا منہ۔ یعنی معدے کا وہ بالائی سوراخ جس کے ذریعے غذا معدے میں داخل ہوا کرتی ہے۔

فن برھان: علم منطق۔

فواد: پردۂ دل۔ قلب کا نازک ترین حصہ۔ فواد کی تشریح میں بڑی کاوشیں کی گئی ہیں اور اس کی تعیین وتلاش مصداق میں صاحب دل محققین بڑی دور تک چلے گئے ہیں۔ جن اصحاب قلب ونظر نے اس کا مفہوم ومصداق "پردۂ دل" متعین کیا ہے اس کی بدروشنی ان کو صحیح مسلم کتاب الایمان کی ایک حدیث سے ملی ہے جس میں ابوموسیٰ اشعریؓ صحابی کے قبیلے والوں سے متعلق حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس قبیلے کے افراد "الین قلباً وارق فواداً" ہیں یعنی قلب (دل) کے نرم اور فواد کے اعتبار سے ارق یعنی دل کا ورق (پردہ) یعنی پردہ دل کی طرح ان میں قبول اثر کی فوری اور زیادہ صلاحیت ہے۔ گویا ان کا فواد پردہ دل ورق قلب اپنی نزاکت کی وجہ سے بڑا ہی اثر پذیر اور قبول حق کا صالح ہے۔

فوق : جو اوپر ہو وہ فوق اضافی ہے اور جو سب سے اوپر ہو وہ فوق حقیقی ہے۔ فوق حقیقی کا مصداق صرف فلک اعلیٰ فلک اعظم، فلک الافلاک، فلک محدد الجہات، اور عرش اعظم ہے۔

فوائد بدنی : جو فوائد بدن سے متعلق ہوں جیسے خون کی صفائی فضلات ردیہ کا اخراج۔

فوائد نفسانی : جو فوائد نفس ناطقہ یعنی روح سے تعلق رکھتے ہوں مثلاً مسرت وانبساط۔

ق

قار : جس کے اجزاء مفروضہ مجتمع ہو سکیں۔

قانون : امر کلی ہے جو اپنے ذیلی جزئیات پر منطبق ہوتا ہے۔

قاعدہ : قانون کی ذیلی دفعات قاعدہ کہلاتی ہیں بیشتر قاعدہ کا اطلاق مثلث کے اضلاع میں سے کسی ایک ضلع پر بھی کر دیا جاتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق اس خط پر بھی کر دیا جاتا ہے جو دائرہ اور محیط دائرہ کو قطعین مختلفین پر تقسیم کرتا ہے۔

قاعدۃ المخروط : (دیکھو اسطوانہ)

قاسر : جو جسم سے خارج (باہر) ہو اور جسم میں تاثیر غریب پیدا کر دے۔

قاب قوسین : مقام دنیٰ فتدلیٰ مقام قرب الٰہی، اتحاد و اتصال، بالحق اس طرح کہ شائبہ تمیز و امتیاز اور اثنینیت باقی رہے۔ مقام ادنیٰ اس سے بھی زیادہ مقام قرب و رفعت ہے جہاں تمیز و امتیاز اور اثنینیت بھی باقی نہیں رہتی اور من تو شدم تو من شدی کی تمثیل حقیقت بن کر لباس مجاز میں آجاتی ہے یا مجاز حقیقت کے بحر ناپیدا کنار میں جذب ہو جاتا ہے دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

قبض : قلب پر ایک خوف کی سی حالت کا طاری ہو جانا جو عتاب الٰہی کی علامت یا کسی امر شنیع کے سرزد ہونے پر تنبیہ یا ادب آموزی کے لیے ہوتی ہے۔ ایک قبض وہ ہوتا ہے جو غذا میں بے احتیاطی کی وجہ سے ہو جایا کرتا ہے۔

قبلیہ : مقدم ہونا۔

قبلت ذاتی : تقدم باعتبار ذات۔
قبلیت زمانی : زمانہ مقدم میں ہونا۔
قبیح : دیکھو حسن۔
قبیح : جس کو عقل یا شرع یا دونوں برا سمجھیں جو فوری طور پر قابل مذمت اور انجام کار موجب عذاب ہو۔ (دیکھو حسن)
قبیح لذاتہ : دیکھو حسن
قبیح لغیرہ : دیکھو حسن
قبیح لغیرہ : دیکھو حسن
قبیح لذاتہ : دیکھو حسن
قبیح عقلی : دیکھو حسن
قبیح عقلی : دیکھو حسن
قبیح شرعی : دیکھو حسن
قبیح شرعی : دیکھو حسن
قدیم۔ قدم حقیقی : کسی چیز کا ہمیشہ سے ہونا ابدالآباد تک قایم رہنا اس کے پہلے اور بعد عدم کا نہ ہونا اور اس کا کوئی اول و آخر نہ ہونا۔
قدم حقیقی : دیکھو قدم
قدم ذاتی : کسی شئے کا اپنے وجود میں دوسری شئے کا محتاج نہ ہونا۔ قدم ذاتی صرف حق جل مجدہٗ کے ساتھ مختص ہے کہ وہ قدیم بالذات ہے اس کا وجود غیر کا رہین منت نہیں ہے اس قدم ذاتی کے بالمقابل حدوث ذاتی ہے کہ جس کا وجود غیر سے ہوا کرتا ہے۔
قدم زمانی : کسی شئے کے وجود سے پہلے عدم کا نہ ہونا اس کے بالمقابل حدوث زمانی ہے کہ جس کے وجود پر اس کے عدم کو سبقت زمانی حاصل ہے۔
قدم اضافی : کسی شئے کا زمانۂ وجود دوسری شئے کے زمانۂ وجود سے زیادہ ہونا۔
قدیم بالموضوع : عناصر

قدیم بالشخص : افلاک

قدرت : ایک ایسی صفت ہے کہ جس کی وجہ سے فاعل کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے کے باب میں مختار ہوتا ہے۔

قدر مشترک : دو مختلف امور کے مابین جو چیز اور جو نقطہ مشترک ہو۔

قدریہ : وہ طبقہ جو اس امر کا قائل ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ بندوں کا خالق ہے اسی طرح بندے اپنے افعال و اعمال کے خالق و ذمہ دار ہیں۔

قدیہ : (دیکھو جبر)

قراقر : پیٹ کی گڑگڑاہٹ جو آنتوں میں کثرت ریاح سے پیدا ہوجاتی ہے۔

قرحہ : وہ زخم جس میں پیپ پڑ گئی ہو۔

قرع نبض : نبض کی لرزش اور ٹھوکر جو نباض کی انگلی کو محسوس ہوتی ہے

قربانی : عید الضحیٰ یعنی عید قربان کے موقع پر ایام نحر ۱۰، ۱۱، ۱۲، ذالحجہ کو جو جانور معہ شرائط و قیود کے ساتھ ذبح کیے جاتے ہیں وہ قربانی کہلاتی ہے اس قربانی کو قرآن مجید میں شعائراللہ (اللہ کی نشانیاں) اور قیاماً للناس (نوع انسانی کے قیام و بقاء کا ذریعہ) قرار دیا گیا ہے۔

قسمت : تقسیم و تجزیہ ذہنی و خارجی تحلیل

قسمت خارجی : جو خارج میں آلہ نافذہ کے ذریعے یا بغیر آلہ نافذہ کے تقسیم و جدا ہو سکے۔

قسمت قطعی : جو آلہ نافذہ کے ذریعے کاٹی جا سکے اور خارج میں اس کے اجزاء متفرق ہو سکیں

قسمت کسری : جو کسی ضرب سے بغیر آلہ نافذہ توڑی یا جدا کی جا سکے اور خارج میں اس کے اجزاء جدا جدا نکل سکیں۔

قسمت وہمی : جو کاٹی یا توڑی نہ جا سکے لیکن اس کے اطراف محسوس ہوں۔

قسمت فرضی (عقلی) : جس کے اطراف محسوس نہ ہو سکیں اور عقل و ذہن اس کے اطراف اور اجزاء کی سمتوں کا تعین کر سکے۔

قسمت عقلی : دیکھو قسمت فرضی

قسم الشئے : جو چیز کسی شئے کے تحت درج ہو جیسے اسم فعل، حرف کہ ان میں سے ہر ایک کلمہ کے

تحت درج ہے۔

قسیم الشئ: جو شے کے مقابل ہو اور یہ شئے اور مقابل دونوں کسی تیسری شے کے تحت داخل ہوں جیسے تصور و تصدیق کہ دونوں باہم مقابل اور ایک تیسری چیز علم کے تحت داخل ہیں گویا تصور و تصدیق دونوں باہم قسیم ہیں اور علم کی قسمیں ہیں۔

۱۶

قضاء و قدر: محدثین، فلاسفہ اور متکلمین سب اس امر پر متفق ہیں کہ قضاء عقول مجردہ کا علم ہے یعنی وہ علمی صورتیں جو عقول مجردہ کے نفوس میں منقش، لوح محفوظ میں ثبت اور مجتمع ہیں عقول مجبردہ کا یہ علم قضاء الہٰی ہے خدائی اٹل فیصلے ہیں جن میں تغیر و تبدل کی گنجائش اور راہ نہیں ہے، اور جراعیان موجودات نفس الامری و واقعی پر ازل سے جاری اور ابد تک جاری رہنے والے ہیں گویا قضا و ازلی حکم کلی ہے اور مرتبہ اجمال ہے۔

قدر: یہی صور علمیہ ہیں لیکن اگر وہ مقتضاء صفات الہٰی نہ ہوں تو ان میں تغیر اور تبدیلی کی گنجائش رکھی گئی ہے ان میں حسب حالات و شرائط محو و اثبات ہوتا رہتا ہے اس کی صور علمیہ حالات کے اعتبار سے نفوس و عقول میں منقش ہوتی رہتی ہیں اور تبدیلیٔ حالات کے ساتھ ساتھ متغیر و متبدل ہوتی رہتی ہیں گویا جزی احکام ہیں اور تفصیلی مرتبہ ہے لیکن اگر احکام جزی صفات الہٰی کا اقتضاء ہوں تو پھر ان میں بھی تغیر نہ ہو سکے گا بالفاظ دیگر صرف ان جزی احکام میں تبدیلی اور محو اثبات ہو سکے گا جو مقتضاء صفات الہٰی نہ ہوں کیونکہ جو امر مقتضاء صفات الہٰی ہو گا وہ تو دائرہ قضاء میں آجائے گا۔

قضاء قطعی قضاء محکم: لوح محفوظ کے وہ نقوش و احکام اور اٹل فیصلے جن میں قطعاً کسی قسم کا ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر اور تبدل نہ ہو سکے۔

قضاء مبرم قضاء معلق: خدائی احکام کا وہ حصہ جو تفصیلات سے متعلق ہو اور جس کی تفصیلات کے سلسلے میں رد و بدل اور تبدیلی کی گنجائش ہو۔ اس معنی کے قضاء مبرم اور قضاء معلق دائرۂ قدر میں آجاتے ہیں بعض فضلاء دہر نے قضاء مبرم کو قضاء معلق کے دائرے سے نکال کر قضاء قطعی اور قضاء محکم کا مترادف قرار دیا ہے۔

قضیہ: وہ قول ہے جس میں صدق و کذب کا احتمال ہو یا جس قول کے قائل کو صادق یا کاذب
کہہ سکیں جکم۔ تصدیق۔ نسبت الکلیہ سب پر قضیہ کا اطلاق ہو سکتا ہے (مرکب تام بھی پڑھو)
قضیہ بسیط: جس کی حقیقت اور معنی یا صرف ایجاب ہو یا محض سلب ہو۔
قضیہ مرکبہ: جس کی حقیقت ایجاب و سلب سے مرکب ہو۔
قضیہ حملیہ: جس میں ایک شئے کا حکم دوسری شئے کے لیے کیا جائے یا ایک شئے سے دوسری شئے
کے لیے حکم کی نفی کی جائے۔
قضیہ شرطیہ: جس میں ایک شئے کا حکم دوسری شئے کے لیے یا اس حکم کی نفی نہ ہو۔
قضیہ شخصیہ: جس میں موضوع قضیہ جزی اور شخص معین و مخصوص ہو۔
قضیہ مخصوصہ: دیکھو قضیہ شخصیہ
قضیہ حقیقیہ: جس پر بالفعل موضوع صادق آئے اس پر حکم کیا جائے عام ازیں کہ خارج میں موجود
ہو یا نہ ہو۔
قضیہ طبعیہ: جس میں موضوع کلی ہو اور حکم خالص حقیقت پر کیا گیا ہو۔
قضیہ محصورہ: جس میں حکم افراد پر ہو اور افراد کی تعداد بیان میں محدود و محصور کر دی گئی ہو۔
قضیہ مہملہ: جس میں حکم افراد پر ہو اور تعداد محدود و محصور نہ کی گئی ہو۔
قضایا قیاساتہا معہا: وہ قضایا ہوتے ہیں جس میں عقل ایک واسطہ کو تسلیم کرتی ہے کہ جو طرفین
کا تصور کرتے وقت ذہن سے غائب نہیں ہوا کرتا مثلاً چار کے عدد کا جفت ہونا ہم اس لیے
تسلیم کرتے ہیں کہ وہ برابر برابر تقسیم ہو سکتا ہے اور یہ تقسیم تساوی کا تصور ہمارے ذہن میں ہوتا
ہے (دیکھو بدیہی بدیہیات)۔
قضایائے واجبات: وہ قضایا ہیں جس کے موضوعات کے متعلق خارج عقل ان کے وجوب وجود
یا امکان وجود یعنی تساوی وجود و عدم یا امتناع وجود کا حکم کرے۔
قضایائے ممکنات: دیکھو قضایائے واجبات
قضایائے ممتنعات: دیکھو قضایائے واجبات
قضایا متعارضہ: وہ قضایا ہیں جن میں حمل احمل متعارف ہو۔

قطر: خط عمق وہ خط جو عمق میں کھینچا گیا ہو۔ خط مستقیم جو دائرہ کی ایک سمت سے دوسری جانب تک اس طرح کھینچا گیا ہو کہ اس کا وسط مرکز پر واقع ہو یا وہ خط جو منصف دائرہ ہو اس کا اطلاق اس دائرہ پر بھی ہوتا ہے جو کُرے کے مرکز سے گذرے قطر اور وتر میں فرق صرف اعتباری ہے جو خط دائرے کے مرکز سے گذرتا ہے وہ گذرنے کے لحاظ سے قطر کہلاتا ہے اور چوں کہ اس کی وجہ سے دائرہ دو قسموں میں منقسم ہوجاتا ہے اس حیثیت سے اس کو وتر کہا جاتا ہے (دیکھو اسطوانہ)

قطر الدائرہ: وہ خط مستقیم جو دائرے کی ایک جانب کو دوسری جانب سے ملا دینے والا ہے اس طرح پر کہ اس کا وسط مرکز پر واقع ہو۔

قطب: کرۂ کے وہ دو فرضی نقطے جو کرۂ کی حرکت کی حالت میں بھی ساکن رہیں جن کا بعد ہر جہت سے اعظم ترین دائرے سے اور مرکز سے مساوی ہو۔

قطب جنوبی: وہ جنوبی نقطہ جو دائرہ نصف النہار سے فلک الافلاک کی حرکت یومیہ کے اعتبار سے یا مرکز سے ۹۰ درجے پر واقع ہو جس پر فلک ضیم گھوم رہا ہے۔

قطب شمالی: وہ شمالی نقطہ جو دائرہ نصف النہار سے فلک الافلاک کی حرکت یومیہ کے اعتبار سے یا مرکز سے ۹۰ درجے پر واقع ہو جس پر نواں آسمان گردش کر رہا ہے۔

قطبین الکرۃ: دیکھو اسطوانہ

قطبین الحرکت: دیکھو اسطوانہ

قطب سطح الکرۃ: دیکھو اسطوانہ

قعر معدہ: معدے کی گہرائی اس سے معدے کا وہ نچلا حصہ مراد ہوتا ہے جو داہنی طرف جگر سے ملا ہوا ہوتا ہے غذا فم معدہ سے گذرتی ہوئی قعر معدہ ہی میں جاتی ہے۔

قلم: جس میں علوم کی تفصیلات اجمالاً مندرج ہوں اور جب لوح پر قلم سے نقوش ثبت کر دیئے جائیں تو علوم کی تفصیلات ظہور میں آجائیں جس طرح کہ نطفہ مجملاً جسم انسان میں محفوظ رہتا ہے اور جب لوح پر ثبت ہو جاتا ہے تو روح انسانی تفصیل کے ساتھ ظہور میں آجاتی ہے

قلم اعلیٰ: عقل اول۔ خالق کی اولین تخلیق۔ حقیقت محمدیہ (علیہ التحیات)

قلب : دل۔ مجمع حیات و شعور محل حیات حیوانی۔ یہ وہ دل ہے جو صنوبری شکل ہے اور سینہ کے بائیں جانب معلق ہے فلاسفہ اس کو نفس ناطقہ اور روح باطنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نفس حیوانی اس دل کا مرکب ہے اس قلب (دل) کا تعلق عالم خلق سے ہے اور یہ تغیرات جسمانی کا مرکز ہے قرآن و احادیث میں اور صوفیاء کرام و معلمین اخلاق کے نزدیک یہ ایک لطیفۂ نورانی اور عظیم ترین عطیۂ ربانی ہے اور اس کا تعلق عالم امر سے ہے اس کو روح نفس اور عقل سے بھی تعبیر کیا گیا ہے یہ قلب روحانی تغیرات، ترقیات و تنزلات اور اخلاقی تبدیلیوں کا سرچشمہ ہے اس لطیفہ ربانی کا محل قلب ہے اور قلب کا محل فواد ہے۔ مزید تفصیل فواد میں پڑھیئے۔

قولنج : اس مرض میں آنتوں کے اندر سُدے پڑ جاتے ہیں اور پیٹ میں شدید درد ہو جاتا ہے۔

قوس : جزو دائرہ۔ علی العموم اس کا اطلاق نصف دائرہ پر ہوتا ہے۔

قول شارح : وہ معلوم تصوری جو مجہول تصوری تک پہنچا دے اس کو معرف (بکسر الراء) بھی کہا جاتا ہے۔

قوم : متعدد افراد کا مختلف اغراض و مقاصد اور مصالح کے لئے باہم تعاون اور اشتراک عمل۔ عربی زبان میں یہ لفظ جس معانی میں استعمال ہوتا آیا ہے اس کے لحاظ سے ایک شخص خواہ کسی مسلک کسی اصول کا پیرو ہو قوم میں شامل سمجھا جائے گا جب کہ وہ اس قوم میں پیدا ہوا ہو اور اپنے طرز زندگی اور معاشی و معاشرتی تعلقات کی بناء پر اس قوم کے ساتھ منسلک ہو نسل، زبان، مرز بوم (جائے پیدائش)، رنگ، معاشی اغراض اور نظام حکومت میں اشتراک و منسلک ہونا قومیت کے عناصر ترکیبی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں کفار کو مسلمانوں کے ساتھ شریک قومیت کہا گیا ہے اور ان کو نبی کا ہم قوم بتایا گیا ہے۔

قوت : وہ قوت جو جاندار اور جسم نامی میں محنت شاقہ برداشت کرنے اور حوادث ارضی و سماوی کے مقابلے کے لیے ودیعت کی گئی ہے نفس نباتی کی اس قوت کو قوت طبعیہ کہا جاتا ہے نفس حیوانی کی قوت کو قوت نفسانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نفس انسانی کی قوت کو قوت عقلیہ سے موسوم کیا جاتا ہے انسانی قوائے عقلیہ کو ادراک کلیات کے اعتبار سے قوت

نظری، عقل نظری اور استنباط جزیات وضاعات فکریہ کے لحاظ سے اور اس پر رائے زنی اور دلائل قائم کرنے کی بناء پر قوت عملی اور عقل عملی کا نام دیا جاتا ہے۔

قوت نظری: جس کے ذریعے اشیاء اور اشیاء کے حالات کو صرف جانا جائے۔

قوت عملی: جس کے ذریعے انسان اپنے اعمال و افعال کو درست کرے۔

قوت ادراکیہ: وہ قوت جو حواس خمسۂ ظاہری کے ذریعے معلومات فراہم کرتی ہے۔

قوت حیات: دیکھو قوت حیوانیہ

قوت قدسیہ: جس کے ذریعے حقائق اشیاء کا انکشاف ہو سکے۔ ملکۂ نبوت، روح کی قوت۔ یہ قوت صرف انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے عالم ارواح کی حکومت عالم سفلی تک محدود ہے اس قوت قدسیہ کی حکومت کا دائرہ عالم علویات تک وسیع ہوتا چلا گیا ہے لوح محفوظ یعنے علم باری تعالےٰ میں جو کچھ ثبت ہے اس کا ضروری حصہ حسب اقتضاء علام الغیوب بعینہٖ ارواح قدسیہ کے الواح قلوب پر منقش ہو جاتا ہے اس قوت کا تعلق تزکیۂ نفس اور اخلاق کی پاکیزگی سے ہے اس قوت کا حامل اخلاق میں خود بھی کامل ہوتا ہے اور دوسرے انسانوں کو بھی کامل بنا سکتا ہے اس لیے کسی بشر سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ علمی ربی کے بحر ناپیدا کنار سے براہ راست سیراب ہوتا رہتا ہے رسمی تعلیم و تعلم کے بغیر اس پر حقائق اشیاء و رموز کائنات منکشف ہوتے رہتے ہیں اور دنیا حیران رہ جاتی ہے کہ

امی و دقیقہ دان عالم

تلمیذ علیہم العلام رسالت مآب نے کسی انسان سے علوم و فنون حاصل کیے بغیر دنیا کی حالت تبدیل کر دی اور فلسفۂ اخلاق کے ایسے اصول مدون اور تلقین کیے کہ افلاطون و ارسطو کا طائر خیال بھی وہاں نہ پہنچ سکا (لبقرۂ بھی پڑھو)

قوت عاقلہ: نفس ناطقہ۔ قوت روحانیہ جو جسم میں حال اور ساری نہیں رہتی قوت متفکرہ کے استعمال میں آتی رہتی ہے اس کو نور قدسی بھی کہا جاتا ہے حدس اس قوت کے انوار کی ایک تابانی اور چمک ہوتی ہے۔

قوت حیوانیہ: (قوت حیات) اس قوت کی وجہ سے ہر عضو میں زندگی قائم رہتی ہے اس قوت

کا مبدا اور سرچشمہ صرف قلب ہے اور شریانوں کے ذریعے اس کے احکام و اثرات سارے جسم تک پہنچتے رہتے ہیں یہ قوت قلب میں انبساط و انقباض پیدا کرتی ہے جس سے تنفس کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ اور یہ قوت اعضاء کے لیے روح مہیا کرتی ہے یہ قوت تمام اعضاء کو نفسانی اور طبعی قوتوں کے قبول اور ان کی پذیرائی پر آمادہ کرتی ہے ظاہر ہے کہ اگر بدن سے قوت حیوانی منقطع ہو جائے جو تمام بدن میں روح حیوانی پہنچاتی ہے تو سلسلہ حیات بھی کہاں باقی رہے گا جب زندگی نہ رہی تو قوت نفسانی اور قوت طبعی آپ سے آپ بیکار ہو گئیں۔

قوت عقلیہ: دیکھو عدالت

قوت نطقیہ: دیکھو عدالت

قوت غیضیہ: دیکھو عدالت

قوت شہوانیہ: دیکھو عدالت

قوت نفسانیہ: (قوت حس و حرکت) اس قوت کی وجہ سے انسان مفید و مضر چیزوں کا شعور و ادراک کرتا ہے اور اعضاء میں حس اور حرکت کی قدرت اسی قوت سے حاصل ہوتی ہے گویا قوت نفسانیہ قوت احساس و ادراک اور قوت تحریک کا مجموعہ ہے۔

قوت حس و حرکت: دیکھو قوت نفسانیہ۔

قوت طبعیہ: یہ قوت غذا میں تغیر و تبدل پیدا کر کے اس کو جزو بدن بنا دیتی ہے اور بدن کی پرورش کی ضامن ہے کبھی تو فراوانی کے ساتھ اس غرض سے غذا کو جزو بدن بناتی ہے کہ اعضاء میں نشو و نما ہو اور وہ بڑھنے لگیں جیسا کہ بچپن میں ہوتا ہے کبھی غذا کو جزو بدن کمی کے ساتھ بناتی ہے جیسا بڑھاپے یا بیماری کے دوران کہ بدن کو تحلیل شدہ مقدار کا بدل میسر نہیں ہوتا ہے کبھی تحلیل شدہ اجزا و مقدار کا بدل ٹھیک ٹھیک مہیا کر دیتی ہے کہ بدن اپنی اصلی حالت پر قائم رہتا ہے اور تحلیل و ضائع شدہ حصہ غذا کے ذریعۂ طبعیہ فراہم کر دیتی ہے۔ اس قوت کا مبدء و سرچشمہ جگر ہے اور وریدیں اس کی حکم بردار ہیں روح طبعی کے ذریعے جسم میں پھیلتی ہے اور بقائے نسل کے اسباب فراہم کرتی ہے اس کی چار قسمیں ہیں غاذیہ نامیہ مولدہ مصورہ

دو آخر الذکر بقاء نسل کے کام آتی ہیں ۔ اس کو قوت تغذیہ بھی کہا جاتا ہے ۔

قوت تغذیہ (غاذیہ) دیکھو قوت طبیعیہ، بدن کے تحلیل شدہ حصہ کا بدل فراہم کرنے والی قوت

قوت تناسلیہ : اس قوت کی وجہ سے فنا ہو جانے والے افراد کے جانشین اشخاص پیدا ہوتے رہتے ہیں تاکہ سلسلہ نوع ختم نہ ہو سکے اس قوت کا مخزن و سرچشمہ خصیتین ہیں۔

قوت عازمہ : جس میں شوق کے بعد قصد و ارادہ پیدا ہو جائے۔

قوت فاعلہ : وہ ہے جو متعلقہ عضلات و اعضاء میں حرکت پیدا کر دے، قوت محرکہ کی قسم ہے ۔

قوت شامہ : (سونگھنے کی قوت) اس قوت کے ذریعے خوشگوار یا ناخوشگوار بو معلوم ہوا کرتی ہے سانس کے ذریعے ہوا جو ناک سے کھینچی جاتی ہے وہ اس کے احساس کا ذریعہ ہے۔

قوت باصرہ : (قوت بینائی) دیکھنے کی قوت یہ قوت رنگ روشنی اور شکلوں کا ادراک کرتی ہے اس کو نور بصری بھی کہا جاتا ہے یہ قوت اس مقام پر قائم ہے جہاں آنکھ کی طرف آنے والے دونوں پٹھے صلیب کی طرح آپس میں مل جاتے ہیں (X) جس کو تقاطع صلیبی کہا جاتا ہے ۔

قوت بصارت : دیکھنے کی قوت

قوت عاقلہ : یہ قوت معانی کلیہ اور مفہوم عامہ کی مدرک ہے یہ قوت صرف نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ہے۔

قوت حافظہ : وہ قوت جس کے ذریعے قوت واہمہ کے محسوسات محفوظ رہتے ہیں۔

قوت دافعہ : غذا کے فضلے کو دفع کر دینے والی قوت

قوت سامعہ : (سننے کی قوت) یہ قوت آوازوں کا ادراک کرتی ہے اس کا مقام وہ پٹھا ہے جو کان کے سوراخ میں بچھا ہوا ہے جس سے آواز کی لہروں اور موجوں کا احساس ہوتا ہے

قوت ذائقہ : (چکھنے کی قوت) یہ قوت اس پٹھے میں ہوتی ہے جو زبان میں پھیلا ہوا ہے اس قوت کے ذریعے ذائقہ اور مزے کا ادراک و احساس ہوا کرتا ہے اس کے ماسوا زبان کے ذریعے الفاظ و حروف بھی ادا کیے جاتے ہیں۔

قوت لامسہ : (چھونے کی قوت) یہ قوت بدن کی تمام جلد میں پھیلی ہوئی ہے۔ گوشت کے بیشتر حصے اور بدن کی جھلیوں تک میں یہ قوت موجود ہے اس سے اجسام کو چھو کر ان کی

حرارت، برودت، خشکی، تری، کھردراہٹ، چکناہٹ، سختی، نرمی، خفت و ثقل کا اندازہ کرلیا جاتا ہے۔

قوائے دماغی: دماغ کے قویٰ اور ان کا محل وقوع، اختلافی مسئلہ ہے بہرحال اکثریت اس پر متفق ہے کہ دماغی قویٰ پانچ ہیں ا۔ حس مشترک، ۲۔ خیال، ۳۔ واہمہ، ۴۔ متصرفہ، ۵۔ حافظہ۔ ان قویٰ کا محل وقوع بتفصیل ذیل متعین کیا گیا ہے۔

حس مشترک مقدم دماغ کے اگلے حصے میں اور خیال مقدم دماغ کے پچھلے حصے میں ہے قوت واہمہ سارے دماغ میں پھیلی ہوئی ہے لیکن اس کا اصل مرکز وسط دماغ ہے قوت حافظہ، موخر دماغ میں ہے اور قوت متصرفہ سارے دماغ کو گھیرے ہوئے ہے معانی کلیہ کے ادراک کے لحاظ سے قوت متصرفہ کو قوت مفکرہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور صور جزیہ اور معانی کے ادراک کی وجہ سے اس کو قوت متخیلہ بھی کہا جاتا ہے۔

قوت شوقیہ: حرکت کا شوق یا ارادہ پیدا کرنے والی قوت۔

قوت شہوانیہ: قوت شوقیہ کے ماتحت ایک قوت ہے جو کسی مفید اور پسندیدہ چیز کی طلب کے لیے جسم کے اعضاء میں حرکت پیدا کرتی ہے۔

قوت غضبیہ: قوت شوقیہ کے ماتحت قوت ہے جو کسی مضر اور مخالف چیز سے بچنے کے لیے اعضاء میں حرکت پیدا کردیتی ہے (دیکھو عدالت)

قوت لامسہ: چھونے کی قوت، یہ قوت بلد اور گوشت میں ہوتی ہے اور گرمی، سردی، خشکی، تری، سختی، نرمی، چکناہٹ وغیرہ کو محسوس کرتی ہے۔

قوت ماسکہ: غذا کو مناسب مدت تک جسم میں روکنے والی قوت

قوت متخیلہ: سوچنے والی قوت یہ قوت متصرفہ ہی کا دوسرا نام ہے خصوصاً جب کہ یہ وہم یا قوت واہمہ کی خدمت کرتی ہے۔

قوت متصرفہ: اندرونی قوتوں میں ایک قوت ہے اس کا کام صورتوں میں اور معانی میں تصرف و تغییر کرنا ہے۔

قوت محرکہ: جس قوت سے حرکت کی جاتی ہے وہی قوت محرکہ کہلاتی ہے۔

قوت مدبرہ: تدابیر داصلاح کرنے والی قوت اس کو طبیعت بھی کہتے ہیں۔
قوت مدرکہ: ادراک واحساس کرنے والی قوت

قوت مدرکہ باطنی: حواس خمسہ باطنی، حس مشترک، قوت خیال، قوت متصرفہ یا تخیلہ، قوت واہمہ قوت حافظہ۔ یہ سب حواس باطنی قوت مدرکہ باطنی کہلاتے ہیں۔

قوت مدرکہ ظاہری: حواس خمسہ ظاہری۔ قوت بصارت، قوت سامعہ، قوت شامہ، قوت ذائقہ قوت لامسہ ہیں حواس ظاہری قوت مدرکہ ظاہری کہلاتے ہیں۔

قوت مصورہ: نطفہ کو خاص شکل وصورت عطا کرنے والی قوت یہ قوت رحم میں ہوتی ہے۔
قوت مفکرہ: فکر کرنے والی قوت۔ یہ قوت قوت متصرفہ کا دوسرا رخ ہے جب کہ وہ نفس ناطقہ کی خدمت کرتی ہے۔

قوت مولدہ: یہ قوت مادہ منویہ پیدا کرتی ہے۔
قوت نامیہ: بدن کو نشو و نما دینے والی قوت یہ قوت غذا کو اضافہ بدن کے لیے استعمال کرتی ہے
قوت واہمہ یا وہم: یہ قوت حواس خمسہ ظاہری کے محسوسات سے معانی جزیہ کا ادراک کرتی ہے گویا ان چیزوں کو دریافت کرلیتی ہے جو بیرونی حواس کی دسترس سے باہر ہیں۔ مثلاً دوستی و دشمنی وغیرہ۔

قوت ہاضمہ: غذا کو ہضم کرکے اس قابل بنا دینے والی قوت کہ وہ اعضاء میں جذب ہو سکے۔
قوت نفسانی اور حیوانی کے مابین فرق وامتیاز: ان دونوں قوتوں کے مابین فرق وامتیاز فالج زدہ جسم اور عضو مفلوج سے ظاہر ہو سکتا ہے مفلوج عضو و حصہ حس و حرکت کی حد تک بیکار ہو جاتا ہے اس میں نہ حس ہوتی ہے نہ حرکت مگر زندگی باقی رہتی ہے کیونکہ اس میں اگرچہ قوت نفسانی مفقود ہو چکی ہے لیکن قوت حیوانی اور حیات و زندگی باقی ہے اگر حیات و قوت حیوانی باقی نہ رہتی تو مفلوج اعضاء کو گل سڑ کر پراگندہ و منتشر ہو جانا چاہیے۔ لیکن فالج زدہ اعضاء علیٰ حالہ قائم و باقی رہتے ہیں۔

قوت خیال: وہ قوت ہے جو حس مشترک کے ذریعے دریافت کیے ہوئے محسوسات کو محفوظ رکھتی ہے۔

قہقہہ: دیکھو ضحک و تبسم

قیاس: اصطلاح منطق میں ایسا قول ہے جو ایک سے زیادہ قضایا سے مرکب ہو جن کے تسلیم کر لینے کے بعد بطور نتیجہ ایک تیسری چیز لازماً نکل آئے جس کا تسلیم کر لینا بھی ضروری ہو۔ قیاس میں اگر نتیجہ یا نقیض نتیجہ بالفعل مذکور ہو تو قیاس استثنائی ہے ورنہ قیاس اقترانی۔ اصولیین کی اصطلاح میں قیاس اس کو کہا جاتا ہے کہ ایک حکم کو دوسرے کسی مشترک علت کی بنا پر عائد کر دیا جائے اگر معاملہ فوراً سمجھ میں آتا ہے تو قیاس جلی ہوگا ورنہ خفی

قیاس منطقی: دیکھو قیاس

قیاس اصولی: دیکھو قیاس

قیاس استثنائی: دیکھو قیاس

قیاس اقترانی: دیکھو قیاس

قیاس جلی: دیکھو قیاس

قیاس خفی: دیکھو قیاس

قیاس خلف: دو قضیوں میں سے کسی ایک کے امتناع کے ذریعے دوسرے کے تحقق پر استدلال کیا جائے

قیاسی: دیکھو سماعی

قیام للہ: خواب غفلت سے بیداری۔

قیام باللہ: فنا کے بعد بقا پر استقامت اس کے منازل پر عبور، سیر عن اللہ، باللہ، فی اللہ۔

قیفال: وہ رگ جو بازو میں اوپر کی جانب واقع ہے۔

ک

کامن: پوشیدہ، المخفی، چھپا ہوا

کائن: اصطلاح کون میں دیکھو۔

کاملیہ: ایک ایسا فرقہ ہے جو صحابہ کی تکفیر اس لیے کرتا ہے کہ نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد ان سب نے حضرت علیؓ کی بیعت کیوں نہیں کی اور ساتھ ہی ساتھ حضرت علیؓ کی تکفیر بھی کر دیتا ہے کہ جنگ کم

نے بیعت کا مطالبہ ترک کر دیا تھا۔

کائنات : وجود میں آنے والی اشیاء لفظ "کائنات" عالم عناصر کے ساتھ مخصوص ہے۔

کائنات الجو : عناصر کی ترکیب اور ان کے امتزاج سے فضا میں پیدا اور نمودار ہونے والی مختلف اشیاء جیسے کہ خود کا کوئی مزاج نہ ہو۔ ابر، بارش، برف، اولا، ابخرات، کہر، شبنم، قوس قزح، شفق، بجلی، لو، برق، شہاب ثاقب وغیرہ وغیرہ

کاریز : مصنوعی نہر جو اوپر سے بند ہوتی ہے۔ اس قسم کی نہریں پہاڑی علاقوں میں اور بلوچستان وغیرہ میں پائی جاتی ہیں ان نہروں کے پانی اطباء کے نزدیک خاص خاصیت و تاثیر رکھتے ہیں۔

کاسر : بمعنی توڑنے والا۔ وہ تفرق اتصال جس سے ہڈی یا کوئی عضو ٹوٹ جائے۔

کبریٰ : مقدمے کا دوسرا جزو۔ پہلا جزو صغریٰ کہلاتا ہے۔

کتاب مبین : لوح محفوظ۔ نفس کلیہ الواح اولیہ از منظمہ اشیاء

کتاب المحو والاثبات : دیکھو انسان کامل

کتاب عقلی : دیکھو انسان کامل

کتاب لوح محفوظ : دیکھو انسان کامل

کتابی : اہل کتاب جو ادیان سابقہ اور کتب سماویہ منسوخہ کا پیرو ہے۔

کثیر : تعدد وحدت، واحد کا مقابل۔ ہے اس کی تعریف و اقسام کو واحد کی تعریف و اقسام کے بالمقابل قیاس کر لیا جائے۔

کثرت انفصالی : وہ کثرت جس میں کہ ہر فرد اور ہر شئے علیحدہ علیحدہ وجود سے موجود ہو۔

کذب : ہر وہ بات جو خلاف اعتقاد یا خلاف واقعہ یا خلاف حکم حق جل مجدہ ہو۔

کرہ : جسم مستدیر دائرہ گول جس کے وسط کے مفروضہ نقطہ سے محیط کی جانب جانے والے تمام خط برابر ہوں یہی نقطہ کرہ کا مرکز ہوتا ہے۔

کرۂ حقیقی : جو ہر جہت میں غیر منقسم نقطے پر ختم ہو۔

کرب : بے چینی۔

کرامت: خرق عادت (خلاف عادت) کسی امر کا ظہور کسی ایسے برگزیدہ مسلمان سے جو مدعی نبوت نہ ہو۔

کریم: اسماء الہیہ میں سے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی مستعمل ہے بعض ایثار پیشہ انسانوں پر بھی اس کا اطلاق ہو جایا کرتا ہے۔ حضرت علیؓ نے انسانوں کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ کریم وہ ہے جو خود نہ کھائے دوسروں کو کھلائے سخی وہ ہے جو خود بھی کھائے دوسروں کو بھی کھلائے بخیل وہ ہے جو خود کھائے دوسروں کو نہ کھلائے۔ لئیم وہ ہے جو خود بھی نہ کھائے اور دوسروں کو بھی نہ کھلائے۔ شقی وہ ہے جو نہ کھائے نہ کھلائے بلکہ دوسروں کو بھی کھانے کھلانے سے منع کرے۔

کسرہ: (اعراب کی قسم ہے) دیکھو کسرہ

کسر: (اعراب کی قسم ہے) دیکھو کسرہ

کسوف: سورج گرہن۔

کسب: وہ کام ہے جو حصول منفعت اور دفع مضرت کے لیے کیا جائے کسب کا اطلاق افعال انسانی پر کیا جا سکتا ہے کیوں کہ جلب منفعت اور دفع ضرر کے علاوہ اس میں آلات کی امداد و اعانت بھی شامل ہوتی ہے حق تعالےٰ کے افعال کو کسب سے تعبیر نہیں کر سکتے کہ وہاں نفع و ضرر اور آلات کی امداد و آمیزش کا سوال ہی نہیں ہے

کشف: حجاب کا اٹھ جانا۔ پس پردہ جو غیبی معانی اور حقیقی امور مستور ہیں ان کے وجود کا تیقن اور مشاہدہ۔

کلیات خمسہ: جنس، نوع، فصل، خاصہ، عرض،

کلی طبعی: ماہیت مطلقہ کے اس مرتبے کا نام ہے جس میں وجود و عدم دونوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا

کلی متواطی: جس کے معنی واحد اور شخص کے نہ ہوں بلکہ اس کے افراد کثیر ہوں اور یہ معنی اس کے تمام افراد پر اولیت، اولویت، شدت اور زیادتی کے فرق کے بغیر برابر برابر صادق آئیں

کلی مشکک: جس کے معنی واحد اور شخص کے نہ ہوں بلکہ اس کے افراد کثیر ہوں اور یہ معنی اس کے تمام افراد پر برابر برابر نہیں بلکہ فرق کے ساتھ صادق آئیں۔

کلام نفسی : وہ معنی جو متکلم کے دل میں ہوں اور جس پر عبارت یا کتابت یا اشارے سے استدلال کیا جا سکے۔

کلالہ : وہ ہے جس کا نہ ولد ہو نہ والد زندہ ہو۔

کل : جو اجزاء سے مرکب ہو۔

کم : مقدار، طول، عرض، عمق۔

کم متصل : وہ عرض جو بالذات قابل قسمت ہو اور اس میں کوئی فاصل حد مشترک نکلے۔

کم منفصل : وہ عرض جو بالذات قابل قسمت تو ہو لیکن اس میں کوئی مشترک حد نہ نکلے۔

کم (مقولہ) : وہ عرض جو تجزی، لا تجزی، انقسام، عدم انقسام کو بالذات قبول کرے۔

کلام (نحو) : جو اسناد تام (نسبت) کے ساتھ دو کلموں پر مشتمل ہو۔ یعنی دو کلموں سے مرکب ہو۔

کلام (علم) : جس علم میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات سے اور ممکنات کے ان حالات سے جو مبدء اور معاد، جنت، دوزخ، صراط، میزان، عذاب، ثواب وغیرہ سے متعلق ہوں بحث کی جائے۔

کمیت ساریہ : پھیلی ہوئی مقدار

کلمہ : ایسا لفظ ہے جو مفرد معنی کے لیے وضع کیا جائے یا جو مستقل معنی رکھتا ہو۔ یا کلمۂ طیبہ

کمال : جو قوت سے فعل کی طرف دفعتاً یا تدریجاً آجائے یا جس سے شئے مکمل ہو جاتے۔

کمال اول : بالفعل متحقق ہو جانے اور وقوع میں آجانے والی شئے یا جس کی وجہ سے نوع باعتبار ذات مکمل ہو جائے۔

کمال ثانی : بالقوہ متحقق اور وقوع میں آجانے والی شئے یا جس کی وجہ سے نوع باعتبار صفات مکمل ہو جاتے۔

کُنہ : شئے کی حقیقت اور اس کے تمام ذاتیات

کنز المخفی : ذات احدیت حق جل مجدہٗ جو سر تا سر غیب ہے اور باطن سے باطن تر ہے۔

کنز : دیکھو رکاز

کنایہ : جس لفظ کے معنی بغیر قرینے کے ظاہر و واضح نہ ہو سکیں یا غیر صریح لفظ یا امر معین کی تعبیر یا وہ لفظ جس کے لازم معنی مراد لیے جائیں۔

کواکب: کوکب کی جمع ہے کواکب بسیط اجسام ہیں جو افلاک میں اس طرح جڑے ہوئے ہوتے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑا ہوتا ہے سب ستارے بذات خود روشن ہیں صرف قمر ایک ایسا ستارہ ہے جو بذات خود تاریک ہے لیکن وہ سورج سے روشنی حاصل کر لیتا ہے یہ کواکب سیارات و ثوابت میں تقسیم ہیں، سیارے سات ہیں، قمر، عطارد، زہرہ، شمس، مریخ، مشتری، زحل ان کے ماسوا جس قدر بھی ستارے ہیں وہ سب ثوابت ہیں سیارات سبعہ (سات ستارے) ہمہ وقت حرکت میں رہتے ہیں، ثوابت اپنی جگہ قائم اور غیر متحرک ہیں، سیارات سبعہ مذکورہ ترتیب کے مطابق فلک اول (فلک دنیا) سے فلک ہفتم تک پر ہیں اور ثوابت سب کے سب آٹھویں فلک پر ہیں جو فلک ثوابت بھی کہلاتا ہے، نواں آسمان ستاروں سے یکسر خالی ہے جو فلک اطلس، فلک الافلاک، فلک اعلیٰ، فلک اعظم اور عرش اعظم، فلک محدد الجہات وغیرہ کہلاتا ہے، سبعہ سیارات کے فارسی نام ماہ، عطارد، ناہید، خور، بہرام، برجیس اور کیوان ہیں، اتوار سے لے کر سنیچر تک کے ساتوں دن علی الترتیب سیارات ذیل کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ شمس و قمر، مریخ، عطارد، مشتری، زہرہ، زحل اور ساتوں راتیں اتوار کی رات سے لے کر سنیچر کی رات تک سیارات ذیل کی طرف اس ترتیب سے منسوب ہوتی ہیں، عطارد مشتری، زہرہ، زحل، شمس، قمر، مریخ: سیارات سبعہ میں سے شمس و قمر، نیرین یعنی نیر اعظم اور نیر اصغر کہلاتے ہیں اور باقی پانچ کو خمسہ متحیرہ کہا جاتا ہے پھر ان خمسہ متحیرہ میں سے دو، عطارد و زہرہ سفلتین اور تین، زحل، مشتری، مریخ علویات کہے جاتے ہیں ان خمسہ متحیرہ کی یہ سفلیت و علویت شمس کے اوپر اور نیچے ہونے کے لحاظ سے ہے عطارد کو کاتب بھی کہا جاتا ہے سعدین ہونے کے لحاظ سے زہرہ اور مشتری سعد اصغر اور سعد اکبر ہیں مریخ و زحل کے مخصوص نام احمر اور کیوان بھی ہیں اور وہ دونوں علی الترتیب نحس اصغر و اکبر بھی ہیں۔

فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اور ہیاکل النور میں شیخ شہاب الدین سہروردی نے بیان کیا ہے کہ تمام کواکب نور کا استفادہ شمس سے کرتے ہیں اور اس کے نور سے مستنیر ہیں، متکلمین نے بھی شیخین (اکبر و سہروردی) کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے محقق دوانی نے بھی اس رائے کو حق مانا ہے عارف رومی کی مثنوی سے بھی بدلالۃ النص ایسا

ہی سمجھا جاتا ہے۔

کواکب الثابتات : غیر متحرک اور آسمان میں جڑے ہوئے ستارے

کون : جو چیز دفعتاً پیدا ہو جائے یا بغتۃً ظہور میں آجانے والی چیز یا مادے میں اس صورت کا حصول جو پہلے حاصل نہ تھی۔

کون و فساد : اجزاء جسم کا اجتماع و انتشار، اجتماع کون، اور انتشار فساد کہلاتا ہے۔

کلی : جو کثیر تعداد پر صادق آئے جس کا محض تصور وقوع شرکت سے مانع نہ ہو اگر کلی اپنی جزئیات کی حقیقت میں داخل ہو تو ذاتی ہے۔ داخل نہ ہو تو عرض ہے۔

کلی ذاتی : کلی میں دیکھو

کلی عرضی : کلی میں پڑھو

کوثر : حوض کوثر مشہور ہے جنت کی ایک نہر یا حوض کا نام ہے جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔

کیف (مقولہ) جس کا تصور غیر پر موقوف نہ ہو اور قسمت ولاقسمت کو خود نہ چاہے۔

کیفیت ادراکیہ : وہ حالت جو حواس ظاہری کے ذریعے کسی شئے کے معلوم ہو جانے سے نفس میں پیدا ہو۔

کیفیت محسوسہ : وہ حالت جو حواس ظاہری کے ذریعے کسی شئے کے معلوم ہو جانے سے نفس میں محسوس ہو۔

کیفیت انجلائیہ : وہ روشنی اور انکشافی حالت جو مجہول شئے کے معلوم ہو جانے کے بعد نفس میں پیدا ہو جاتی ہے اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ حیات

۲۔ علم

۳۔ ارادہ

۴۔ قدرت

۵۔ لذت والم

کیفیت نفسانیہ : دیکھو کیفیت اخلاقیہ

کیفیت مختصہ : وہ کیفیت جو کمیت متصلہ یا منفصلہ کے ساتھ مختص ہو۔

کیفیت استعدادیہ : وہ کیفیات جو جنس استعداد سے ہوں جیسے قوت و ضعف

کیفیت فعلی : حرارت و برودت (گرمی سردی)

کیفیت انفعالی : رطوبت و یبوست (تری خشکی)

کیفیت انفعال : جسم کا کسی کیفیت سردی گرمی خشکی یا تری کے اثر کو قبول کرلینا۔

کیفیت دواء : دوا کی گرمی سردی تری خشکی کے اثرات

کیلوس : غذا معدے میں معدے کے عمل و اثر سے جب آش جو کے مانند گاڑھی اور سفید ہو جاتی ہے اس کو کیلوس کہا جاتا ہے گویا کہ یہ کیلوس خلاصہ غذا اور اس کا ماحصل ہوتا ہے۔

کیموس : معدے کے عمل و دخل اور جذب و انجذاب کے بعد جب کیلوس جگر میں پہنچتا ہے تو وہاں پھر ایک بار اس پر جگر کا عمل ہوتا ہے اور ایک اور پکائی ہوتی ہے یہاں یہ کیلوس اخلاط اربعہ خون بلغم صفراء و سوداء کی مختلف شکلیں اختیار کرلیتا ہے اور کیموس کہلانے لگتا ہے۔

کیمیائے سعادت : رذائل سے بچنا اور نفس کو برائیوں سے پاک وصاف رکھنا اور فضائل و کمالات اور اخلاق حسنہ فاضلہ حاصل کرنا۔

کیمیا : (طلسم میں دیکھو)

کیّ : داغ دینا

ل

لاہوت : مرتبہ ذات

لامسہ : اعصاب کی وہ قوت جو تمام بدن میں پھیلی ہوئی ہے جس کو چھونے کے بعد حرارت و برودت اور متعدد کیفیات و حالات کا ادراک و احساس ہو جاتا ہے۔

لادوام : اس سے مراد اور اشارہ مطلقہ عامہ کی جانب ہوتا ہے۔

لاضرورت : یہ امکان کی ایک اصطلاح ہے جو اشتراک لفظی کی بناء پر چار معانی کے لیے بولی جاتی

ہے ایک امکان عام، جو وجود و عدم کے ایک طرف کی ضرورت مطلقہ ذاتیہ کا سلب ہے جو حکم کی طرف مخالف ہے دوسری امکان خاص جو حکم کے طرف موافق و مخالف کی ضرورت ذاتیہ کا سلب ہے۔ تیسری امکان اخص۔ جو طرفین کی ضرورت مطلقہ وصفیہ وقتیہ کا سلب ہے اور چوتھی امکان استقبالی۔ وہ امکان ہے جو زمانہ مستقبل کی طرف قیاس کرتے ہوئے اعتبار کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد اور اشارہ ممکنہ عامہ کی طرف ہوتا ہے۔

لا ادریہ : ایک فرقہ ہے جو ہر چیز کے اثبات ونفی اور ثبوت اور لاثبوت کے علم کا انکار کرتا ہے اور ہر سوال کے جواب میں کہہ دیتا ہے کہ "لا ادری" میں نہیں جانتا۔ اس فرقے کے کچھ افراد شککین کہلاتے ہیں۔ جو ہر سوال کے جواب میں کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں اس میں شک ہے، جب کہا جاتا ہے کہ اچھا شک کا تو اقرار کرتے ہو تو کہہ دیتے ہیں کہ اس شک میں بھی شک ہے تا آن کہ شک شک "الشک اور شک، شک : شک الشک پر بھی تا لاالی النہایۃ شک کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ بعض علمائے متکلمین نے ان کے اس شکی تسلسل سے زچ اور دق ہو کر تجویز کیا کہ ان سے عہدہ براء ہونے کی صرف یہ صورت ہے کہ ان کو دہکتی آگ میں ڈال دیا جائے اور پھر پوچھا جائے کہ آگ کا وجود ہے یا اب بھی شک ہے اگر اقرار کر لیں تو نکال لیا جائے ورنہ نذر آتش ہو جانے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

لازم : جو شئے سے جدا نہ ہو سکے یا جو شئے سے خارج ہونے کے باوجود اس سے جدا نہ ہو سکے

لازم بیّن : جس کے تصور کے لیے ملزوم کا تصور کافی یا لازم ہو اس لزوم کی بناء پر جو ان دونوں کے مابین ہے۔

لازم غیر بیّن : لازم و ملزوم کے مابین لزوم کا جزم تعین یا کسی درمیانی واسطے اور ثالث کا محتاج ہو۔

لازم الماہیت : جس کا انفکاک ماہیت سے بحیثیت ماہیت عوارض سے قطع نظر ممتنع ہو۔

لازم الوجود : جس کا ماہیت سے انفکاک مخصوص عارض کے ساتھ ممتنع ہو۔

لام : عربی الفاظ کے شروع میں بالعموم لفظ لام لایا جاتا ہے جو بصورت "ال" ہوتا ہے یہ درحقیقت صرف لام (ل) ہی ہوتا ہے الف یعنی ہمزۂ وصل کا تو اس میں ضرورتاً اضافہ کر دیا جاتا ہے یا صرف ہمزۂ وصل ہوتی ہے اور اس کے بعد لام کا اضافہ کر دیا جاتا ہے اس باب میں یعنی ہمزہ کے اصل

ہونے یا لام کے اصل ہونے یا اس کے برعکس ہونے کے سلسلے میں ماہرین علم نحو کے مابین بڑے دلچسپ اختلافات ہیں اور سیبویہ، منصور خلیل وغیرہ نحویین باہم الجھ پڑے ہیں اور بڑی عجیب وغریب تدقیقات پیش کی گئی ہیں جس طالب علم کو خداداد فرصت میسر ہو وہ کافیہ کے شروح جامع الغموض اور منبع الفیوض کے مطالعے میں اپنے اوقات عزیز ضائع کرے بہرحال یہ الف لام یعنی ال اسمی اور حرفی دونوں طرح کا ہوتا ہے اسمی اللذی کے معنے میں ہوتا ہے اور حرفی نکرہ پر داخل ہو کر اس کو معرفہ بنا دیتا ہے۔ مثلاً لفظ رجل کا اطلاق غیر معین فرد پر ہوا کرتا ہے اس پر الف لام داخل کر دینے سے الرجل متعین ہو جاتا ہے۔ پھر یہ الف لام تعریف جنس استغراق عہد خارجی، عہد ذہنی، کے لیے ہوا کرتا ہے ان سب کی تشریح باب الالف میں کردی گئی ہے۔

لب (لب لباب): عقل جو نور قدس سے منور ہو اور اوہام وتخیلات کے گرد وغبار سے پاک وصاف ہو۔

لزومیہ: دیکھو متصلہ (قسم قضیہ شرطیہ)

لزوم: جس میں ایک قضیہ کے صدق کا دوسرے قضیہ کے صدق کی بنا پر حکم کیا جائے کسی تعلق وعلاقہ کی بناء پر جو ان دونوں کے مابین ہو اور اس صدق کا موجب ہو یا دو چیزوں کا اس طرح ہونا کہ ایک کا وجود بغیر دوسرے کے متصور نہ ہو۔

لزومیت: لزوم دیکھو۔

لزوم خارجی: خارج میں مسمی (ملزوم) کے متحقق ہوتے ہی لازم کا تحقق ہو جائے جیسے شمس کے طلوع ہوتے ہی وجود نہار متحقق ہو جاتا ہے۔

لزوم ذہنی: ذہن میں مسمی (ملزوم) کا تصور آتے ہی لازم کا تصور آجائے۔

لسان الحق: وہ انسان کامل جو قطعی طور پر متکلم (حق تعالیٰ) کے اسم کا مظہر ہے اس انسان کامل اور اس مظہر اسم اللہ کا مصداق بدء اول ابتدائے آفرینش سے ابدالآباد تک صرف خاتم النبیینؐ کی بے عدیل وعدیم النظیر ذات اقدس ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

لطیف: سہل التشکل۔ رقیق القوام۔ بہت چھوٹے اجزاء کی طرف قابل انقسام مل جانے اور مخلوط ہو جانے

والا۔ سریع الاثر۔ شفاف

لطیفہ: ہر وہ اشارہ جس کے معنی دقیق ہوں جس کا سمجھنا سہل نہ ہو اور عبارت جس کی نزاکت کو برداشت نہ کر سکے یا بر وقت برداشت کرے۔

لطیفہ انسانیہ: نفس ناطقہ جس کو قلب کہا جاتا ہے جس میں روح کا نزول ہوا کرتا ہے اگر قلب کا رخ نفس کی سمت ہے تو اس کو صدر کہا جائے گا اور اگر روح کی جانب ہے تو اس کو فواد سے تعبیر کیا جائے گا۔

لف ونشر: اولاً مالوف اشیاء ذکر کی جائیں پھر ان کی تفسیر وتفصیل ایک مناسب حیلے سے کی جائے کہ سامع و قاری کا ذہن خود بخود ان اشیاء مالوفہ میں سے ہر ایک کی جانب منتقل ہو جائے جو ہر ایک کے مناسب حال ہو۔ جیسے آیت قرآنی میں ہے کہ "جعل لکم الیل و النہار لتسکنوا فیہ و لتبتغوا من فضلہ" (تمہارے لیے اللہ نے رات اور دن بنائے تاکہ تم ان میں تسکین پاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو) لیل و نہار دونوں مالوف ہیں جملہ مابعد میں تسکین کے لیے رات ہے اور تلاش فضل کے لیے دن مختص ہے۔ یہ لف ونشر کہلاتا ہے جو مرتب بھی ہے اگر تلاش فضل کا ذکر پہلے آتا اور تسکین بعد میں آتی تب بھی لف ونشر تو ہوتا لیکن غیر مرتب ہوتا۔

لف ونشر مرتب: دیکھو لف ونشر

لف ونشر غیر مرتب: دیکھو لف ونشر

لفظ موضوع: بامعنی لفظ

لفظ مہمل: بے معنی لفظ

لقوہ: اس مرض میں جبڑے کی ایک طرف کجی پیدا ہو جاتی ہے۔

لمس: چھونا دیکھو لامسہ

لوح محفوظ: دیکھو انسان کامل، ام الکتاب، علم باری تعالےٰ

لوح: کتاب مبین، نفس کلیہ۔ الواح چار ہیں

لوح القضاء: لوح عقل اول جس میں کلیات کا اندراج ہوتا ہے اور جو روح کے مشابہ ہے۔

لوح القدر: لوح نفس ناطقہ، لوح محفوظ جس میں لوح اول کے کلیات کی تفصیلات ہوتی ہیں اور جو قلب کے مشابہہ ہے۔

لوح نفس جزیہ سماویہ: اس کا نام سماء دنیا بھی ہے یہ خیال عالم کے مشابہ ہے اس میں ہر اس چیز کی شکل، ہیئت اور مقدار درج و منقش ہوتی ہے جیسی اور جس ہیئت پر کہ اس عالم میں ہے۔

لوح ہیولیٰ: جو عالم شہادت میں صورتوں کے قبول کی ذمہ دار ہے۔

لوامع: یہ انوار ساطعہ ہیں یہ ان لوگوں پر ظاہر ہوتے ہیں جن کے نفوس ضعیف ہوتے ہیں یہ انوار خیال سے حس مشترک پر منعکس ہوتے ہیں اور حواس ظاہری سے مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں یہ انوار اس طرح دکھائی دیتے ہیں جیسے انسان شہاب ثاقب، چاند اور سورج کے انوار کا مشاہدہ کرتا ہے جس سے ماحول روشن نظر آتا ہے۔ اب اگر نفس پر قہر و عتاب اور وعید کا غلبہ ہے تو یہ انوار سرخ رنگ کے نظر آئیں گے اور اگر نفس پر لطف و کرم کا غلبہ ہے تو سبزی مائل نظر آئیں گے۔

لیلۃ القدر: وہ رات ہے جس میں سالکین راہ حق تجلی خاص کے ساتھ مختص کیے جاتے ہیں۔ جس سے ان کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ محبوب کی نگاہ میں ان کی قدر و منزلت کس قدر ہے اور یہی لمحہ ہے جس میں سالک کے عین الجمع تک پہنچنے کی امید اور ابتداء ہو جاتی ہے جو بالیقین معرفت کا مقام ہے۔ ۲۶، ۲۷ رمضان کی درمیانی شب یا عشرہ آخر رمضان کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات۔

لیلۃ المعراج: ۲۶، ۲۷ رجب کی درمیانی شب۔

لیلۃ البرات: ۱۴، ۱۵ شعبان کی درمیانی شب۔

لیمیا: (طلسم میں دیکھو)

لیس: عدم معدوم، عدم محض، نفی، عدم ثبوت

لیسیت: دیکھو لیس

لیت شعری: کاش مجھے معلوم ہوتا۔

م

ماہیت (حقیقت) : ماہیت ایک حقیقت ہے جو اوصاف سے عقلی اعتبار میں مراد ہوتی ہے اور وہ امر کلی ہے جس کے دو یا دو سے زیادہ چیزوں پر صادق آنے کو عقل جائز رکھے اور اس کے اجزاء تفصیلاً ملحوظ نہ ہوں ، اگر اجزاء ملحوظ ہوں تو حقیقت ہے۔ اجزاء انسان سب حیوان ناطق ہیں یہی افراد انسانی کی حقیقت ہے ان کا مجموعہ انسان ہے وہی ماہیت ہے نیز ماہیت کا اطلاق امر متعقل (سمجھی جانے والی چیز) پر ہوتا ہے، جیسے انسان سے قطع نظر وجود خارجی حیوان ناطق سمجھ لیا جاتا ہے۔ امر متعقل ماہو (وہ کیا ہے) کا جواب ہونے کی حیثیت سے ماہیت ہوگا اور خارج میں اس کے ثبوت ہونے کی وجہ سے حقیقت کہلائے گا اور اعتبار سے ممتاز ہونے کی بناء پر تو کہ ذاتیہ کہا جائے گا اور لوازم کا اس پر عمل کیا جائے گا تو ذات قرار پائے گا اور چوں کہ لفظ سے مستنبط ہوا ہے اس لیے مدلول ہوگا اور محل حوادث ہونے کی حیثیت سے جوہر کہلائے گا۔

یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ ماہیت کے تین اعتبارات ہیں بشرط شئے یعنی عوارض کے ساتھ اس اعتبار سے ماہیت مخلوط کہلائے گی اور وہ قطعاً فائز بالوجود ہوگی ، دوسرے بشرط لاشئ یعنی بغیر عوارض، اس صورت میں وہ مجرد ہوگی اور اپنے تجرد کی وجہ سے قطعاً پائی ہی نہیں جائے گی اسی وجہ سے فلاسفہ اس کے وجود ہی کی نفی کر دیتے ہیں حالاں کہ نفی کر دینا اس لیے غلط ہے کہ تصور کر لینے میں کون سی رکاوٹ اور کیا قباحت ہے تیسرے لابشرط شئ یعنی عوارض کے شرط کی نفی، اس صورت میں وہ مطلق و آزاد ہوگی اس کو نہ موجود کہا جا سکے گا نہ معدوم نہ کلی ، نہ جزئی اور یہی حال عوارض کا ہوگا کہ ان عوارض میں سے کوئی ایک بھی نہ تو اس کا جزء ہوگا نہ عین ہوگا بلکہ سارے عوارض اس سے خارج ہوں گے البتہ عروض کے وقت اس سے متصف ہو سکیں گے اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھیے، انسان کا وجود فی نفسہ اگر کلی ہو تو اس کا حمل زید پر نہ ہونا چاہیے اگر جزئی ہو تو اس کو کثیرین پر صادق نہ آنا چاہیے، تاہم ہر عارض کے لیے اس کا دامن کھلا ہوا ہے جب بھی کوئی عارض لاحق ہوگا وہ

اس سے متصف ہو رہے گا۔ عروض تشخص کی صورت میں وہ جزئی کا روپ دھالے گا۔ عدم تشخص کی صورت میں وہ کلی کا کلی رہے گا۔ گویا معروض ایک اور عوارض متعدد ہوں گے۔ وہ واحد بالذات ہوتے ہوئے بھی مختلف الحیثیات اور متقابلات کے ساتھ متصف ہو گا۔ خارج میں حرارت و برودت جیسے خارجی عوارض کے ساتھ متصف اور متشخص ہو گا گویا ماہیت ایک ہے اور محل کے اختلاف سے احوال مختلف ہوتے چلے جا رہے ہیں لہٰذا جس طرح کہ موجود ذہنی کو جزئیت لازم نہیں ہے اسی طرح موجود خارجی کو کلیت لازم نہیں ہے۔

ماہیت لشئے: وہ ہوا کرتی ہے جس کی وجہ سے شئے۔ شئے بن جائے اور وہ بذات خود یعنے شئے ہونے کی حیثیت سے نہ موجود ہے نہ معدوم ہے نہ کلی ہے نہ جزئی ہے نہ خاص ہے نہ عام ہے۔

ماہیت حقیقی: جس کا وجود اعتبار اور فرض پر موقوف نہ ہو بلکہ اپنے وجود اصلی سے موجود ہو۔

ماہیت اعتباری: جس کے وجود کا مدار فرض پر موقوف ہو یا خارج میں جو امور موجود ہوں ان سے منتزع ہو۔

ماہیت مجردہ: ماہیت کے ساتھ کسی چیز کا عدم اعتبار کیا جائے (دیکھو ماہیت وحقیقت)

ماہیت مطلقہ: ماہیت کے ساتھ نہ کسی چیز کا وجود اعتبار کیا جائے نہ عدم۔ یہی مرتبہ ہے جو کلی طبعی بھی کہلاتا ہے (دیکھو ماہیت وحقیقت)

ماہیت نوعیہ: جو اپنے تمام افراد میں برابر برابر ہو۔

ماہیت جنسیہ: جو اپنے افراد میں برابر برابر نہ ہو۔

ماہیت مخلوطہ: ماہیت کے ساتھ جب کسی دوسری چیز کا اعتبار کیا جائے (دیکھو ماہیت وحقیقت)

ماہیت مفردہ: جو اجزاء سے مرکب نہ ہو۔

ماہیت مرکبہ: جو اجزاء سے مرکب ہو۔

ماہیت الجہت: دیکھو جہت۔

مادہ (ہیولی): جو بذاتہٖ نہ متصل ہو نہ منفصل نہ واحد ہو نہ کثیر لیکن اتصال و انفصال اور وحدت و کثرت کا صالح اور قابل ہو۔ محل جوہر یعنی صورت جسمیہ یا صورت نوعیہ کا محل ہو۔ مادہ کے متعلق یہ

امر پیش نظر رہنا چاہیئے کہ جس مادے میں نفس تصرف کرتا ہے وہ یہ ثقیل و غلیظ جسم نہیں ہے بلکہ وہ لطیف معتدل اور نوری جسم ہے کہ جو بدن اصلی کہلاتا ہے یہ ثقیل و غلیظ جسم تو اس کا غلاف اور گویا کہ گٹھلی ہے۔ (داخل دیکھو)

مادۂ اولیٰ۔ ہیولیٰ اولیٰ: ایک جوہر بسیط جو خود جسم نہ ہونے پر بھی جسم کی صورت قبول کرنے کا صالح اور قابل ہے۔

مادۂ ثانیہ۔ ہیولیٰ ثانیہ: وہ جسم جو کسی دوسرے جسم کا جزء ہو۔

مادہ الشئے: جس کے ساتھ بالقوہ شئے حاصل (متحصل) ہو۔

مادۂ القضیہ: یہ طرفین یعنے موضوع محمول اور اس کیفیت و نسبت ثابتہ پر مشتمل ہوتا ہے، جو طرفین میں مشترک ہوتی ہے اس لیے کہ یہ تینوں اجزاء قضیہ کے اجزاء و عناصر ہیں۔ بعض حکماء صرف کیفیت نفس الامری اور نسبت ہی کو مادہ القضیہ قرار دیتے ہیں۔ اس لیے کہ ان ہر سہ (۳) اجزاء میں اصل و اشرف جزء یہی ہے جو نفس الامر میں لازم و ضروری ہے

مابعد الطبیعیات: (دیکھو ماقبل الطبیعیات) عالم طبعیات و مادیات سے ماوراء

ماقبل الطبیعیات: اللہ الحق جل مجدہٗ جو مبدع و خلاق علت اولیٰ اور علت العلل ہے اس کے معلولات کو ذاتی شرف اور علیت کے لحاظ سے حکمت طبیعہ کے معلولات پر فضیلت و تقدم حاصل ہونا تو مسلّم ہے لیکن وضع کے اعتبار سے بعدیت و تاخر بھی حاصل ہے کیوں کہ محسوسات بہر حال ہم سے قریب تر ہیں۔ بناء بریں پہلے اعتبار سے اس کے معلولات ماقبل الطبیعیات کہلائیں گے اور دوسرے لحاظ سے ان کو مابعد الطبیعیات کہا جائے گا۔

مالیم الاجسام: وہ احکام جو اجسام عناصر اور اجرام افلاک دونوں میں مشترک ہوں۔

مالایزال: یہ جب بھی ازل کے مقابلے میں لایا جاتا ہے تو اس سے وہ زمانہ مراد ہوتا ہے جس پر زوال نہ آئے۔ ظاہر ہے کہ ایسے زمانے دو ہی ہو سکتے ہیں۔ حال اور استقبال۔ بیشتر حالات میں مالایزال سے مراد صرف استقبال ہی ہوا کرتا ہے اس لیے کہ وہ زوال سے نسبتاً زیادہ محفوظ ہے۔

مافیہ الحرکت: جس مسافت میں حرکت واقع ہو۔

ماتریدیہ : متبعین ابومنصور ماتریدی حنفی مسلک کے مطابق ہے۔
مانع : جو چیز سبب کے موجود ہونے پر حکم کے انعدام کو واجب کر دے۔
مانعۃ الجمع : دیکھو منفصلہ
مانعۃ الخلو : دیکھو منفصلہ
ماضی : گذشتہ زمانہ۔
ماضی قریب : وہ زمانہ جو ابھی گذرا ہے
ماضی بعید : وہ زمانہ جس کو گذرے عرصہ ہو چکا۔
مابض : کہنی کا جوڑ۔ بازو اور کلائی کا مقام اتصال یا گھٹنے اور پنڈلی کے ملنے کی پچھلی طرف کی جگہ
ماساریقا : وہ باریک باریک رگیں جو معدے اور آنتوں سے کیلوس (خلاصہ غذا) کو جذب کر کے جگر میں پہنچاتی ہیں۔
مالیخولیا : اس مرض میں مریض کے خیالات خراب اور منتشر ہو جاتے ہیں اور وہ گوناگوں تفکرات اور غم واندوہ میں مبتلا رہتا ہے۔
مبادی عالیہ : عقول عشرہ۔
مبادی (مبادیات) جس پر علمی مسائل مبنی اور موقوف ہوں اور محتاج دلائل نہ ہوں۔ اگر یہ مسائل قبیل تصورات سے ہوں تو موضوعات کے حدود ان کے اجزاء و جزئیات اور عوارض ذاتیہ ہوں گے اور تصدیقات ہونے کی صورت میں اگر از خود بیّن (ظاہر) ہیں تو علوم متعارفہ کہلائیں گے۔ اگر از خود ظاہر نہیں ہیں تو اس صورت میں اگر متعلم نے معلم سے حسن ظن کی بنا پر ان پر یقین کر لیا تب تو اصول موضوعہ کہلائیں گے۔ ورنہ بصورت دیگر انکار و تردد مصادرات کہا جائے گا۔
مبحث : زیر بحث مسئلہ جس کا اثبات یا نفی مقصود ہو۔
مبدع : جس کی بدایت ہو نہ نہایت یعنے نہ ابتدا ہو نہ انتہا۔
مبدعات : جو مادے اور مدت سے مسبوق نہ ہوں۔
مبتدا : وہ اسم جو لفظی عوامل سے خالی ہو اور مسند الیہ ہو۔

مبنی: جس کا سکون اور جس کی حرکت کسی عامل کی رہین منت نہ ہو یعنے اس پر سے کتنے ہی عامل گزر جائیں لیکن اس کے آخری حرف کی حرکات میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو سکے۔

مبہم: جس کا وجود ذاتی اس وقت تک نہ ہو جب تک کہ کسی نوع یا شخص سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔

مجادلہ: ایسا باہمی جھگڑا جس سے اظہار حق کی بجائے حریف مقابل کو الزام دینا مقصود ہو۔

مبدءِ حرکت: جہاں سے حرکت کا آغاز ہو۔

مبالغہ: کیفیت کے لحاظ سے کسی شئے میں زیادتی کا نام مبالغہ ہے جس طرح کمیت کے لحاظ سے شئے میں زیادتی کا نام تکثیر ہے بہا لغے سے جو مدعا ہے اگر وہ عقلاً اور عادتاً ممکن ہے تو اس کو تبلیغ کہا جائے گا اگر صرف عقلاً ممکن ہو اور عادتاً ممکن نہ ہو تو اغراق کہلائے گا اور اگر نہ عقلاً ممکن ہو نہ عادتاً تو غلو ہو گا جو اکثر حالات میں ناپسندیدہ ہے۔

مباح: جس کے اطراف یعنی جواز و عدم جواز فعل و ترک دونوں برابر جائز اور اختیاری ہوں۔

مبدء: جس سے شئے کی ابتداء ہو (مبدء کل شئے حق جل مجدہ)

متصرفہ: ایک قوت دماغی ہے جو صورتوں میں اور معانی میں تصرف کرکے ان کو ترکیب دیتی رہتی ہے اور ان کی تفصیل کرتی رہتی ہے۔ اس قوت کو عقل اور وہم دونوں کام میں لاتے رہتے ہیں۔ اگر عقل اس سے کام لے تو یہ قوت متفکرہ کہلاتی ہے اور اگر وہم اس کو کام میں لائے تو قوت متخیلہ کہلائی جاتی ہے۔

متخیلہ: دیکھو متصرفہ

متواترات: دیکھو بدیہی بدیہیات۔

متصلہ: قضیہ شرطیہ کی قسم ہے اس میں نسبت کے ثبوت کا حکم ہوتا ہے بر تقدیر دوسری نسبت کے ثبوت کی۔ یا نسبت کی نفی ہوتی ہے۔ بر تقدیر دوسری نسبت کی نفی۔ کی پہلی صورت ایجاب میں اور دوسری سلب میں ہے اگر یہ حکم مقدم و ثانی کے مابین کسی علاقے کی وجہ سے ہو تو لزومیہ ہوگا ورنہ اتفاقیہ کہلائے گا۔

متبائن: جن کے لفظ اور مصداق و معنی مختلف ہوں۔

متشابہ و متشابہات: جن کے الفاظ فہم کی دسترس سے بالا ہوں اور قطعاً سمجھے ہی نہ جا سکیں جیسے مقطعات قرآنی الف لام میم (الم) وغیرہ لا یعلمہٗ الّا ھو۔

ان کے سلسلے میں اہل حق کا مسلک یہ رہا ہے کہ توقف کیا جائے اور سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی جائے اور باور کر لیا جائے کہ ان کا علم اللہ ہی کو ہے۔

متقدّم[۱] بالزمان۔ متقدم[۲] بالطبع متقدم[۳] بالشرف۔ متقدم[۴] بالرتبہ۔ متقدم[۵] بالعلیت (ان سب کی تعریفات و تفصیلات تقدم کے ضمن میں گزر چکیں)

متضائفان: وہ دو وجودی متقابلین جن میں کا ہر ایک دوسرے کے تعلق سے سمجھا جائے۔

متباین: جن کے لفظ اور معنی ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہوں۔

مبادیات: ابتدائی مسائل

متی: (مقولہ) (زمان): وہ حالت ہے جو شئے کو آن میں یا زمانے میں حاصل ہونے کے سبب عارض ہو اور جس کو سال ماہ اور دن سے تعبیر کیا جائے۔

متحرک: حرکت کرنے والا۔

متّقی: قولاً اور فعلاً ظاہراً اور باطناً شریعت اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کرنے والا۔ پرہیزگار۔ خوف خدا رکھنے والا۔

متقابلان: وہ ہوتے ہیں جو ایک جہت سے کسی ایک شئے میں مجتمع نہ ہو سکیں ان کی چار قسمیں ہیں۔ متقابلان الضدان۔ متقابلان المتضائفان۔ متقابلان بالعدم والملکہ۔ متقابلان بالایجاب والسلب (ان کی تفصیل و تعریف تقابل کے ضمن میں گزر چکی)

متواتر: وہ خبر اور حدیث ہے جو قوم کی زبانوں پر عام طور پر جڑھی ہوئی ہو اور اس کے تواتر و تسلسل کی وجہ سے اس کے غلط ہونے کا خیال تک نہ کیا جا سکے اس بنا پر کہ ذیوی راویوں کی کثرت ہے اور راوی ثقہ اور سچے ہیں۔

متکور النوع: وہ فرد جس پر نوع کا اطلاق دو بار کیا جا سکے ایک بار تو اس حیثیت سے کہ وہ فرد اس نوع کی پوری حقیقت ہے دوبارہ اس بناء پر کہ وہ فرد اس نوع کی صفت اور عرض ہے

متواطی: وہ کلی ہے جو اپنے افراد خارجیہ اور ذہنیہ پر برابر برابر صادق آئے۔

مترادف: وہ لفظ ہے جس کے لیے ایک معنی وضع کیا گیا ہو اور یہ معنی دوسرے کسی لفظ کے لیے بھی وضع کر دیا گیا۔ تو یہ دونوں الفاظ باہم مترادف کہلائیں گے۔

متکلمین: علمائے اسلام کا وہ طبقہ جو مذہب کا دلدادہ تھا اور علوم دینی میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ یونانی فلسفے کا مطالعہ کر چکا تھا جب اس نے فلسفے کے بہت سے اصولوں کو اور مسائل کو اسلام کے اساسی اصولوں سے متصادم پایا تو اس نے فلسفے ہی کے اصولوں کے ذریعے ان متصادم اصولوں کو توڑ کر رکھ دیا اور یہیں سے علم کلام کی بنیاد پڑ گئی۔ علم کلام کے ان ہی مدونین کو متکلمین کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

مثال: جو کسی ایک وصف میں شریک ہو گویا مثال مثالی کا جزی ہوا کرتا ہے بخلاف نظیر کے کہ وہ جزی نہیں ہوتا۔

نحویین کی اصطلاح میں مثال اس فعل کو کہا جاتا ہے جس کے شروع حرف یعنی (ف) کی جگہ حرف علت آ جائے اس کو معتل الفا بھی کہا جاتا ہے۔

مثل: جو تمام اوصاف میں شریک ہو۔

مثلث: وہ سطح جو تین مستقیم خطوط سے گھرا ہوا ہو۔ وہ اضلاع کے اعتبار سے متساوی الاضلاع مختلف الاضلاع اور متساوی الساقین ہوا کرتا ہے۔ اور زاویوں کے اعتبار سے قائم الزوایا منفرج الزوایا اور حاد الزوایا کہلاتا ہے۔ جس کی تفصیلات اقلیدس سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

مجمل: جس میں دو یا دو سے زیادہ معانی جمع ہو جائیں اور کسی ایک معنی کے لیے وجہ ترجیح موجود نہ ہو۔ اور معانی کا یہ توارد وضع یا غرابت کے اعتبار سے ہو۔

مجففات: واحد مجفف ہے خشکی پیدا کرنے والے اسباب۔

مجہول مطلق: جو ذرائع معلومات کے کسی طریق اور کسی ذریعے سے معلوم نہ ہو سکے اور جس کی خصوصیت یہ ہو کہ اس پر کسی قسم کا حکم اور اس کی طلب ممتنع ہو اور کسی حیثیت و جہت سے بھی اس کا علم و تصور نہ ہو سکے۔

مجردات: جو مادے اور مادیات سے خالی بری اور پاک و صاف ہوں اور ان میں امتداد یا اتصال نہ پایا جائے۔

مجاہدہ: جسم کو محنت شاقہ میں ڈال دینا اور ہر حال میں خواہشات نفسانیہ اور لذات دنیوی کو ترک کر دینا۔

مجرد: جو نہ تو کسی جوہر کا محل ہو نہ کسی دوسرے جوہر میں خود حال ہو اور ان دونوں سے مرکب ہو

مجمع البحرین: بارگاہ قدس قاب قوسین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باریابی' وجوب و قدم اور امکان وحدوث ذاتی کا مقام اتصال' سلمائے حدوث ولیلائے قدم کی یکجائی۔

مجاز: کسی نسبت کی بنا پر ایسا لفظ بولا جائے جو اس معنی خاص کے لیے وضع نہ کیا گیا ہو خواہ اس پر قرینہ دال ہو یا نہ ہو۔ مثلاً شجاعت کی مناسبت سے کسی شخص خاص کو اسد کہہ دیا جائے۔

مجاز مرسل۔ مجاز مستعار: اگر موضوع سے غیر موضوع لہ کی طرف تشبیہ کے علاقے کا انتقال صحیح ہو تو مجاز مستعار ہے ورنہ مجاز مرسل ہے۔

مجاز مستعار: دیکھو مجاز مرسل۔

مجامعت: اتحاد جنسی' جنس میں اتحاد

محاط۔ محیط۔ محوی: احاطہ میں گھرا ہوا۔ گھیرے ہوئے۔ گھرا ہوا۔

محیط: گھیرے ہوئے (دیکھو اسطوانہ)

محوی۔ گھرا ہوا۔

محیط سطح: جسم مستدیر

محیط مطلق: جس کے احاطے سے کوئی شئے خارج نہ ہو خواہ وہ آسمانوں اور زمین پر یا ان کے مابین یا ان سے بھی خارج ہی کیوں نہ ہو۔

محدث: جو مادے اور مدت سے مسبوق (بعد میں) ہو اور جس کے وجود کی ابتدا ہو۔

محاذات: دو اشیاء کا دو مکانوں میں اس طرح ہونا کہ وہ جہات کے لحاظ سے مختلف نہ ہوں۔

محال: جس کا وجود خارج میں ممتنع ہو۔

محرک: علت و سبب حرکت۔

محل: جائے قرار' مقام حال۔

محکم: جس کی بنا مضبوط ہو اور شکست و ریخت سے محفوظ ہو۔

محاذ: آمنے سامنے۔مقابل۔

محمول: قضیہ حملیہ کا جز ثانی یا وہ امر جو ذہن میں ہو۔

محکوم بہ: حکم تصدیق قضیہ نسبت حکمیہ۔

محو: مقابل اثبات (دیکھو اثبات)

محذوف: دیکھو حذف

محلل: تحلیل کرنے والی، وہ دوا جو اپنی تاثیر حرارت وغیرہ سے غلیظ اخلاط یا ریاح وغیرہ کو بخارات بنا کر فنا کر دے، یا وہ دوا جو کسی دوسری دوا کو حل کر دے۔

محور: مقام گردش۔ مرکز گردش۔ نقطۂ گردش جدید علم ہیئت کی رو سے ثابت و تسلیم کیا گیا ہے کہ زمین گردش کرتی ہے اور وہ لٹو کی طرح گھومتی رہتی ہے۔ لٹو کی کیل جس پر زمین گھومتی ہے اس کے برابر ایک خط تسلیم یا فرض کیا جائے جو اس کی حرکت کا محور کہلائے گا اس خط یا محور کا ایک سرا شمال کی جانب اور دوسرا جنوب کی طرف جہاں ختم ہوتا ہے۔ اس کے شمالی جانب کے آخری نقطے کو قطب شمالی اور جنوبی آخری نقطے کو قطب جنوبی کہا جاتا ہے انھیں قطبین اور دونوں نقطوں کو ملا دینے والا دائرہ جو وسط زمین سے گذرتا ہے خط استواء کہلاتا ہے (دیکھو اسطوانہ)

محور الاسطوانہ: دیکھو اسطوانہ

محور المخروط: دیکھو اسطوانہ

مختلف القوام: قوام یکساں نہ ہو بلکہ کچھ حصہ تپلا اور کچھ حصہ گاڑھا ہو۔

مخلی بالطبع: ہمہ قسم کی پابندیوں اور خیال آرائیوں سے آزاد۔

مخلوق: ماسوی اللہ تعالےٰ یعنی لایزال و لم یزل کے ماسوا ہر شے مخلوق ہے۔

مخروط تام: دیکھو اسطوانہ

مخروط ناقص: دیکھو اسطوانہ

مدلول: ایک شئے سے دوسری شئے کا علم ہو جانے کی صورت میں دوسری شئے کو مدلول

کہا جاتا ہے۔

مدح: فعل اختیاری پر زبان سے تعریف کرنا۔

مدار: دیکھو دوران۔

مدخل دوا: بدن میں دوا کے داخل ہونے کا راستہ۔

مدرات: جو دوائیں یا غذائیں پیشاب زیادہ لانے والی ہوں۔

مذہب: راستہ طریقہ مسلک مذہب کا انتساب مجتہد کی طرف ہوتا ہے۔

مرتبہ الالہیہ: حقیقت وجود کو جب کسی شئے کے ساتھ لحاظ میں لایا جائے تو اگر لحاظ اس حد پر پہنچ جائے کہ تمام اشیاء لحاظ میں آجائیں مع اس کلیۃ وجزئیۃ کے جو ان کو لازم ہیں جس کو اسماء وصفات سے تعبیر کر سکتے ہیں تو یہ مرتبہ الہیہ ہوگا جس کو واحدیت اور مقام "جمع" بھی کہا جاتا ہے۔

اب اگر معاملہ لحاظ ہی پر نہ رک جائے بلکہ آگے بڑھ جائے اور یہ مرتبہ مظاہر اسماء کے اعیان وحقائق تک اور ان کے کمالات تک پہنچا دے جو خارج میں ان کی صلاحیتوں کے اور استعدادوں کے مناسب ہیں تو اس کو مرتبہ ربوبیت کہا جائے گا اور اگر ان اشیاء وحقائق کی صرف کلیۃ کو ملحوظ رکھا جائے اور جزئیات سے قطع نظر کر لی جائے تو یہ مرتبہ "رحمٰن" ہوگا جو عقل اول کا رب ہے جس عقل اول کو "لوح القضاء"۔ "ام الکتاب" اور "قلم اعلیٰ" بھی کہا جاتا ہے۔

اور اگر کلیات کے ساتھ ثابت ومحقق جزئیات پوری تفصیلات کے ساتھ لحاظ کی جائیں اس طرح کہ کلیات کی کلیت جزئیات کے لیے حجاب نہ بن سکیں اور ان پر حجاب کا پردہ نہ ڈالدیں تو یہ مرتبہ رحیم "رب النفس الکلیہ" کا ہے جس کا نام "لوح مقدر" "لوح محفوظ" اور کتاب مبین بھی ہے۔

اور صور مفصلہ کو جزئیات متغیرہ کی شرط اور حیثیت سے لیا جائے تو یہ مرتبہ اسم ماحی اسم منیب اور اسم محی کا ہوگا جو رب النفس ہے اور جسم کلی میں منطبق ہے جس کا نام "لوح المحو والاثبات" ہے۔

اور اگر اس شرط کا لحاظ کیا جائے کہ حقیقت وجود صورِ نوعیہ روحانیہ اور جسمانیہ کے قابل ہے تو یہ مرتبہ "اسم القابل رب الہیولی الکلیہ" کا ہے جس کی طرف "الکتاب المسطور" اور الورق المنشور" کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے اور اگر اس کو صورِ جسمیہ غیبیہ کے حساب سے دیکھا جائے تو وہ مرتبہ "اسم المصور" اور "رب عالم الخیال المطلق والمقید" ہے۔ اور حقیقت وجود کو صورِ جسمیہ شہودیہ کی شرط سے لیا جائے تو وہ مرتبہ "اسم المظاہر المطلق" وہ الآخر رب عالم الملک" ہے۔

مرتبہ احدیت : عماء۔ جمع الجمع حقیقۃ الحقائق۔ وجود کی حقیقت کو اس شرط سے اور اس طرح پیش نظر رکھا جائے کہ اس کے ساتھ ذات کے ماسوا اور کچھ نہ ہو اور اس مرتبے میں تمام اسماء و صفات مستہلک گم اور غائب ہوں صرف الذّہی اللّٰدرہ جاتے اس مرتبہ احدیت کا نام جمع الجمع حقیقت الحقائق اور عماء بھی ہے۔

مرتبہ واحدیت : وجود کی حقیقت دوسری شئے کی شرط کے ساتھ پیش نظر رکھی جائے اور تمام اشیاء جو وجود کی حقیقت کو لازم ہیں وہ لحاظ میں رہیں اور تمام کلی و جزی امور اور تمام اسماء وصفات بھی ملحوظ ہوں اس صورت میں یہ مرتبہ واحدیت مقام جمع ہے اور جب مظاہر اسماء یعنی حقائق و اعیان کو خارج میں ان کی استعداد و صلاحیت اور مرتبے کے مطابق کمالات عطا ہوں تو ربوبیت ہے اور جب کوئی شئے ملحوظ نہ ہو تو ہویت ہے جو ساری کائنات و موجودات میں جاری و ساری ہے۔

مرتبۂ ربوبیت : مرتبۂ الہیت

مرتبۂ رحمان : مرتبۂ الہیت۔ رب العقل الاول

مرتبۂ رحیم : مرتبۂ الہیت۔ رب النفوس الکلیہ

مرتبہ الانسان الکامل : اس مرتبے کو تمام مراتب الہیہ اور کونیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ تمام مراتب کا جامع ہے خواہ وہ عقول ہوں یا نفوس ہوں، مراتب کلیہ ہوں یا جزئیہ یہ مرتبہ تمام مراتب طبیعیہ حتی کہ تنزلات وجود کی آخری حد تک پر حاوی ہے یہاں تک کہ یہ مرتبہ الہیہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس مرتبہ اور مرتبۂ الہیہ میں ربوبیت اور مربوبیت کا فرق رہ جاتا ہے اسی

لئے

وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کہا گیا ہے اور حق جل مجدہ کی نیابت وخلافت سے نوازا گیا ہے اس مرتبہ کو مرتبہ عمائیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ سارے موجودات اور کائنات ارضی و سماوی میں اس مقام رفیع وارفع تک پہنچنے والی صرف ایک ذات اقدس ہے اور وہ ہے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ع

بہ مقامے کہ رسیدہ نہ رسد ہیچ نبی

مرتبہ العمائیہ : دیکھو مرتبۃ الانسان الکامل

مرتبۃ الالٰہیہ : دیکھو مرتبۃ الانسان الکامل

مرتبۃ النیابت : دیکھو مرتبۃ الانسان الکامل

مرتبۃ الخلافت : دیکھو مرتبۃ الانسان الکامل

مراقبہ : سرافگندہ ہو کر ایسی کیفیت طاری کر لینا کہ گویا خدا دیکھ رہا ہے۔

مرسل منقطع : وہ حدیث جس کو تابعی یا تبع تابعی نے درمیان سے صحابی کا نام چھوڑ کر براہ راست رسول اللہ سے روایت بیان کر دی ہو۔

مرفوع : وہ حدیث جو کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کی ہو کہ رسول اللہ نے ایسا فرمایا یا ایسا کیا۔

مرکب : وہ ہے جس کے جزء کے لفظ کی دلالت اس کے معنی کے جزء پر کی جائے۔

مرکب تام : وہ ہے جس پر سامع کا سکوت صحیح ہو یعنی وہ اپنی فائدہ رسانی میں کسی مزید لفظ کا احتیاج مند نہ ہو کہ جس کا منتظر سامع رہ سکتا ہے۔ مرکب تام جو صدق وکذب کا متحمل ہو سکتا ہے اگر وہ حکم پر مشتمل ہے تو اس کا نام قضیہ ہوگا اور صدق وکذب کے احتمال کی بناء پر جزو کہلائے گا اور چونکہ اس نے حکم کا افادہ کیا ہے اس لیے اس کو خبر کہا جائے گا۔

دلیل کا جزء ہونے کی بناء پر اس کو مقدمہ کہیں گے اور دلیل سے مقصود ہونے کی وجہ سے مطلوب ہوگا اور چوں کہ وہ دلیل سے حاصل ہوا ہے اس لئے نتیجہ کہلایا جائے گا اور چوں کہ علم میں واقع ہوا ہے اور اس سے سوال ہوتا ہے اس لیے وہ مسئلہ ہوگا گویا ذات ایک ہی ہے اور اس کی تعبیرات متعدد اور مختلف ہیں۔

مرکب مفید : مرکب تام پڑھو

مرکب غیر تام (مرکب غیر مفید۔ مرکب ناقص) : وہ ہوتا ہے جس پر سامع کا سکوت صحیح نہ ہو اور کسی مزید لفظ کا منتظر رہے۔

مرکب غیر مفید : دیکھو مرکب غیر تام

مرکب ناقص : دیکھو مرکب غیر تام

مرکبہ : (دیکھو قضیہ) مرکبہ میں موجبہ اور سالبہ جزء اول کے اعتبار سے سمجھا جاتا ہے گر جزء اول موجبہ ہے تو مرکبہ موجبہ ہے اور جزء اول سالبہ ہے تو مرکب سالبہ ہے۔

مرکبہ موجبہ : دیکھو مرکبہ

مرکب سالبہ : دیکھو مرکبہ

مربع : جو عدد کو اپنے آپ میں ضرب دینے سے حاصل ہو۔ یا وہ سطح جو چار اضلاع سے گھرا ہوا ہو

مرایا مناظر : ریاضی کا علم جس کا تعلق رویت سے ہو۔

مرکزۃ الکرہ : دیکھو اسطوانہ۔

مرادف : مترادف پڑھو۔

مرتد : ایمان کے بعد جس کا کفر ظاہر ہو جاتے۔

مرجیہ : اسلام کا ایک بڑا فرقہ ہے جس کا مسلک یہ ہے کہ ایمان نام ہے اللہ تعالی کی معرفت اس کے ساتھ خضوع و نیازمندی اور دل میں اس سے محبت رکھنے کا۔ اس کے بعد ترک طاعات اور ارتکاب معاصی سے ایمان میں خلل نہیں آسکتا جس طرح کفر کی حالت میں عبادت کارآمد نہیں ہوسکتی اسی طرح معصیت ایمان میں خلل انداز نہیں ہوسکتی۔

مرض : بیماری بدن کی وہ حالت جس میں اس کے افعال میں خرابی آجاتے اور وہ صحیح وسلیم حالت میں نہ رہیں۔

مرض اصلی : جس مرض کا سبب کوئی دوسرا مرض نہ ہو۔

مرض تجاویف : خلقی اور پیدائشی مرض کی ایک قسم ہے جس میں کسی عضو کا طبعی جوف فراخ تنگ بند یا خالی ہو جاتا ہے۔

مرض ترکیب : وہ مرض مفرد جو پہلے پہل اعضاء مرکبہ میں پیدا ہوتا ہے۔

مرض تفرق اتصال : وہ مرض جو پہلے پہل اعضاء مفردہ اور مرکبہ دونوں میں پیدا ہو سکتا ہے جس میں عضو ماؤف کی ساخت متفرق ہو جاتی ہے یا پھٹ جاتی ہے۔

مرض مفرد : جو اکیلا ہو اور چند امراض کا مجموعہ نہ ہو۔

مرض مرکب : جو چند امراض کا مجموعہ ہو یعنی متعدد امراض مل کر ایک مرض کی شکل اختیار کر گئے ہوں

مرض حادہ : شدید مرض جس کی مدت کم ہو اور حیات و ممات کا جلد فیصلہ کر دے۔ جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ۔

مرض مزمن : جو دیرپا ہو اور جس کی علامات شدید نہ ہوں۔

مرض خلقت : مرض ترکیب کی ایک قسم ہے جس میں کسی عضو کی طبعی ساخت بگڑ جاتی ہے۔

مرض سطح : مرض خلقت کی ایک قسم ہے جس میں عضو ماؤف کی سطح خراب ہو جاتی ہے یعنی اگر وہ کھُردری ہے تو چکنی ہو جاتی ہے جیسا کہ بعض اوقات معدے کی کھُردری سطح چکنی ہو جاتی ہے اور غذا وہاں کچھ دیر رکنے کے بجائے فوراً پھسل جاتی ہے اور اسہال کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔

مرض سوداوی : یہ مرض غلبہ سوداء سے پیدا ہو جاتا ہے جیسے مالیخولیا خود مالیخولیا کو بھی مرض سوداوی کہہ دیتے ہیں۔

مرض اشتراکی : جس مرض کا سبب کوئی دوسرا مرض ہو۔

مرض تشکل : مرض خلقت کی ایک قسم ہے جس میں عضو کی شکل بگڑ جاتی ہے۔

مرض عدد : مرض ترکیب کی ایک قسم ہے جس میں عضو کی تعداد کم یا زیادہ ہو جاتی ہے۔

مرض مجاری : مرض خلقت کی قسم ہے جس میں کسی عضو کے راستے خراب ہو جاتے ہیں یعنی طبعی نسبت سے زیادہ کشادہ یا تنگ ہو جاتے ہیں یا بالکل بند ہو جاتے ہیں۔

مرض مرکب : جو متعدد امراض سے مل کر بنا ہو جیسے مرض سل جو پھیپھڑے کے زخم اور بخار کے مجموعے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مرض مفرد : جو چند امراض کا مجموعہ نہ ہو۔

مرض مقدار: مرض ترکیب کی قسم ہے جس میں عضو طبعی مقدار سے گھٹ یا بڑھ جاتا ہے

مرضِ وضع: مرض ترکیب کی ایک قسم ہے جس میں عضو کی وضع بتبدیل ہو جاتی ہے۔

مری: غذا کی نالی جو حلق سے شروع ہو کر معدے تک پہنچتی ہے اور جس کی راہ سے غذا کھانا پینا دوا وغیرہ معدے میں پہنچتی ہے۔

مزاج: وہ درمیانی کیفیت جو مختلف عناصر و اخلاط یا مختلف اجزاء کے کسر و انکسار کے بعد سے حاصل اور پیدا ہو۔ اور قائم ہو جائے۔

مزاج عارضی مادی: وہ غیر طبعی مزاج جو پیدائشی نہ ہو بعد کو لاحق ہوا ہو اور جس میں کسی مادہ یا خلط کا غلبہ ہو گیا ہو اگر صفراء کا غلبہ ہو۔ تو مزاج صفراوی ہو گا اگر خون بلغم یا سوداء کا غلبہ ہو تو مزاج دموی یا بلغمی یا سوداوی کہلائے گا۔

مزاج صفراوی: دیکھو مزاج عارضی مادی

مزاج دموی: دیکھو مزاج عارضی مادی۔

مزاج بلغمی: دیکھو مزاج عارضی مادی

مزاج سوداوی: دیکھو مزاج عارضی و مادی

مزاج غیر معتدل: جس میں عناصر کی آمیزش قدر مناسب سے کم و بیش ہو۔

مزاج مرکب: جس مزاج میں کیفیات اربعہ میں سے دو کیفیتیں زیادہ ہو جائیں۔

مزاج معتدل: جس میں ارکان کی آمیزش حسب ضرورت اور مناسبت کے مطابق ہو۔

مزاج مفرد: جس مزاج میں ہر چہار کیفیات میں سے کوئی ایک کیفیت زیادہ ہو جائے۔

مزاج سوء: مزاج کا بگاڑ بگڑا ہوا مزاج اعتدال سے منحرف (ہٹا ہوا) مزاج

مزاج انسانی: تمام مزاجوں میں سب سے معتدل انسان کا مزاج ہے ابن سینا کے نزدیک جملہ اصنافِ انسانی میں سب سے زیادہ معتدل مزاج خط استواء کے باشندے ہیں۔ اس کے بعد چوتھی اقلیم کے باشندے مزاج کے اعتبار سے معتدل ہیں۔

مسند: وہ حدیث جس کی سند سلسلہ وار اور متصل رسول اللہ تک پہنچا دی گئی ہو۔ حدیث متواتر مشہور اور احاد اسی حدیث مسند کی اقسام ہیں۔

مسند: کسی شئے کی دوسری شئے کی جانب نسبت کرنا مثلاً کہا جائے کہ ارشد عالم ہے یعنی علم کی نسبت ارشد کی جانب کی گئی۔

مسندالیہ: جس کی جانب شئے کی نسبت کی جائے مثلاً ارشد کی جانب علم کی نسبت کی جائے تو ارشد مسندالیہ ہوا۔

مستقبل: وہ آن حاضر جو اس وقت موجود ہے اس کے مابعد آنے والا زمانہ جلد آنے والا زمانہ مستقبل قریب ہوگا اور دیر سے آنے والا مستقبل بعید۔

مستقبل قریب: دیکھو مستقبل

مستقبل بعید: دیکھو مستقبل

مسخ: دیکھو تناسخ

مسئلہ: مرکب تام پڑھو

مستحب: دیکھو سنت

مشائیہ: چل پھر کر علم حاصل کرنے والا فلاسفہ کا گروہ۔

مساوق: ہم راہی، ساتھی، دوش بدوش۔

کا تحقق و تعین حق جل مجدہ کے دیدار کے لیے اس کا اطلاق عام ہے۔ مزید تفصیل کے لیے احساس پڑھو۔

مشاہدات: دیکھو بدیہی بدیہیات۔

مشترک: وہ لفظ جس کو مختلف مواقع پر واضعین نے علیحدہ علیحدہ معانی کے لیے وضع کیا ہو اور اس کے متعدد معانی ہو گئے ہوں اور معانی کا تواردصرف وضع کے اعتبار سے ہو۔

مشارکت: وہ تعلق جو ایک عضو کو دوسرے عضو سے ہوتا ہے۔

مشبہ: جس کو تشبیہ دی جائے۔

مشبہ بہ: جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔

مشیت الٰہی: حق تعالیٰ کی تجلی جس کے ذریعے وہ چاہے تو معدوم کو موجود اور موجود کو معدوم کردے۔ اور جو چاہے وہ کر گذرے۔ یفعل اللہ مایشاء۔

مشرک : جو الوہیت میں کسی کو اللہ کا شریک قرار دیتا ہو۔

مشائیہ : جو غور و فکر کے ذریعہ نظری مطالب و معارف تک پہنچتے ہیں۔

مشکک : وہ کلی ہے جو اپنے افراد پر علی السویہ (برابر برابر) صادق آئے بلکہ اس کا صدق بعض

مساوقت : اتحاد فی المفہوم اور صدق میں مساوات

مسہل : جلاب جس سے سارے بدن کے مواد متاثر ہو کر حرکت میں آجاتے ہیں اور خارج ہونے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

مسخنات : اس کا واحد مسخن ہے گرم کرنے والے اسباب

مشروطۂ عامہ : جس میں موضوع کے لیے محمول کے ثبوت یا سلب کی ضرورت کا حکم کیا جائے جب تک کہ موضوع کی ذات کسی صفت کے ساتھ متصف ہو یعنی ضرورت کے تحقق میں وصف موضوع کو دخل ہو۔

مشروطہ خاصہ : یہ بعینہ مشروطہ عامہ ہے جس میں لادوام بحسب ذات کی قید بڑھادی جاتی ہے یہ دونوں بہت کہ لادوام ہے مطلقہ عامہ کی جانب اشارہ ہوا کرتا ہے۔

مشاہدہ : صاف صاف اور صریح طور پر بلا شکوک و شبہات لمس حس فرد کے ذریعہ حقیقت الامر افراد پر اتفاق ہم درجہ مواد بعض پر اتم درجہ اولیٰ نہ ہو جیسے وجود کہ اس کا صدق حق تعالیٰ پر اتم و اولیٰ ہے اور ممکنات پر اس کا صدق کمتر اور ادنیٰ درجے کا ہے۔

مشہور : وہ حدیث جس کا راوی ابتداً ایک ہی تھا لیکن بعد میں اس کثرت سے راوی اس کو روایت کرنے لگے کہ کذب کا احتمال جاتا رہا اور قرن اولیٰ کے بعد اس کی حیثیت رواۃ کے لحاظ سے متواتر کی سی ہو گئی۔

مشطور : دیکھو شطر

مصداق : صدق شئے کی جانب راہ نما۔

مصر : مصر (شہر) کا اطلاق اس قدر آبادی والے شہر پر ہو سکتا ہے جس کے رہنے والے اس شہر کی بڑی سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں۔

مصادرہ : نظری مسائل جن کو کچھ کچھ تسلیم کیا جاتا رہے اور ساتھ ساتھ ان کا کی گردن بھی

ملتی رہے۔

مصادرہ علی المطلوب: مدعیٰ کو عین دلیل یا جزء دلیل بنا دینا یا یہ کہ دلیل کی صحت مدعیٰ پر موقوف ہو۔ یا دعویٰ اور دلیل ایک کردی جائے

مصادرات: وہ مبادی تصدیقیہ کہلاتے ہیں جو بذات خود غیر بیّن ہوں اور جن کو متعلم نے معلم سے انکار یا شک کے ساتھ قبول کرلیا ہو۔

مضاف: جو نسبت کیا جائے۔

مضافان: دو متقابل وجودی کہ جن کو ایک دوسرے کے ذریعہ سمجھ لیا جا سکے جیسے ابوة و بنوة

مطلق: جس کا وجود بالذات ہو اور جو کسی قید سے مقید نہ ہو اور اس سے فرد معین مراد نہ ہو بلکہ غیر معین واحد مراد ہو برخلاف مجمل کے کہ اس سے فرد معین مراد ہوتا ہے۔ طبیعت کو اگر اطلاق کی حیثیت سے لیا جائے تو وہ طبیعت مطلقہ کہلائے گی۔ اور اگر طبیعت کو محض بحیثیت طبیعت لیا جائے تو مطلق الطبیعت کہلائے گی۔ اسی سے الشئ المطلق اور مطلق الشئ وجود المطلق اور مطلق الوجود حصول المطلق اور مطلق الحصول تصور المطلق اور مطلق التصور کے مابین فرق سمجھ لیا جائے (مزید تفصیل عام میں پڑھو لو)

مطلقہ عامہ: وہ ہے جس میں محمول کے وجود کا یا اس کے سلب کا حکم از منہ ثلثہ میں سے کسی ایک زمانے میں کیا جاتے۔

مطار: وہ شراب جس کو تیار ہوئے چھ ماہ گذرے ہوں۔

مطلوب: مرکب تام پڑھو۔

معقولات اولیہ: موجود خارجی کا ذہن میں پایا جانا۔

معقولات ثانیہ: موجود خارجی جب ذہن میں پایا جاتے تو ذہن میں اس کو جو احوال عارض ولاحق ہوں وہ معقولات ثانیہ کہلاتے ہیں۔ دوسری تعبیر یہ بھی ہے کہ جن کا ظرف عروض لحاظ ذہن ہو۔

معاد: فنا کے بعد وجود کی طرف اعادہ۔ کسی شئے کا اس جانب لوٹ جانا جہاں وہ پہلے تھی یا اجزاء بدن کا متفرق ہوجانے کے بعد پھر سے مجتمع ہوجانا۔ یا موت کے بعد پھر زندہ ہوجانا

اور روح کا اپنے چھوڑے ہوئے بدن میں دوبارہ واپس آجانا۔ معاد و بعث حشر قریب قریب ہم معنی ہیں۔

معرب: جس کے آخری حرف کا اعراب عوامل کے اختلاف سے تبدیل ہوتا رہے۔

معارضہ: مناظرہ کی اصطلاح میں حریف کی دلیل کے بالمقابل دلیل قائم کرنے کو معارضہ کہا جاتا ہے۔

معرّف: وہ معلوم تصوری جو مجہول تصوری تک پہنچا دے اس کو قول شارح بھی کہا جاتا ہے

معانی ومفاہیم: (جمع معنی ومفہوم) وہ ذہنی صورتیں جن کے بالمقابل الفاظ وضع کردیے گئے ہوں یا وہ صورتیں جو ذہن میں حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ معنی اور مفہوم میں الفاظ کے مقصد اور تحصل کا فرق ہے اگر لفظ سے معنی کا قصد کیا جاتے تو معنی ہے اور اگر لفظ سے معنی حاصل ہوجائے تو مفہوم ہے۔

معانی (جمع معنی): معانی میں دیکھو

معجزہ: خارق عادت (خلاف عادت) کسی نبی برحق کی جانب سے کسی امر کا ظہور ہو۔

معنوی: یہ ایک ایسا لطیفہ ہے جو زبان سے ادا نہیں ہوسکتا قلب میں کھٹک جاتا ہے۔

معونت: دیکھو خارق عادت

معلق: وہ حدیث جس کی اسناد کا مبدء حذف کردیا گیا ہو خواہ وہ مبدء ایک ہو یا ایک سے زیادہ۔

معرفہ: جو شئے معین پر دلالت کرے۔

معروف: ہر وہ قول، فعل، عمل جس کو شریعت نے مستحسن قرار دیا ہو۔

معتزلہ: متبعین واصل ابن عطا، جو حسن بصری کی مجلس سے بعض مسائل میں اختلاف رائے کی بناء پر اعتزال یعنی واک آوٹ کر گیا تھا اسی وجہ سے اس کے گروہ کا نام معتزلہ پڑگیا۔

معقول کلی: جس کی صورت خارج کے مطابق ہو۔

معنی: جو کسی شئے سے قصد کیا جائے۔ یا صورت ذہنیہ اس لحاظ سے کہ اس کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہو۔

معدوم مطلق: جس کا کسی وجہ اور کسی طریق سے ثبوت نہ تو ذہن میں ہو نہ خارج میں۔

معرف: جس کا شئے پر افادۂ تصور کے لیے اطلاق کیا جائے۔
معتل: نحویین کے نزدیک معتل وہ لفظ کہلاتا ہے جس کے حروف اصلی یعنی ف، ع، ل میں سے کسی حرف کی بجائے حرف علت آجائے یعنی واو۔ الف۔ ی میں سے کوئی حرف آجائے۔ اگر حرف کی جگہ آئے تو الفاء اور عین یا لام کی جگہ آئے تو معتل العین معتل الام ہوگا اس کو علی الترتیب مثالی۔ اجوف ناقص بھی کہا جاتا ہے۔
معتل الفاء: دیکھو معتل
معتل العین: دیکھو معتل
معتل الام: دیکھو معتل
معلوم: کسی شئے کی مثال یا تشبیہ کا ذہن میں آنا۔
معارض: روکنے والی قوت
معارض داخلی: روکنے والی اندرونی قوت
معارض خارجی: روکنے والی بیرونی قوت
معیت ذاتی: مفہوم ظاہر ہے اس کے دو فرد ہوتے ہیں معیت بالطبع اور معیت بالعلیت اول کا اطلاق ان دو اشیاء پر ہوتا ہے جن کے مابین اصلا احتیاج نہ ہو۔ دوسری کا اطلاق ان دو اشیاء پر ہوتا ہے جن میں سے ایک دوسری کے لیے مستقل علت نہ ہو خواہ ان کے مابین احتیاج ہو یا نہ ہو۔
معیت زمانی: دو اشیاء زمانۂ واحد میں بغیر علاقۂ علیت کے موجود ہوں یا آزادانہ اور مطلقاً موجود ہوں۔
معرفت: تدبر و تفکر سے شئے کا ادراک۔ یا دلیل سے جزئیات کا ادراک۔
معجزہ: خلاف عادت کسی امر کا ظہور جو سعادت اخیر کی بنیاد پر ہو اور مدعی نبوت کی جانب سے ہو اور ایسا امر جس کا دوسروں سے سرزد ہونا ممکن نہ ہو۔ (خارق عادت میں پڑھو)
معلول و علت: معلول محتاج علت محتاج الیہ
معلول اخیر: وہ ہوتا ہے جو کسی کی علت نہ ہو۔

معدل النہار: جن دونوں نقطوں پر یعنی قطب شمالی و قطب جنوبی پر نواں آسمان گردش کرتا رہتا ہے ان دونوں نقطوں یا قطبین کے درمیان ان کو ملا دینے والا جو بڑا خط کھینچا جائے یا فرض کیا جائے اس کو معدل النہار کہا جاتا ہے پھر اس دائرۂ معدل النہار کے مقابل میں زمین پر ایک دائرہ کھینچا جائے یا فرض کیا جائے اس کو خط استوا کہتے ہیں۔

معلق۔ منقطع مرسل: وہ احادیث جن کے ایک یا چند راویوں کا ذکر ترک کر دیا گیا ہو۔ اگر شروع کے رواۃ میں سے ترک کیا گیا ہو تو حدیث معلق ہے اگر درمیان سے چھوڑا گیا ہو تو حدیث منقطع ہے اگر آخر میں ترک ہوا ہے تو مرسل ہے۔

معروف: وہ قول یا فعل جس میں حق تعالیٰ کی رضا ہو۔

معارضہ: مقابل کی دلیل کے بالمقابل دلیل قائم کرنا معارضہ کہلاتا ہے۔

معدولہ: وہ قضیہ ہے کہ حرف سلب اس کے اجزاء کا جزء ہو خواہ وہ موجبہ ہو یا سالبہ ہو۔

معدولۃ الموضوع: کہا جائے گا اگر حرف سلب جزء موضوع ہوگا۔

معدولۃ المحمول: کہلائے گا اگر حرف سلب جزء محمول ہو۔

معدولۃ الطرفین: اگر حرف سلب موضوع و محمول دونوں کا جزء ہوگا تو معدولۃ الطرفین کہیں گے

معما: وہ موزوں کلام جو بطور رمز و اشارہ کے ادا کیا جائے۔

معدن: دیکھو رکاز

مغالطہ: قیاس کی ایک قسم ہے جو ایسے مشہور مقدمات سے ترتیب دیا جاتا ہے جو حق تو نہیں ہوتے لیکن حق سے مشابہت رکھتے ہیں۔

یا ایسا قول ہے جو مقدمات قطعی ظنی یا مشہور مقدمات سے مرکب ہو اور تصدیق کا افادہ کرے۔

مغالطہ عامۃ الورود: کسی دروغ آمیز سچ یا جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے صغریٰ کبریٰ اور حد اوسط کا طومار یا جس سے مطلوب اور اس کے نقیض کا اثبات ممکن ہو۔

مفکرہ: دیکھو متصرفہ

مفعول مالم یسم فاعلہ: وہ مفعول جس کا فاعل حذف کر دیا گیا ہو اور اس کے مفعول کو فاعل

کا قائم مقام بنا دیا گیا ہو۔

مفرد: جس کا جزء لفظ جزء معنی پر دلالت نہ کرے اس معنی کو مفرد مرکب کا مقابل ہے۔ ایک مفرد مضاف کا مقابل ہوتا ہے ایک جملے کا مقابل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ واحد شئی مجموع اور مرکبات تقییدیہ کو شامل ہوتا ہے۔ مفرد اور واحد کے مابین فرق یہ ہے کہ مفرد حقیقی بھی ہوتا ہے اور اعتباری بھی اور اس کا اطلاق کبھی جمیع اجناس پر بھی کر دیا جاتا ہے اور واحد کا اطلاق صرف واحد حقیقی پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ لفظ کے علاوہ معنی بھی مفرد ہوا کرتا ہے مفرد معنی وہ ہوتا ہے کہ خود معنی کے لفظ کا جزء اس کے معنی کے جزء پر دلالت نہیں کیا کرتا۔

مفارقات: جواہر جو بذات خود قایم ہیں اور مادے کے محتاج نہیں ہیں۔

مفارقات قدسیہ: عقول عشرہ۔

مفاہیم (جمع مفہوم) معانی میں دیکھو۔

مفسر (بفتح سین): جس کلام کی بنیاد نص شرعی پر ہو۔

مفہوم موافق: وہ جو کلام سے بطریق مطابقت سمجھا جائے۔

مفہوم مخالف: وہ ہے جو کلام سے بطریق التزام سمجھا جائے۔

مفسدات شکل: وہ اسباب جو شکل کو بگاڑتے ہیں۔

مفلوج: فالج زدہ وہ عضو جس کی حس و حرکت باطل ہو چکی ہو۔

مفاصل سلیہ: حرکت کرنے والے جوڑ

مفکرہ: دیکھو متصرفہ متخیلہ

مقدمہ: جس پر آنے والی بحثیں موقوف ہوں۔ وہ قضیہ جو جزء قیاس بنا دیا گیا ہو۔ جس پر دلیل کی صحت موقوف ہو۔ علم و فن یا کتاب کے آغاز میں جن امور کا ذکر کیا جائے (مرکب تام میں پڑھو)

مقدمۃ العلم: آغاز علم و فن میں جن امور کا تذکرہ ناگزیر ہو۔

مقدمۃ الکتاب: آغاز کتاب میں جو امور مقصود سے پہلے مذکور ہوں اور ان میں باہم ربط ہو

مقدمۃ الدلیل: جس چیز پر دلیل کی صحت موقوف ہو عام ازیں کہ وہ چیز جزو دلیل ہو یا نہ ہو۔
مقدمۃ القیاس: وہ قضیہ ہے جو جزء قیاس بنا دیا جائے۔
مقدمۃ الحجۃ: وہ قضیہ ہے جو جزء الحجۃ بنا دیا جائے۔
مقاطع: وہ مقدمات کہلاتے ہیں جن پر بدیہی اور تسلیم شدہ دلیلیں اور حجتیں منتہی اور ختم ہو کر رہ جائیں
جیسے دور تسلسل اور اجتماع نقیضین ارتفاع النقیضین۔
مقتضاء النص: وہ امر ہے جو نہ تو ملفوظ ہو نہ اس پر نص دال ہو بلکہ وہ اس امر کا اقتضاء ہو کیوں کہ
اس پر دلیل کی صحت موقوف ہے گویا وہ نص کی صحت کے لیے لازم و ضروری ہے۔
مقید: وہ ہے جس کو بعض صفات و عوارض کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہو۔ یہ مطلق کا ضد ہے
(دیکھو عام)
مقیاس: جس کی وجہ سے شئے پہچانی جائے یہ مقیاس لکڑی یا لوہے وغیرہ کا ہوتا ہے جو اس
غرض سے نصب کر دیا جاتا ہے کہ اس کے سایہ سے اوقات و ساعات کا اندازہ کیا
جا سکے۔
مقتضاء حال: وہ امر خاص کہ جس کی متقاضی صورت حال ہو۔
مقبولات: وہ قضایا ہیں جو بر بنا اعتقاد انبیاء کرام کے معجزات اور اولیائے عظام کی کرامات
دیکھ کر یا اہل علم کی عقل و دین داری سے متاثر و مرعوب ہو کر تسلیم کر لیے جائیں۔
مقولہ: فلاسفہ کی اصطلاح میں مقولہ کا اطلاق مقولات عشرہ پر ہوتا ہے جن میں سے ایک مقولہ
جوہر ہے اور نو مقولات اعراض ہیں یعنی۔
"کم۔ کیف۔ این۔ متی۔ اضافت۔ ملک۔ وضع۔ فعل۔ انفعال۔
مقولات عشر: دیکھو مقولہ اور اتیاس وغیرہ۔
مقولات ذوی الحرکات (جن مقولات میں حرکت واقع ہوتی ہے): صرف چار ہیں۔ مقولہ کم۔
کیف۔ وضع۔ این۔
مقام ادنیٰ (ادنی): یہ وہ منزل قرب و رفعت ہے جو اتحاد و اتصال بالحق کے مقام قرب
(قاب قوسین) سے بھی وراء اور وراء الوراء ہے۔ مقام "قاب قوسین" میں امتیاز

دائیِ نسبت کا شائبہ باقی رہ جاتا ہے وہ اس مقام میں گم ہو جاتا ہے اور ~~~

من تو شدم تو من شدی!

کا معاملہ ہو رہتا ہے جس کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ

من دیگرم تو دیگری

مشہور حدیث "من رآنی فقد رآہ" سے بھی اس پر روشنی پڑ رہی ہے۔

مقامِ دنی: دیکھو قاب قوسین۔

مقامِ تدلی: دیکھو قاب قوسین۔

مقول فی جواب ما ہو: منطقیین کی اصطلاح میں لفظ ہے جو "ما ہو" کے جواب میں بولا جائے اور بالمطابقت اس ماہیت پر دلالت کرے جس کی نسبت سوال کیا جائے کہ اس کی ماہیت کیا ہے۔ مثلاً سوال کیا جائے کہ انسان کیا ہے یعنی انسان کی ماہیت کیا ہے تو جواب دیا جائے گا کہ وہ حیوان ناطق ہے یعنی حیوان "ناطق انسان کی پوری ماہیت ہے۔

مقیاس: جس سے اوقات و ساعات کا اندازہ کیا جائے۔ لکڑی یا لوہے کی کوئی چیز نصب کر دی جاتی ہے اور اس کے سایہ سے اوقات و ساعات کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

مقدار: لغت کے اعتبار سے مقدار وہ ہے جس سے کسی شئے کا اندازہ کیا جائے جیسے گز وزن عدد وغیرہ۔ عام اصطلاح میں اتصال عرضی۔ وہ کمیت متصل جو جسم، سطح، خط اور جسم (اول) میں بالاشتراک شامل ہو۔ یا ابعادِ ثلثہ طول، عرض، عمق کم متصل قار الاجزاء (مجتمع الاجزاء) جیسے خط سطح جسم

حکماء کی اصطلاح میں مقدار نام ہے کم متصل کا جس کے اجزاء قار (مجتمع) ہوں یا غیر قار (غیر مجتمع) ہوں جیسے خط اور جسم تعلیمی جن کے اجزاء قار ہیں یا زمانہ جس کے اجزاء غیر قار ہیں۔ یا حرکت کی مدت زمانہ

مقدار نبض: نبض کا وہ اندازہ جس سے اس کی لمبائی، چوڑائی، گہرائی معلوم کی جا سکے۔

مقصد حرکت نبض: نبض کی حرکت اور اس کے سکڑنے اور پھیلنے سے روح معتدل رہتی ہے کیونکہ اس حرکت سے باد تسلیم بدن میں جذب ہوتی رہتی ہے اور گرم بخارات خارج ہوتے رہتے

ہیں۔

مقدم: قضیہ شرطیہ کا پہلا جزء اس کا دوسرا جزء تالی کہلاتا ہے۔

مقام الجمع: مرتبۂ الہیت

مقدمات ثلثہ: واجب ممکن ممتنع

مقدر: دیکھو حذف

مکروہ ۔ مکروہ تحریمی ۔ مکروہ تنزیہی: وہ امر فعل یا عمل ہے جس کا ترک کر دینا بہتر ہے اگر وہ حرام سے قریب تر ہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر حلال سے زیادہ قریب ہے تو مکروہ تنزیہی ہے۔

مکروہ تحریمی: دیکھو مکروہ

مکروہ تنزیہی: دیکھو مکروہ

مکافات: عمل خیر و شر کے بالمقابل خیر و شر کرنا۔

مکافات خیر: دیکھو بدل

مقولہ: مقولہ کا اطلاق جوہر اور اعراض تسعہ پر کیا جاتا ہے جن کے مجموعے کو مقولات عشر کہا جاتا ہے۔

مقولات عشرہ: جوہر، کم، کیف، اضافت، این، متیٰ (زمان)، وضع، ملک، فعل، انفعال،

کسی شاعر نے مقولات عشرہ کو ان دو شعروں میں جمع کر دیا ہے ؎

ہر چہ موجود است او را یافتند   اہل حکمت منحصر در دہ مثال

جوہر و کیف و کم و وضع و متی   این اضافت ملک و فعل و انفعال

ذیل کے شعر میں یہ تمام مقولات مندرج کر دیئے گئے ہیں۔

گل بستان ۔ دوش ۔ در بستر بناے خفتہ بود
جوہر این متی ملک وضع

یک نسیم از کوے جانان ۔ یافت ۔ خورم ۔ در شگفت
کم اضافت انفعال کیف فعل

مکابرہ: کسی علمی مسئلہ پر حریف کو الزام اور شکست دینے کے لیے جھگڑنا اور جان بوجھ کر حق پوشی کرنا مکابرہ میں اظہار و تنقیح حق مطلوب نہیں ہوتی بیشتر حالات میں حریف کو الزام دینا بھی مد نظر نہیں ہوتا بلکہ اپنی جہالت کا اخفا مقصود ہوتا ہے۔

مکاشفہ: باطنی اشارات کے ذریعے کسی امر کا تحقق

مکعب: وہ جسم جس کی سطوح (سطح کی جمع) چھ ہوں۔ (دیکھو اسطوانہ)۔

مکان: اس امر پر تمام فلاسفہ متفق ہیں کہ مکان ایسی چیز ہونا چاہیئے جس کو جسم بھرے اس میں جسم ہو اس سے منتقل ہو اور اس کی طرف منتقل ہو اور جسم کو محیط (گھیرے ہوئے) ہو مشائیہ کے نزدیک جسم حاوی کا سطح باطنی جو جسم محوی کے سطح ظاہر سے مماس ہو رہا ہو مکان ہے متکلمین مکان اس متوہم فراخ و کشادگی کو قرار دیتے ہیں کہ جس میں جسم ٹھہرا ہوا ہے اس کو بھرے ہوئے ہے اور اس میں جسم کے ابعاد طول عرض عمق نفوذ کر رہے ہیں۔ اشراقیہ کے نزدیک بُعد جوہری ہے جو موجود ہے اور مادے سے مجرد ہے۔

مکان کے سلسلے میں مشہور مذہب تو یہی تین ہیں ورنہ بعض لوگوں نے ہیولیٰ کو اور بعض نے صورت کو بھی مکان قرار دے ڈالا ہے۔ بعض نے سطح مطلق کو مکان قرار دے کر فلک الاعلیٰ کے لیے بھی مکان کی گنجائش نکال دی ہے۔

مکان معین: وہ مکان ہے کہ جس کو امر داخل کے سبب سے مکان قرار دے دیا گیا ہو۔ جیسے گھر کہ اس کو چھت اور در و دیوار کی وجہ سے مکان کہدیا جاتا ہے کہ جو اس کے اجزاء داخلی ہیں۔

مکان مبہم: جہات ستہ (شش جہات) سامنے، پیچھے، دائیں بائیں اوپر نیچے

ملکوت: عالم عقول و ارواح و ملائکہ و مجردات اور عالم غیب

ملک بکسر المیم (مقولہ): تلبس اور تملک سے جو حالت پیدا ہو۔

ملیّن: پیٹ کو نرم کرنے والی دوا۔ معدے اور آنتوں سے مواد کو خارج کرنے والی دوا

ملیّن: ہلکا جلاب جس سے صرف آنتوں کے مواد متاثر و متحرک ہو سکیں۔

ملاء: مکان کا متمکن سے بھرپور ہونا۔

ملاء متشابہہ : وہ جسم کہ جس میں مختلف الحقائق اجزاء نہ پائے جاتے ہوں یعنی اس کے اجزاء متفقۃ الطبائع ہوں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے غیر متناہی جسم مراد لیا جاتا ہے۔ بعض افراد اس سے غیر متناہی جسم مراد لینے کے بعد یہ بھی اضافہ کر دیتے ہیں کہ اس میں متخالف الحقیقت اجزاء نہ پائے جائیں۔

عناصر و افلاک کہ جو طبائع کے لحاظ سے متفق اور ایک جیسے ہیں سوائے فلک اعظم کی سطح ظاہری یعنی سطح محدب کے کہ جو ملاء متشابہہ سے خارج ہے۔

ملازمہ : (یا تضایف) کسی شئے کا شئے سے جدا نہ ہونا۔ لازم و تلازم۔ ایک شئے یا حکم کا دوسرے حکم یا شئے کو مقتضی ہونا یعنی ایک حکم یا شئے وقوع پذیر ہو جائے تو لازماً دوسرا حکم اور دوسری شئے بھی واقع ہو۔ شئے اول ملزوم شئے ثانی لازم کہلائے گی۔

اگر عقل لازم کے خلاف تصور ہی نہ کر سکے تو ملازمہ عقلیہ ہے۔ اگر خلاف تصور کر سکے تو ملازمہ عادیہ ہے۔ اگر شئے دوسرے کو خارج یعنی واقع اور نفس الامر میں مقتضی ہو تو ملازمہ خارجیہ ہے اگر ذہن میں مقتضی ہو تو ملازمہ ذہنیہ ہے۔

ملک (بضم المیم) : عالم الشہادت خواہ وہ محسوسات طبیعہ میں سے ہوں جیسے عرش کرسی وغیرہ اور ہر وہ جسم جو تخیل کے ذریعہ متمیز ہو سکے خواہ وہ مجموعہ حرارت و برودت اور رطوبت سے ہو اور یا قبیل، شناسر سے ہو اور ہر وہ جسم جو الطفات (عناصر) سے ترکیب پایا ہوا ہو یہ سب ملک میں شامل ہیں۔

ملک (بفتح المیم و الام) : جسم لطیف نورانی جو مختلف شکلیں اختیار کر سکے۔

ملائکہ : عالم افلاک و کائنات عناصر میں تدبیر و تصرف جن عقول مجردہ کے ذریعے ہوتا ہے انھیں کو شریعت کی اصطلاح میں ملائکہ کہا جاتا ہے۔

ملکہ : وہ کیفیت نفسانیہ جو علم سے نفس میں راسخ ہو جائے (رچ جائے)، اگر راسخ نہ ہو اور جلد زائل ہو سکے تو حالت کہلائے گی۔

ملت (امت) : ہفت اقلیم کے ہر حصے میں بسنے والے انسان جن کی نسل، زبان، مرز بوم، معاشی اغراض اور قبائلی و خاندانی خصوصیات کچھ بھی رہی ہوں اور کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہوں وہ

اگر نبی پر ایمان لے آئیں اپنے کو اسلامی وحدت میں ضم کر کے اخوۃ اسلامی کے عالمگیر رشتے میں منسلک کر لیں تو اس اسلامی برادری کے افراد و اعضاء کے مجموعے کو ملت اور امت مسلمہ کہا جاتے گا' اس لحاظ سے یہ ملت و امت بہ حیثیت مجموعی کسی خاص ملک و وطن اور سرزمین کے ساتھ مختص و وابستہ نہیں سمجھی جاتے گی بلکہ ایک وسیع ہمہ گیر اور عالمگیر دائرے میں گھری ہوئی امت واحدہ اور ملت مسلمہ کہلائے گی۔ شاعر اسلام نے اسی مفہوم کو اس رباعی میں ادا کیا ہے۔

جوہر ما با مقامے بستہ نیست — بادۂ تندش بجامے بستہ نیست

قلب ما از ہند و روم و شام نیست — مرز بوم او بجز اسلام نیست

بالعموم ملت کا انتساب رسول کی طرف ہوا کرتا ہے جس طرح کہ دین کا انتساب اللہ کی طرف ہوتا ہے۔

ممکن: جس کا وجود اور عدم دونوں ضروری نہ ہوں۔

ممکن بالذات: دیکھو ممکن

ممتنع: جس کا عدم خارجی ضروری ہو اور جس میں وجود و ظہور کے کسی شائبہ کا امکان نہ ہو اگر یہ عدم مقتضاء ذات ہو تو ممتنع بالذات اور اگر باقتضاء غیر ہو تو ممتنع بالغیر ہے۔

ممتنع بالذات: دیکھو ممتنع

ممتنع بالغیر: دیکھو ممتنع

مماس: دو چیزیں جو باہم مل رہی ہوں۔

ممکنہ عامہ: جس میں جانب مخالف کی ضرورت کے سلب کا حکم یا امکان عام کیا جائے۔

ممکنہ خاصہ: وہ کہلاتا ہے جس میں ایجاب و سلب اور وجود و عدم دونوں جانب سے ضرورت مطلقہ کا ارتفاع [illegible] و سلب ہو۔

منقول: چند یا دو معانی مشترک۔ لفظ کے اگر معنی اول ترک کر دیئے جائیں اور اس کو دوسرے معنی میں نقل کر دیا جاتے تو یہ منقول کہلاتے گا اگر ناقل شرع ہے تو منقول شرعی ہو گا اگر عرف ہے تو عرف عام یا عرف خاص کہا جاتے گا۔

منافق: جس کے ضمیر اور زبان کے رخ مختلف ہوں شریعت کی رو سے منافق وہ ہے کہ جو زبان سے ایمان کا اقرار کرے اور دل میں منکر ہو یا جو کافر ایمان کا اظہار کرے یعنی گفتگو میں اظہار ایمان کرے

دراعتقاد میں جو کفر ہے اس کو چھپائے۔ اس پر اسلامی احکام جاری ہوں گے کیوں کہ وہ ایمان ظاہر کررہا ہے اور احکام شرع کا اجراء ظاہر ہی پر ہوتا ہے۔

منادی: نحویین کی اصطلاح میں وہ اسم ہوتا ہے جس کے مدلول کا اقبال حقیقتاً یا حکماً مطلوب ہوا کرتا ہے ایسے حرف کے ساتھ جو لفظ ادعوا کا قایم مقام ہو خواہ یہ حروف قایم مقام ادعوا لفظاً مذکور ہو جیسے یا زید۔ یا مقدر و محذوف ہو، جیسے یوسف اعرض عن ہذا۔ یہاں یوسف سے پہلے حرف "یا" مقدر ہے یعنی دراصل "یا یوسف" ہے۔

مناقضہ: مقدمات دلیل میں سے کسی معینہ مقدمے پر منع وارد کر دینا بشرطیکہ وہ مقدمہ بدیہیات اولیات (ظاہر ظہور) اور مسلمات میں سے نہ ہو۔

منطق: قانونی آلہ (معیار) کہ جس کو ملحوظ رکھنے سے ذہن خطاء فکری سے محفوظ رہتا ہے۔

مندوب: اصطلاح علم نحو میں وہ اسم ہے کہ جس کے مدلول یا مدلول کے وجود پر لفظ "یا" یا لفظ "وا" سے جزع، فزع، کی جائے۔ فقہا کی اصطلاح میں مندوب وہ کہلاتا ہے جس کے کرنے کو نہ کرنے پر شارع شریعت کی نظر میں ترجیح ہو اور ترک بھی جائز ہو۔

مناسک: جمع منسک، صدر درجہ کی عبادت مراسم حج۔

مناسخہ: علم الفرائض کی اصطلاح ہیں میت کے ورثہ قبل از تقسیم حصے ان کے وارثوں تک منتقل کرنے کے ضوابط کو مناسخہ کہا جاتا ہے۔

منطقہ: کرے کا ایک بڑا دائرہ جو قطبین کے منتصف، نصف نصف کر دینے والے حصے یعنی وسط میں ہوتا ہے۔ اس کی حرکت دوسرے دوائر سے زیادہ ہوتی ہے۔ یا منطقہ ان دو قوسوں کا نام ہے جو نقطہ مشرق سے نکلتی ہیں ان میں سے ایک تو مدار سرطان پر منتہی ہوتی اور دوسری مدار جدی پر ختم ہوتی ہے۔ اول الذکر شمالیہ اور آخر الذکر جنوبیہ کہلاتی ہے۔ منطقہ کی شمالی اور جنوبی قوسین چھ چھ برجوں پر تقسیم ہو جاتی ہیں۔ شمالی قوس کے چھ برجوں میں سے حمل، ثور، جوزاء چڑھتے ہوئے اور سرطان اسد، سنبلہ اترتے ہوتے برج ہیں۔ جنوبی قوس کے چھ برجوں میں سے جدی، دلو، حوت چڑھتے ہوئے اور میزان عقرب قوس اترتے ہوئے برج ہیں۔

منصرف: جس میں اسباب تسعہ (نو اسباب) منع صرف میں سے دو سبب یا دو سببوں کا قائم مقام

ایک سبب نہ ہو اور جس پر جر یعنی زیر اور تنوین داخل ہو سکے۔ نو اسباب منع صرف حسب ذیل ہیں

۱۔ عدل

۲-۳ وصف تانیث

۴-۵ معرفہ عجمہ

۶-۷ جمع ترکیب

۸۔ وزن فعل

۹۔ الف و نون زائدتان

مناظرہ: فریقین مناظرہ کا مسائل زیر بحث پر اظہار حق کے لیے نگاہ بصیرت ڈالنا۔ اور باہم رد و قدح کرنا۔

منکر: ہر وہ قول و فعل اور عمل جس کو شریعت نے قبیح قرار دیا ہو۔

منتشرہ مطلقہ: وہ ہے جس میں محمول کے وجود کا یا اس کے سلب کا حکم ازمنۂ ثلثہ میں سے کسی ایک زمانے میں کیا جائے۔

منفصلہ: (قسم قضیۂ شرطیہ) اس میں دو اشیاء کے مابین منافات کا حکم ہوتا ہے یا سلب منافات کا حکم کیا جاتا ہے پہلا منفصلہ موجبہ کہلاتا ہے اور دوسرا منفصلہ سالبہ

منفصلہ موجبہ: دیکھو منفصلہ

منفصلہ سالبہ: دیکھو منفصلہ

منفصلہ شرطیہ (تقسیم دیگر): شرطیہ منفصلہ میں اگر دونوں نسبتوں کے مابین صدق و کذب دونوں میں ایک ساتھ تنافی یا عدم تنافی کا حکم ہو تو منفصلہ حقیقیہ کہلائے گا اگر تنافی یا عدم تنافی صرف جانب صدق میں ہو تو مانعۃ الجمع ہو گا اگر جانب کذب میں ہو تو مانعۃ الخلو ہو گا۔ پھر منفصلہ اپنے تمام اقسام سمیت عنادیہ ہوتا ہے اور اتفاقیہ بھی اگر منافات دونوں جزوں میں بالذات ہے تو عنادیہ ہے۔ اگر منافات محض بر بنائے اتفاق ہے تو اتفاقیہ ہے

منفصلہ حقیقیہ: دیکھو منفصلہ

منشاءِ انتزاع: جو کسی ایسے معنی یا صفت کا ماخذ ہو جس کا کوئی اپنا وجود نہ ہو یا اس معنی یا صفت

کا ماخذ جو کا موصوف کے سوا کوئی وجود نہ ہو۔

منطق (میزان): وہ علم جس کے ذریعے معلومات کو ترتیب دے کر مجہولات حاصل کیے جا سکتے ہیں اور جس کے قوانین کا لحاظ رکھنے سے انسان افکار کی غلطیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

منتشرہ: یہ بعینہٖ منتشرہ مطلقہ ہے جو لا دوام بحسب الذات کی قید سے مقید کر دیا جاتا ہے۔

منقطع: مرسل پڑھو۔

منتہاء حرکت: جہاں حرکت کا اختتام ہو۔

سوالیہ ثلثہ: حیوانات نباتات، معدنیات۔ عناصر اربعہ سے مکمل طور پر ترکیب پائے ہوئے عناصر ایک نوعی صورت اختیار کر لیتے ہیں جو ان کی ترکیب کی محافظ و ضامن ہوتی ہے۔ اب اس صورت نوعیہ میں اگر نشو و نما نہ ہو تو معدنیات کہلاتے ہیں نشو و نما ہونے کی صورت میں اگر ان میں حس و حرکت اور ارادہ نہ ہو تو نباتات کہے جاتے ہیں اور اگر حس و حرکت اور ارادہ ہو تو حیوانات کہلائے جاتے ہیں۔

موجبہ: اصل ایجاب ہے جس کے معنی اثبات کے ہیں۔ ایجاب و موجبہ کے مقابل سلب و سالبہ ہے۔ منطق کی اصطلاح میں موجبہ وہ قضیہ ہے کہ جس میں نسبت کے ثبوت کا حکم کیا جائے۔

موجودات الغیاریہ: موجودات پستی

موجود خارجی: جس کے وجود کے لیے خارج ظرف ہو۔ موجود خارجی جب تک خارج میں ہوتا ہے وہ شخص اور ہویتہ عینیہ کہلاتا ہے اور عوارض خارجیہ شخصیہ کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور انہیں کی وجہ سے متشخص ہوتا ہے۔

موجود ذہنی: جس کے وجود کے لیے ذہن ظرف ہو۔ موجود خارجی ذہن میں پایا جاتا ہے تو مفہوم صورت عقلیہ اور معقولات اولیہ کہلاتا ہے اور جو احوال اس کو ذہن میں عارض و لاحق ہوتے ہیں وہ معقولات ثانیہ کہلاتے ہیں۔ عوارض ذہنیہ کلیت ذاتیت اور عرضیت کے روپ میں لحاظ میں لائے جا سکتے ہیں۔

موازات: دو اشیاء کے مابین بعد کا اختلاف نہ ہونا موازات کہلاتا ہے۔

موضوع: ایک شئے کا دوسری شے کے ساتھ تحقق اس طرح پر کہ جب بھی شئے اول بولی جائے یا

محسوس کی جائے تو اس سے دوسری شئے بھی سمجھ لی جائے (داخل دیکھو)

موقوف: اصحاب رسولؐ باہم رسول اللہؐ کے احوال و اقوال کا جو تذکرہ اور روایت کرتے رہے اور رسول اللہؐ تک اس کی سند نہ پہنچائی گئی ہو وہ حدیث موقوف کہلائے گی۔

موضوع: عرض کا محل جو اسی کے ساتھ مختص ہو وہ امر جو ذہن میں موجود ہو۔ علم کا موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے۔

موت اخترامی: وہ موت جو رطوبت غریزی کے موجود ہوتے ہوئے بھی واقع ہو جاتے مثلاً کوئی شخص پانی میں ڈوب کر یا پہاڑ سے گر کر یا کسی سواری سے ٹکرا کر مر جاتے۔

موت طبعی: جو عمر طبعی تک پہنچنے کے بعد واقع ہو۔

مواز: مقابلہ

موازی: مقابل

موجود: آثار کا مبدء اور خارج میں احکام کا مظہر و مورد۔

موضوع: اجزاء قضیہ حملیہ جزء اول موضوع جزء ثانی محمول۔

موقوف: وہ حدیث جو کسی صحابی پر منتہی ہو گئی ہو۔

مؤوّل: جو کلام غلبۂ رائے کی بناء پر اپنے ظاہر معنی سے پھیر دیا جائے۔

موت: عناصر و اخلاط کا منتشر و پراگندہ اور پریشان ہو جانا اور حرارت غریزی کا رطوبت کو فنا کر کے خود بھی ختم ہونا۔ ع

موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا

موجہہ: قضیہ میں جب کبھی جہت کا ذکر کیا جائے تو وہ موجہہ کہلاتا ہے موجہات کی تعداد پندرہ ہے ان میں سے آٹھ بسیط کہلاتے ہیں اور سات مرکبہ کہے جاتے ہیں۔ بسیط کی حقیقت یا صرف ایجاب ہوتی ہے یا فقط سلب۔ مرکبہ کی حقیقت ایجاب و سلب دونوں سے بیک وقت مرکب ہوتی ہے۔

موالید ثلثہ: حیوانات، نباتات، جمادات

موجودات: ان کا اطلاق ہر شئے پر ہوتا ہے خواہ وہ قبیل مجردات سے ہوں یا مادیات سے

فلکیات ہوں یا عنصریات۔

مومن : اللہ و رسولؐ کو ماننے والا اور جو احکام اللہ و رسولؐ کی جانب سے آئے ہیں ان کی دل سے تصدیق کرنے والا۔

موضوع منطق : معلوم تصوری اور معلوم تصدیقی اس حیثیت سے کہ وہ مجہول تصوری اور مجہول تصدیقی تک پہنچا سکیں۔

مہملہ (قسم قضیہ شرطیہ) : وہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں تقادیر کا ذکر ترک کردیا جائے۔

مہروج الامعاء : آنتوں کی اندرونی سطح کی لیس دار رطوبت

مہملہ : وہ قضیہ حملیہ کہ جس کا موضوع کلی ہو اور حکم فی الجملہ افراد پر ہو یعنی کلاً یا جزواً افراد کی تعداد نہیں بتائی گئی ہو۔

مہملات : مہمل کی جمع ہے۔ وہ لفظ جو کسی معنی کے لیے وضع نہ کیا گیا ہو اگرچہ کسی معنی پر دلالت کرے یا نہ کرے۔

میتۃ الجاہلیت : اس شخص کی موت کہلاتی ہے جس تک احکام شرع نہ پہنچے ہوں۔

میزان : منطق کا مرادف (ہم معنی) ہے۔ لغت میں بمعنی ترازو۔

میل : وہ برانگیختہ کرنے والی حالت جو متحرک کو مبدء سے منتہی تک جانے پر مستعد و تیار کرے اور روکنے والی چیزوں کی مدافعت کرے نفس مدافعت کو بھی میل کہدیا جاتا ہے۔

میل ذاتی : جس کے ساتھ حقیقتاً میل قایم ہو۔

میل عرضی : جس کے ساتھ حقیقتاً میل قایم نہ ہو اور کسی ملاقے کی وجہ سے اس کی طرف منسوب کردیا جائے۔

میل قسری : حدوث میں امر خارج کی وجہ سے ہو۔

میل نفسیاتی : حدوث میل امر داخل کی وجہ سے ہو اور قصد و شعور کے ساتھ ہو۔

میل طبعی : حدوث میل امر داخل کی وجہ سے ہو بلا شعور و قصد ہو۔

ن

ناسوت : عالم اجسام و مادیات ۔

ناموس : مستجاب اللہ منزل شریعت ۔ عزت و حرمت ۔

ناموس اکبر : جبریل حامل وحی ۔

ناقص (باصطلاح علم نحو) : جس فعل کے آخر میں حرف اصلی کے بجائے حرف علت آجائے اس کو معتل اللام بھی کہتے ہیں ۔

نار : آتش ، آگ ۔ منجملہ عناصر اربعہ ایک گرم و خشک عنصر ہے اس کا کرہ (مستقر) فلک قمر کی اندرونی سطح سے مماس اور ملا ہوا ہے ۔ ہوا کے کرے سے اوپر ہے ۔

نادر : جو مطابق قیاس ہو اگرچہ اس کا وجود کم ہو ۔

ناطق : معقولات کا ادراک کرنے والا ۔ صاحب عقل ذی شعور اور متکلم انسان

نبی : رسول اور نبی کا مصداق اور ان کے معنی ایک ہی سمجھے جاتے ہیں نبی وہ برگزیدہ انسان ہوتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے تبلیغ احکام کے لیے منتخب کیا ہو جس پر فرشتہ منجانب اللہ وحی لے کر آئے یا الہام اور رویائے صادقہ کے ذریعے خدائی احکام اس پر القاء ہوں ۔ رسول کو نبی پر تفوق و فضیلت حاصل ہے ۔

نبات و نباتات : جسم طبعی کا کمال اول ہے ایک مرکب جسم ہے اس کی ایک صورت نوعیہ ہے جو ترکیب کی حفاظت کرتی ہے یہ نبات نمو قبول کرتے اور غذا حاصل کرتے ہیں ۔ اس حد تک تو تمام حکماء متفق ہیں کہ نباتات حیوان نہیں ہیں تاہم ان کی ایک گونہ نوعیت حیات کے بارے میں باہم مختلف الخیال ہو گئے ہیں ۔

نبض : شریانوں کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت وضعیہ ۔

نبض بطی : وہ سست رو نبض جو اپنی حرکت طبعی کو زیادہ دیر میں پوری کرتی ہے ۔

نبض جید الوزن : وہ نبض جس کا وزن عمر کے لحاظ سے ٹھیک ہو اور وزن مناسب ہو اس کو نبض حسن الوزن بھی کہتے ہیں ۔

نبض حسن الوزن : دیکھو نبض جید الوزن
نبض خارج الوزن : جس میں نبض کا وزن کسی عمر کے وزن کے مطابق نہ رہے ۔
نبض خالی : جس نبض میں خون کم محسوس ہو ۔
نبض دودی : وہ نبض جو لمبے کیڑے کی چال کی طرح محسوس ہوتی ہے یہ نبض موجی نبض جیسی ہوتی ہے لیکن اس سے نسبتاً زیادہ باریک اور چھوٹی محسوس ہوتی ہے ۔
نبض ذنب الفار : ایک طرف سے موٹی دوسری جانب باریک نبض چوہے کے دم جیسی نبض
نبض ذوالفترۃ : ٹھہرنے والی نبض جس میں حرکت کے وقت سکون محسوس ہو ۔
نبض ردی الوزن : خراب وزن والی نبض جو عمر کے لحاظ سے طبعی نبض کے مطابق نہ ہو ۔
نبض سریع : تیز نبض جو اپنی مقررہ حرکت کو تھوڑے وقت میں پورا کر لیتی ہے ۔
نبض صغیر : چھوٹی نبض جو اقطار ثلثہ طول و عرض و عمق میں معتدل نبض کی نسبت چھوٹی ہو ۔
نبض قصیر : جو طول کے لحاظ سے طبعی نبض سے چھوٹی ہو ۔
نبض قوی : زوردار نبض جس کی حرکت ٹھوکر انگلیوں کو زور سے محسوس ہوتی ہو ۔ جو دبانے سے دب نہ سکے بلکہ انگلیوں کے پوروں کو دفع کرتی محسوس ہو ۔
نبض لین : نرم نبض جو انگلی دبانے سے نرم محسوس ہو اور بآسانی دب جاتی ہو ۔
نبض مباین الوزن : جس میں انگلی کا وزن مراحل دور کی عمر کے مطابق ہو یعنی بچوں کی نبض بوڑھوں کی عمر کے مطابق ہو جائے ۔
نبض متفاوت : زیادہ ٹھہرنے اور وقفہ کرنے والی نبض جو سکون طبعی کے وقفے کی نسبت زیادہ سکون کرتی ہو ۔
نبض متواتر : کم ٹھہرنے والی اور پے در پے چلنے والی نبض جس میں وقفہ سکون کم ہو ۔
نبض مجاوز الوزن : جس میں نبض کا وزن عمر کے لحاظ سے قریب کی نبض کے وزن کے مطابق ہو جائے یعنی بچے کی نبض جوان کی نبض کے مطابق ہو جائے ۔
نبض مختلف : وہ نبض ہے جس کی حالتیں بدلتی رہیں اور کسی ایک نہج پر نہ چلتی ہو ۔
نبض مختلف غیر منتظم : یہ نبض مختلف ہی ہے جس میں کوئی نظم اور باقاعدگی نہیں پائی جاتی ۔

نبض مختلف منتظم: وہ نبض ہے جو طبعی حالت کی نسبت مختلف تو ضرور ہوتی ہے لیکن اس کے اختلاف میں بھی ایک قسم کا نظم اور باقاعدگی پائی جاتی ہے۔

نبض مستوی: یکساں نبض ایسی نبض جو برابر ایک حالت پر چلتی رہے۔

نبض مشرف: بلند ابھرتی ہوئی نبض جو نبض اعتدال کی نسبت زیادہ ابھری ہوئی ہوتی ہے۔

نبض مطرقہ: وہ نبض جو ہتھوڑے کی طرح دو مرتبہ ٹھوکر لگاتی محسوس ہوتی ہو جس میں ایک ٹھوکر زوردار اور ایک ہلکی ہو۔

نبض ممتلی: بھری ہوئی نبض جس میں صحت کی نبض سے زیادہ رطوبت محسوس ہوتی ہے۔

نبض منتظم: جس کے اختلاف میں ایک خاص ترتیب ہو کر جس پر وہ دورہ کر رہی ہے۔

نبض منخفض: پست اور دبی ہوئی نبض جو بلندی اور پستی کے لحاظ سے طبعی کی نسبت زیادہ دبی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

نبض منشاری: آرے کی دندانوں کی طرح محسوس ہونے والی نبض۔

نبض موجی: دریائی لہروں کی طرح لہراتی ہوئی محسوس ہونے والی نبض۔ یہ نبض منشاری کی طرح ہی ہوتی ہے لیکن بجائے سخت کے نرم ہوتی ہے جس سے اس میں لہر کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

نبض نملی: چیونٹی کی سی حرکت والی نبض یہ دودی نبض سے مشابہ ہوتی ہے لیکن اس سے چھوٹی ہوتی ہے ضعیف ہوتی ہے اور متواتر چلتی رہتی ہے۔

نبض واقع فی الوسط: دو حرکتوں کے درمیان یعنی وقفۂ سکون میں بھی چلنے والی نبض۔

نتیجہ: مرکب تام پڑھو۔

نجباء (جمع نجیب): یہ چالیس افراد ہیں جو من جانب اللہ مخلوق کی امداد و اعانت کے لیے اطراف عالم میں متعین ہیں۔ جو پراسرار انداز میں خلق خدا کی امداد و رہنمائی کرتے رہتے ہیں اور مخصوص مفوضہ فرائض انجام دیتے رہتے ہیں۔

نجاست حقیقی: جو مشاہد ہو اور دیکھی جا سکے جیسے خون وغیرہ

نجاست حکمی: جو مشاہد نہ ہو دیکھی نہ جا سکے مثلاً نجاست موجب غسل قبل از غسل۔

نحو: ایسے قوانین کا علم ہے جن سے عربی عبارتوں کی ترکیب ان کی بناء و اعراب و تعلیل کی حیثیت

سے کلمہ وکلام کے حالات اور ایسے اصولوں کا علم حاصل ہو سکے جس سے کلام کی صحت واضح اور اس کے اغلاط ظاہر ہو سکیں اور کلام خلاء لفظی ومعنوی سے محفوظ رہ سکے۔

ند : (بالکسر) شریک از قبیل جنس

نذر : ایک جائزہ فعل کو لازم قرار دے لینا حق تعالیٰ کی تعظیم کے لئے۔

نسخ : دیکھو تناسخ

نسبت : دو چیزوں کے مابین ربط وتعلق پیدا کرنے والی۔ محکوم بہ۔ قضیہ۔ تصدیق حکم۔ نسبت۔ کلیہ، (دیکھو اضافت)

نسبت تامہ جزئی : جس پر سکوت صحیح ہو۔

نسبت تقییدی : وہ نسبت جو دو اجزاء میں ربط وتعلق پیدا کر کے ان کو جوڑ دے باہم ملا دے۔

نسبت متساوی : جس میں ہر ایک کا کل دوسرے کے ہر ایک کل پر صادق آئے۔

نسبت عام خاص مطلق : جس میں ایک کا کل دوسرے کے کل پر، دوسرے کا کل دوسرے کے جز پر صادق آئے

نسبت عام خاص من وجہ : جس میں ہر ایک کل کا بعض، دوسرے ہر ایک کل کے بعض پر صادق آئے۔

نسبت تضاد : جس میں کوئی ایک دوسرے پر صادق نہ آئے۔

نسبت حکمیہ : حکم تصدیق محکوم بہ۔ قضیہ

نسبت طبعی : اخلاط میں نسبت طبعی سے وہ نسبت مراد ہوتی ہے جو تندرست اور صحت مند بدن میں اخلاط کی باہم نسبت ہوتی ہے۔

نسیان : ایک مرض ہے جس میں انسان ہر بات بھول جاتا ہے اس کے معنی ہی بھول ہیں (دیکھو سہو)

نسیم : وہ لطیف ہوا جس سے روح تیار ہوتی ہے۔

نشو ونما : نمو بڑھنا۔ جسم کے اجزاء اصلیہ کا تمام اطراف میں طبعی مناسبت سے بڑھنا۔

نصف النہار : دوپہر دن۔ دن کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر دینے والا۔ مزید تفصیل دائرہ نصف النہار میں پڑھو۔

نص : جس کے معنی اور مفہوم واضح ظاہر اور قطعی ہوں اور جس میں تاویل اور ہیر پھیر کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

نصب : دیکھو اعراب (اعراب کی قسم ہے)

نضج : مواد کا پکنا۔ غلیظ مواد کا پتلا اور پتلے مواد کا گاڑھا ہونا۔

نطق : نطق ظاہر کے بغیر معقولات کلیہ کا ادراک۔

نظر : امور معلومہ کا اس طرح ترتیب دینا کہ اس سے مجہول (نامعلوم) امر کا علم ہو جائے (مزید تفصیل فکر میں دیکھیے)

نظر عقلی ضروری : دیکھو اسباب العلم

نظر عقلی استدلالی : دیکھو اسباب العلم

نظری : جس کا حصول نظر اور غور و فکر کی کاوش پر موقوف ہو اس معنی کو اس کا مقابل بدیہی ہے یا نظری ایسے احوال کے جاننے کا نام ہے جن کا وجود ہمارے قدرت و اختیار میں نہ ہو یا وہ کیفیت جو عمل کے ساتھ متعلق نہ ہو یا اس کا حصول مہارت (مشق) عمل پر موقوف نہ ہو ان تینوں معانی کے لحاظ سے نظری عملی کا مقابل ہوگا۔

نظیر : مانند مشابہ مثل جو اپنے مقابل کا جزی نہ ہو۔ بخلاف مثال کے کہ وہ مثل کا جزی ہوتا ہے۔

نعت : باصطلاح نحو تابع ہے جو اس معنی کی جانب رہنمائی کرتا ہے جو مطلق متبوع میں موجود ہیں۔
باصطلاح تصوف صفت وجودی ہے یا ذاتی تمیز کو لازم کر دینے والی ہے بعض کے نزدیک نعت صرف صفت راسخہ کا نام ہے۔

نفس ناطقہ (نفس انسانی، نفس قدسی، نفس رحمانی، روح انسانی) : یہ جوہر مجرد، بسیط، روح انسانی عالم و مدرک کلیات و جزئیات، تمام انسانی اعضاء پر حکم راں، قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کا حامل، تمام قوی کا مدبر اور ان پر متصرف، حواس ظاہری اس کے آلات و توابع ہیں، جسم سے متعلق ہونے کے باوجود جسم و جسمانیات سے بری، بدن کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہنے والا، نفس قدسی، نفس رحمانی اسی نفس ناطقہ کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں نفس قدسی ایک ایسے ملکہ یعنی قوت راسخہ کا حامل ہوتا ہے جس کی وجہ سے نوع کے لیے جو کچھ ضروری و لابدی ہو وہ اس کو مستحضر رہتا ہے، یہ حدس کا انتہائی اور آخری درجہ ہے۔

نفس انسانی : دیکھو نفس ناطقہ۔

نفس قدسی : دیکھو نفس ناطقہ۔

نفس رحمانی : دیکھو نفس ناطقہ

نفس کلیہ : الواح اربعہ کتاب مبین (دیکھو ام الکتاب)

نفس شاعرہ : ذی شعور نفس

نفس ملکیہ : دیکھو عدالت

نفس مطمئنہ : نورِ قلب سے منور، اطوارِ ذمیمہ سے دامن کشاں اور اخلاقِ حسنہ حمیدہ سے متخلق و مزین اور نیکوکاری کی طرف بلانے والا نفس (دیکھو عدالت)

نفس لوامہ : ظلمتِ جبلی و طبعی کی وجہ سے اگر احیاناً بدکاری یا گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر ملامت کرنے والا اور توبہ پر آمادہ کرنے والا نفس (دیکھو عدالت)

نفس امارہ : سرکش، گناہوں پر اور لذات و شہوات پر آمادہ و برانگیختہ کرنے والا قلب کو اسفل کی جانب مائل کرنے والا اور منبع سرور و سرچشمۂ اطوارِ ذمیمہ نفس (دیکھو عدالت)

نفس فلکیہ : فلک کی وہ قوت جو مادے سے مجرد ہو اور تحریکات غیر متناہیہ کے لیے محرک بعید ہو۔

نفس منطبعہ : فلک کی وہ قوت جسمانیہ مادیہ جو مدرکِ جزئیات ہے اور تحریکات غیر متناہیہ کے لیے محرک قریب ہے فلک کی یہ قوت مدرکہ انسانی قوتِ خیال کے مشابہ ہے۔

نفس حیوانی (روح حیوانی) : جسم طبعی کا کمال ہے، بخاری اور لطیف جوہر ہے جو قوتِ حیات اور حس و حرکت کا ضامن اور قصد و ارادے کا حامل ہے، حکما اس کو روحِ حیوانی سے تعبیر کرتے ہیں، یہ جوہر بدنِ حیوانی میں جاری و ساری رہتا ہے، بدن کے ظاہر و باطن سے اس کے جریان و سریان کا انقطاع موت ہے، نیند کے وقت ظاہر بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے لیکن باطن بدن میں عمل دخل جاری رہتا ہے موت اور نیند درحقیقت ایک ہی جنس کے دو رخ ہیں۔ موت بدن سے نفس و روح کا انقطاعِ کلی ہے اور نیند انقطاعِ ناقص، اگر نفس کا جریان و عمل بدن کے تمام ظاہری و باطنی اجزاء میں جاری ہے تو اس کا نام بیداری ہے۔ اگر ظاہر سے منقطع اور باطن میں طاری ہے تو نیند ہے اگر ظاہر و باطن دونوں سے بیک وقت منقطع ہے تو یہ موت ہے، ترجمانِ حقیقت و نباضِ فطرت اقبال کی دقیقہ سنج نگاہ نے خواب و مرگ کے ہم جنس ہونے کی جانب کیسا لطیف اشارہ کیا ہے ؎

خواب را مرگِ سبک داں مرگ را خوابِ گراں

نفس نباتی: جسم طبعی کا کمال اول ہے یعنی اس کی وجہ سے نوع ذات کے اعتبار سے مکمل ہو جاتی ہے اس کی ایک صورت نوعیہ ہے جو عدیم الشعور ہے ترکیب نبات کی محافظ ہے اسی کی وجہ سے اطراف میں نمو کا ظہور ہوتا ہے نشو و نما ہوتی رہتی ہے اور مختلف افعال مختلف آلات کے ذریعے صادر ہوتے رہتے ہیں یہ آلات مختلف قوت غازیہ، نامیہ، مولدہ، جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ اور دافعہ ہیں نباتات غذا حاصل کرتے ہیں لیکن حرکت ارادی کے ناقابل اور غیر ذی شعور ہیں۔

نفس الامر: وہ علم ذاتی اور واقعی جو کل اشیاء کی صورتوں کے کلیات و جزئیات صغیر و کبیر مفصل، خارجی و ذہنی سب پر حاوی ہو کسی شئے کے نفس الامر میں موجود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شئے فی نفسہ از خود یعنی اپنے آپ موجود ہے اس کا وجود کسی فرض کرنے والے کے فرض پر اور اعتبار معتبر پر موقوف و معلق نہیں ہے طلوع شمس کے بعد وجود نہار ایک ایسی اٹل اور بذات خود قطعی حقیقت ہے کہ کوئی فرض کرنے والا موجود ہو یا نہ ہو اور وہ فرض کرے یا نہ کرے وہ شئے تو موجود و روشن ہو کر ہی رہے گا یا موضوع کا اس طرح ہونا کہ اس پر یہ کہنا صحیح ہو کہ وہ ایسا ہی ہے۔

نفی: مقابل اثبات دیکھو اثبات

نفاق: زبان سے ایمان کا اظہار اور قلب میں کفر کو چھپائے رکھنا یا دل میں کچھ زبان پر کچھ اور۔

نفث الدم: خون تھوکنا اس مرض میں منہ سے خون جاری ہو جاتا ہے۔

نقلہ: حرکت اینی حرکت فی الدین (مقولہ این میں حرکت) (دیکھو حرکت فی الدین)

نقطہ: خط کا ناقابل انقسام جزء یا کسری قطعی وہمی فرضی کسی قسم کی تقسیم کو قبول نہ کرنے والا

نقض: (بفتح النون) مخالف دلیل کو توڑ دینا اور مجروح کر دینا

نقرس: پاؤں کے چھوٹے بڑے جوڑوں کا اور پاؤں کے انگوٹھوں کا درد۔

نقل (بالضم) تبدیل ذائقہ کے لیے جو چیز استعمال کی جاتی اس کو نقل کہا جاتا ہے بالعموم شراب کے بعد کباب کو نقل کہا جاتا ہے۔

نقباء (جمع نقیب): یہ تین سو نفوس ہیں جو من جانب اللہ نظم و نسق عالم کے سلسلے میں خاص خاص خدمات پر مامور ہیں۔

نکرہ: جو غیر معین شئے کے لیے وضع کیا جائے۔

نکتہ : لطیف مسئلہ جو دقّت نظر اور گہرے غور و فکر کے بعد پیدا ہو یا باریک اور دقیق بات جو دماغ میں کھپ جائے۔

نوع (نوع حقیقی) : وہ کلی جو اسی کثیر تعداد پر صادق آئے جو حقیقت اور اغراض کے اعتبار سے متحد ہوں۔

نوع عالی : جس کے اوپر کوئی نوع نہ ہو نیچے نوع ہو۔

نوع متوسط : جس کے اوپر اور نیچے نوع ہو۔

نوع سافل (نوع الانواع) : جس کے نیچے نوع نہ ہو اوپر نوع ہو۔ اس نوع سافل کو نوع الانواع بھی کہتے ہیں۔

نور : ایک کیفیت ہے جس کا قوت باصرہ سب سے پہلے ادراک کرتی ہے پھر اس کے ذریعے تمام نظر آنے والی چیزوں کا ادراک کرتی ہے۔

نور النور : حق جل مجدہ کی ذات نورٌ علی نور۔

نور محمدی : جملہ کائنات و موجودات کو محیط ہونے کی جہت و حیثیت سے اجمالاً رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو نور محمدی اور ام الکتاب کہا جاتا ہے اور مظہر اشیاء ہونے کے اعتبار سے درجہ تفصیل میں کتاب مبین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نور لبصر : دیکھو قوت باصرہ۔

نوم : نیند اور خواب راحت وہ کہلاتی ہے جو گہری ہو متصل و مسلسل ہو اور حد سے کم نہ ہو سونا اس وقت چاہیئے جب کھانا نیچے کی جانب اترنا شروع ہو جائے خاص کر رات کو کھانے کے فوراً بعد نہ سونا چاہیئے بلکہ کچھ دیر چہل قدمی ضروری ہے۔

نہی عن المنکر : جو امور و افعال شریعت میں نا ملائم و نا واجب قرار دیے گئے ہیں ان سے روکنا شروع فساد سے روکنا یا خواہشات نفسانیہ کی جانب میلان و اقدام سے باز رکھنا یا شریعت و پاک دامنی کے خلاف جو امور و دواعی و محرکات ہوں ان سے نفرت دلانا اور ان تمام باتوں سے روکنا جو دین و شریعت کے خلاف ہوں۔

نہاوند : اقلیم رابع میں ایک موضع ہے جو دیار بکر کے علاقے میں موصل کے قرب و جوار میں ہے اور بلدہ

رے اور طبرستان کے مابین ہے کہا جاتا ہے کہ اس کو حضرت نوح علیہ السلام نے آباد کیا تھا یہیں دنیا کا سب سے بلند پہاڑ واقع ہے جو اس دور میں اعظم الجبال کہلاتا تھا اس کی تفصیل عظم الجبال میں پڑھو۔

نیرین : شمس و قمر (آفتاب و مہتاب)

نیر اعظم : شمس (آفتاب سورج)

نیر اصغر : قمر (مہتاب چاند)

و

واحد : ایک یکہ و تنہا۔ ایک جہت سے غیر منقسم عدد کثیر۔

واحد حقیقی : وہ ہے جس کی وحدت کی حیثیت بلا کسی دوسری شے کے ہو اور وہ اصلاً منقسم نہ ہو سکے

واحد جزی : جس میں بالفعل اور بالقوہ کثرت نہ ہو۔

واحد بالذات : ذات کے اعتبار سے ایک ہونا۔

واحد بالشخص : شخص کے لحاظ سے ایک ہونا۔

واحد بالارتباط : جو کسی خاص ارتباط کی وجہ سے واحد ہو یعنی کسی شے کا اس طرح ہونا کہ اگر چہ اس میں بالفعل ہی کثرت کیوں نہ ہو لیکن کسی ارتباط یا تعلق کی وجہ سے ان کو واحد کہہ دیتے ہوں۔

واحد مجازی : چند اشیاء کا ایک شے کے تحت مندرج ہونا۔

واحد بالنوع : چند اشیاء یا افراد نوع ہونے میں متحد ہوں۔

واحد بالشخص : جو تعین شخصی کے اعتبار سے واحد ہو۔

واحد بالذات : ذاتی طور پر واحد ہونا یعنی کثرت سے خالی ہونا۔

واحد بالموضوع : چند افراد موضوع میں متحد ہوں۔

واحد بالجنس : چند اشیاء یا افراد جنس ہونے میں متحد ہوں۔

واحد بالنسبت : کسی نسبت کی وجہ سے چند چیزوں کو چند چیزوں کی طرف منسوب کر دینا۔

واحد بالعرض : چند اشیاء کسی صفت میں متحد ہوں۔

واجب: جس کا وجود ضروری ہو خاص عدم ممتنع ہو جس کے وجود وظہور کا زوال ناممکن ہو۔

واجب الوجود: جس پر تمام اقسام عدم ممتنع ہوں اس کا وجود خود اس کی ذات سے ہو اور اصلا کسی شئے کا محتاج نہ ہو۔

واجب لذاتہ واجب لغیرہ: اگر وجود خود اس کی ذات سے ہو تو واجب لذاتہ کہلائے گا ورنہ واجب لغیرہ ہوگا۔

واحدیت: مقام الجمع، مرتبہ الہیت، مرتبہ وحدانیت، اس مرتبہ واحدانیت میں وجود کا لحاظ تمام اشیاء لازمہ کلیات وجزئیات کے ساتھ کیا جاتا ہے جو اسماء وصفات ہوتے ہیں۔

یا شئے کا اس طرح ہونا کہ اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہ ہو۔

واسطہ فی الثبوت: جس میں ذوالواسطہ حقیقتاً موصوف ہو۔

واسطہ فی الثبوت بالمعنی الاول: جس میں ذوالواسطہ کی طرح واسطہ بھی موصوف ہو۔

واسطہ فی الثبوت (بالمعنی الثانی): جس میں صرف ذوالواسطہ ہی موصوف ہو اور رابطہ سفیر محض ہو۔

واسطہ فی العروض: جس میں واسطہ حقیقتاً موصوف ہو اور ذوالواسطہ کی طرف واسطہ کی یہ صفت مجاورت کی وجہ سے منسوب ہو۔

واسطہ فی الاثبات: وہ حد اوسط جس کے ذریعے اکبر کا اصغر کے لیے اثبات کیا جائے۔

واقع: موضوع کا اس طرح ہونا کہ اس پر یہ اطلاق صحیح ہو کہ وہ ایسا ہی ہے واقع نفس الامر کا ہم معنی ہے۔

وباء: ہوا کا فاسد ہو کر (فضا وماحول) کا زہریلا ہو جانا اور بجائے فرحت وتفریح کے ہوا کا مرض اور ہلاکت کا سبب بن جانا۔ بہت سے اشخاص کا بیک وقت مبتلاء مرض ہو جانا جیسے طاعون، ہیضہ، ملیریا وغیرہ

وتر (بالفتح): اوتار کی جمع ہے اس کے معنی نس کے ہیں یہ پٹھے کی طرح کا ایک سفید عضو ہے جو عضلات کو ہڈیوں کے ساتھ باندھتا ہے۔

وتر (بالکسر): نماز عشاء فرض کے بعد تین واجب رکعات وتر بالفتح۔ اصطلاح ہندسہ میں مثلث

کا کوئی ایک ضلع یا وہ خط جو دائرے کے مرکز سے گذر کر اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دے

وجود (معنی مصدری) : موجود ہونا ۔

وجود ذاتی : وجود بلا کسی اعانت و مداخلت کے ہو اور از خود آپ سے آپ ہو ۔

وجود خارجی : وجود کا رخ اور نفس الامر میں ہونا ۔

وجود ذہنی : وجود کا ذہن میں ہونا ۔

وجود حسّی : خواب میں اشیاء کا دیکھنا ۔ شعلۂ جوّالہ کا دائرہ نظر آنا ۔

وجود خیالی : کسی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرنے کے بعد اس کی صورت کا آنکھوں میں پھرنا ۔

وجود عام : جو کثیر افراد پر شامل ہو ۔

وجود فعلی : کسی چیز کا قبضہ تصرف اور ہاتھ میں ہونا ۔

وجود واقعی : دیکھو وجودِ فعلی ۔

وجود خاص : وجود عام کا فرد ہے جو اپنی خصوصیات خاصّہ کی بناء پر وجود عام کے دوسرے افراد سے ممتاز ہو ۔

وجود شبہی : کسی شئے کی شبہہ کا وجود

وجود بالاصالت : مستقل قایم بالذات وجود

وجود رابطی : دو چیزوں کے مابین ربط و تعلق پیدا کرنے والی شئے ۔ نسبت

وجود امتیازی : موجودات پستی کا وجود کمتر درجے کا وجود

وجود بالاتباع : وجود غیر مستقل قایم بالغیر تابع وجود مستقل

وجودی : دو معنی ہیں ایک موجود ہونا دوسرا یہ کہ سلب و عدم اس کے مفہوم کا جزو نہ ہوں خواہ وہ خارج میں موجود ہو یا نہ ہو ۔

وجوب : خود ذات کا اقتضاء اور خارج میں اس کا تحقق وجود یا شئے کا لازم ہونا ۔ اور اس کے نقیض کا جائز نہ ہونا ۔

وجوب شرعی (واجب) : جس کا عملاً تارک مستحق مذمت و عذاب ہو جو دلیل ظنی سے ثابت ہو جس کے انکار سے کفر لازم نہ آئے کبھی کبھی فرض پر بھی واجب کا اطلاق کر دیا جاتا ہے ۔

وجدان • وجدانیات : دفعتاً مجہول کا معلوم ہوجانا روشنی میں آجانا کسی حس باطنی کے ذریعے ادراک
جس کا ذریعۂ ادراک حواس باطنی ہوں (دیکھو احساس)
وجودیہ لاضروریہ : مرکبات میں سے اور جینہ مطلقہ عامہ ہے جس کو اس کی ذات کے لحاظ سے لاضرورت
کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔
وجودیہ لادائمہ : مرکبات سے ہے اور لادوام بحسب الذات کی قید کے ساتھ جینہ مطلقہ عامہ ہے۔
وجد : ایک حالت وکیفیت ہے جو قلب پر کسی تاثر کی بناء پر از خود بلا تکلف و تصنع کے پیدا
ہوجاتی ہے۔
وجع الورک : کولہے کا درد
وحدت : یکتائی یکی ضد کثرت اس مرتبے میں وجود کو کسی شئے اور لاشئے کی شرط کے بغیر لحاظ کیا جاتا ہے
اور وہ ہویت کہلاتا ہے جو تمام موجودات میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ اسی کا نام وحدت ہے۔
وحدت الوجود : حقیقت واحدہ کی مختلف شانیں اور مظاہر
وحدت الشہود : ممکنات کی مختلف حقیقتوں میں حقیقت واحدہ کا جلوہ گر ہونا۔
وحدت اتصالی واحد بالاتصال : جس میں بالفعل کثرت نہ ہو اجزاء مقداری بالفعل موجود یا محسوس
نہ ہوں۔
وحی : منجانب اللہ جو احکام فرشتہ خاص کر جبریل کے ذریعے رسول پر بھیجے جائیں یا قلب پر القاء
کیے جائیں یا خوابوں کے ذریعے پہنچائے جائیں۔
وحی متلو : قرآن کریم۔ وحی بہ ذریعۂ جبریل اس کو وحی جلی بھی کہا جاتا ہے۔
وحی جلی : دیکھو وحی متلو
وحی غیر متلو : قلب اطہر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم بیداری یا خواب میں منجانب اللہ القاء
وحی خفی : دیکھو وحی غیر متلو۔
ورم حجاب : سینے اور پیٹ کے درمیان عضلاتی جھلی کی سوجن
وزن نبض : نبض کی حرکت یا سکون کے زمانے کے ساتھ یا زمانۂ سکون کو زمانہ حرکت کے ساتھ
اندازہ کرنا۔

وزن فعل: نو اسباب منع صرف میں کا ایک سبب

وصف: باصطلاح تصوف صفت وجودی و عدمی دونوں کو شامل ہے یا تمیز عوض کو ضروری قرار دینے
والی ہے یا صفت غیر راسخہ ہے نحو کی اصطلاح میں منجملہ اسباب منع صرف ایک سبب

وصف عنوانی: نفس الامر میں اپنی ذات پر موضوع کے صادق آنے کا امکان منطق کی اصطلاح میں
وصف عنوانی .... وہ شئے ہوا کرتی ہے جس کو موضوع سے تعبیر کرتے ہیں۔ جن افراد پر موضوع
صادق آتا ہے۔ وہ ذات موضوع کہلاتے ہیں۔ اور موضوع کا جو مفہوم ہوتا ہے وہ وصف موضوع
اور عنوان موضوع کہلاتا ہے جس کو دوسرے لفظوں میں وصف عنوانی کہا جاتا ہے اگر یہ
وصف عنوانی عنوان نوع ہو تو عین ذات ہوتا ہے اگر عنوان جنس و فصل ہو تو جزو ذات ہوتا ہے اگر نہ میلوض
عام کا عنوان ہو تو خارج عن الذات ہوتا ہے

وضع (مقولہ): وہ ہیئت جو شئے کو اس کے لبعض اجزاء کو لبعض کی طرف نسبت کرنے اور خارج
کی طرف نسبت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔
یا جو اشارہ حسیہ کو قبول کرے۔ بالذات متحیز یعنی صاحب حیز ہو یا وہ ہیئت جو جسم
کے لبعض اجزاء کو جسم کے بعض دوسرے اجزاء کی بہ نسبت حاصل ہوتی ہے۔

وطن: وہ خصوصی اور محدود دائرہ جہاں انسان پیدا ہوا جہاں سے اس کا خمیر بنا جہاں اس نے نشو و
نما پائی جہاں کی خصوصیات کو اس نے جذب کیا اور جہاں کے ماحول اور جہاں کی فضاؤں کے اس
نے اثرات قبول کیے اور جہاں کے باشندوں کے ساتھ اس کا نسبی نسلی خونی گوشت پوست اور
قرابت کا تعلق رہا اور اس تعلق پر صدیوں استحکام و تسلسل کی مہریں لگتی رہیں۔

وطن اصلی، وطن اقامت، وطن سکنی: وطن اصلی وہ ہے جہاں انسان پیدا ہو ہوا اور اپنے اہل و
عیال کے ساتھ رہتا بستا ہو۔ وطن اقامت وہ ہے جہاں پندرہ دن یا پندرہ دن سے زیادہ مقیم
رہے۔ وطن سکنی وہ ہے جہاں پندرہ دن سے کم قیام رہے۔

وطن اقامت: دیکھو وطن اصلی

وطن سکنی: دیکھو وطن اصلی

وقتیہ مطلقہ: قضایائے موجبات کی قسم بسیط میں سے ہے اس میں موضوع کے لیے محمول کے ثبوت یا

ضرورت کہ لفظ کا حکم کیا جاتا ہے ۔ اوقات ذات میں سے کسی غیر معین وقت میں۔

وقتیہ : یہ موجہات کی قسم مرکبہ میں سے ہے اور بعینہ وقتیہ مطلقہ ہے جس کو اس کی ذات کے اعتبار سے لادوام کی قید کے ساتھ مقید کر دیا جاتا ہے۔

ومن لہٗ ذالک : یہ کس کی بساط ہے کس کی طاقت ہے کس کو میسر ہے۔

وہم : خبر کا جانب مرجوح۔

وہمیات : قضایاء کاذبہ جو قیاس ان قضایا سے مرکب ہوتا ہے وہ سفسطہ کہلاتا ہے۔

وہم (قوت واہمہ) : وہ قوت جو محسوسات سے معانی جزئیہ کا ادراک کرتی ہے۔

ہ

ہاہوت ہو : مرتبہ اطلاق محض

ہبہ : کسی چیز کا بلا عوض دینا (دیکھو تملیک)

ہباء : وہ گول مول چیز ہے جس میں خلاق و فتاح عالم نے سر بمہر اجساد و اجسام کو کھول دیا ہے جس کو وجود حقیقی کے ساتھ عینیت میسر نہیں بلکہ اس کی موجودگی کا تعلق صرف انہیں صورتوں کے ساتھ ہے جس میں وہ کھولے اور متشکل کیئے گئے ہیں۔ ہباء کو اس لحاظ سے عنقاء بھی کہا جاتا ہے کہ عنقاء کی طرح وہ بھی عجیب و غریب تفصیلات کا حامل اور محیر العقول عجائب و غرائب کا مجموعہ ہے اور طویل توضیحات و تشریحات کے باوجود عنقاء کی طرح عنقاء کا عنقا ہی رہتا ہے۔ کبھی کبھی ہبا کو ہیولیٰ کہہ کر بھی پیچھا چھڑا لیا جاتا ہے۔ حکماء فلاسفہ قدیم کے علی الرغم ترتیب وجود کے لحاظ سے پہلی بدع و تخلیق عقل اول کی ہوئی اور نفس کلیہ اور طبعیت کلیہ کے بعد کہیں جاکر چوتھے مرحلے میں ہباء کا ظہور ہوا جس میں سے اجسام و اجساد برآمد ہوئے اور ان کی اشکال و صور کھولی گئیں۔ اس وجہ سے جسم کلی کا مرتبہ اور درجہ اس کے بعد ہے یہ مرتبہ ہبائیہ عام طور پر سمجھ میں آتا نہیں ہے اس کو اس طرح بدقت ذہن نشین کیا جا سکتا ہے کہ مثلاً سواد و بیاض (سیاہی و سفیدی) سمجھ میں آ نہیں سکتی جب کہ اس کو کسی سیاہ و سفید محل مثلاً کپڑے میں محال بنا کر دکھلایا یا سمجھایا نہ جائے جہاں تک سیاہی اور سفیدی کا تعلق ہے وہ تو لیس پردہ ہی رہتی ہیں لیکن حس بصر و نظر نظریں

بچا کر پھر بھی انہیں اسود و ابیض کے روپ میں دیکھ لیتی ہے۔

ہزاروں بندشیں میرے لیے تھیں ان کی محفل میں
مگر پھر بھی نظر لطف بچا کر ان سے مل آئی

ہدایت: صرف راہ نمائی یا مطلوب تک پہنچا دینا "واما ثمود فهدیناهم فاستحبوا العمیٰ علی الهدیٰ
(ہم نے قوم ثمود کو راہ دکھلائی تھی لیکن وہ ہماری دکھلائی ہوئی راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ پر
چل پڑے اور گمراہ ہو گئے) انک لاتهدی من احببت "حق تعالیٰ اپنے رسول سے فرماتے
ہیں کہ آپ جس کو چاہتے ہیں اس کو (منزل مقصود مطلوب تک نہیں پہنچا سکتے۔ پہلی ہدایت میں آیت
کے معنی صرف راہ نمائی ہے دوسری آیت مطلوب تک پہنچا دینے کا مفہوم ادا کر رہی ہے

ہویت: مرتبہ وحدت، حقیقت مطلقہ جو حقائق پر مشتمل ہو یا حقیقت جزیہ جس کا نام ہویت ہے۔
گویا وہ ماہیت ہی ہے جس کو تشخص کے ساتھ اعتبار کر لینے کی وجہ سے ہویت وجود خارجی کے
معنی میں بھی استعمال کر لی جاتی ہے جس سے تشخص مراد ہوتا ہے۔ یہ لفظ ہو بہو سے ماخوذ ہے۔ جو
غیریت کا مقابل ہے۔

ہوا: عناصر اربعہ میں کا عنصر ہے جو گرم و تر ہے پانی کے کرہ سے اوپر اور نار کے کرہ سے نیچے ہے

ہیولیٰ (مادہ): ایسا جوہر جو ہر حلیہ اور ہر شکل و صورت کے قابل اور اس کا محل ہو اور جو بذاتہ
نہ متصل ہو نہ منفصل نہ واحد ہو نہ کثیر لیکن اتصال و انفصال اور وحدت و کثرت سب کا صالح
و قابل اور سب کے لیے مستعد ہو اور اپنے وجود میں صورت جسمیہ کا محتاج ہو اور قابل صورت
منہ ہو (اس بحث پر اقبال ریویو میں مقالہ پڑھیے)

ہیولیٰ اولیٰ (مادہ اولیٰ): ایک جوہر ہے جو خود جسم نہ ہونے پر بھی جسم کی صورت قبول کرنے کا
صالح اور قابل ہے۔ صورت جسمیہ اور صورت نوعیہ کا محل ہے۔

ہیولیٰ ثانی (مادہ ثانی): مادہ ثانی وہ جسم جو کسی دوسرے جسم کا جز ہو یا جس سے دوسرا جسم مرکب ہو

ہئیت: یہ درحقیقت عرض ہے ہئیت و عرض میں فرق یہ ہے کہ ہیئت میں حصول کا اعتبار کیا جاتا ہے
اور عرض میں عروض کا لحاظ ہوتا ہے یعنی عرض کو عرض دوسری شئی میں عروض کے اعتبار سے
کہا جاتا ہے اور ہئیت کو بذات خود حصول کے لحاظ سے ہیئت کہا جاتا ہے۔ نیز ہئیت کیف سے

بھی ہے جس میں اجرام بسیط علویہ اور اجسام سفلیہ (عنصریہ) سے کمیت وکیفیت اور وضع وحرکت لازمہ ابدیہ یا مقدمۃ الافلاک کی حیثیت سے بحث کی جاتی ہے۔

ہیمیاء: دیکھو طلسم

ی

یاجوج ماجوج: شرح مقاصد میں بیان کیا گیا ہے کہ یاجوج وماجوج یافث ابن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی تعداد والی مخلوق ہے جو آدم علیہ السلام ہی کی اولاد ہے اور دوسرے جس قدر بنی آدم ہیں ان سے دو چند ہے ان کی عمریں بڑی طویل اور قد بھی بڑے لمبے یا بہت ہی چھوٹے ہوتے ہیں، جہاں تک عمروں کی طوالت کا تعلق ہے ان میں کا کوئی شخص اس وقت تک مرنے کا نام ہی نہیں لیتا جب تک کہ اپنی اولاد میں سے سو نفر از قسم ذکور نہ دیکھ لے ان میں بیس گز ستر گز اور ایک سو بیس گز تک کے قد آور بھی ہوتے ہیں اور اگر پستہ قدی پر اتر آتے ہیں تو پھر گھٹتے گھٹتے ایک بالشت پر آکر دم لیتے اور بالشتیے کہلاتے ہیں ان کے متعلق عجیب وغریب روایات کتابوں میں درج ہیں، جن لوگوں کو خداداد فرصت میسر ہو وہ ان کے حالات پڑھ کر وقت گذاری کر لیں۔

یبوست: خشکی ایسی کیفیت جو تشکل، تفرق اور اتصال کو بدقت قبول کرے۔

یرقان: اس مرض میں صفراء یا سوداء کی زیادتی سے تمام بدن خاص کر آنکھوں کا رنگ زرد یا سیاہ ہو جاتا ہے۔

یقین: لغت میں ایسے علم کو یقین کہا جاتا ہے۔ جو شک وشبہ سے خالی ہو۔ اصطلاح میں یقین ایسی طمانیت قلب ایسے اعتقاد اور ایسے جزم وتیقن سے تعبیر کیا جاتا ہے جو شکوک وشبہات سے بری ہو۔ واقع کے مطابق ہو۔ اور ازالہ مذیل اور تشکیک مشکک سے زائل اور مشکوک نہ ہو سکے۔ یعنی اعتقاد اس درجہ پختہ ہو کہ اس کے زائل کرنے کی یا اس میں شک ڈالنے کی ساری کوششیں بیکار ہو جائیں۔

اس یقین کے بالمقابل جہل مرکب ہوتا ہے اس میں بھی یقین ہی کی طرح اعتقاد اطمینان

اور ایسا جزم و یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ شبہات سے مشتبہ اور زائل کرنے سے زائل نہیں ہوتا لیکن یہ اعتقاد و اطمینان اور جزم و یقین ایسے امر یا خبر سے متعلق ہوتا ہے۔ جو واقع کے مطابق نہیں ہوتی بلکہ خلاف واقع ہوتی ہے گویا امر واقعی کے اعتقاد کا نام یقین اور امر غیر واقعی کے اعتقاد کا نام جہل مرکب ہے۔

ایمان اور یقین میں حجاب اور کشف حجاب کا فرق ہے۔ ایمان اور یقین کے درمیان پردہ پڑا رہتا ہے۔ اس کے باوجود یقین پیدا ہو جاتا ہے یقین میں پردے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا........

یقین اور تصدیق ایک ہی ہیں۔ تصدیق میں روح رواں حکم ہوا کرتا ہے یعنی وہ اکثر جو شئے کے وجود میں آجانے پر مرتب ہوتا ہے۔ اس حکم کے متعدد مراتب و درجات ہیں اگر حکم جازم ہو۔ صادق، مطابق اور راسخ ہو۔ تو یقین ہے۔ غیر راسخ ہو تو تقلید ہے جازم اور کاذب اور خلاف واقع ہو تو جہل مرکب ہے۔

یقین کے درجات مابعد و اسفل شک ظن اور وہم ہیں۔ اگر کسی خبر کے دونوں جانب مساوی ہوں تو شک ہے جانب راجح ظن ہے اور مرجوح وہم ہے۔

ارباب سلوک کے نزدیک" ایمان کی قوت سے نور حقیقت کے شاہدے کا نام یقین ہے۔ جب کہ بشریت کے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور عقل و نقل کی راہنمائی اور حجت و برہان کے سہارے کے بغیر صرف وجدان اور ذوق کی شہادت سے اصل حقیقت کا انکشاف اور اس کے دربار تک رسائی ہو جاتی ہے۔

شرح

۱۔ اعتدال و عدالت

اعتدال اور درمیانی راہ وہ صراطِ مستقیم اور سیدھا راستہ ہے، جس کو ہر کس و ناکس مجھتا ہے اور اس پر چلنے کے لیے طبعاً خواہش مند و متمنی رہتا ہے۔

"اھدنا الصراط المستقیم" مسلمانوں کا شبانہ روز ورد ہے اور صراطِ مستقیم ان کا پسندیدہ طریق، جو یہ بتاتے اعتدال، نشانِ عافیت و منزلِ مقصود تک پہنچا دینے کا ضامن ہوا کرتا ہے۔ ہر جاندار خاص کر اشرف المخلوقات کا ہر فرد شعوری اور لاشعوری طور پر اپنی زندگی کی ہر ضرورت اور لوازمِ حیات کے سلسلے میں ہر لمحہ محسوس کرتا ہے کہ افراط و تفریط کے بالمقابل اعتدال ہی راحت و سلامتی کا ذریعہ ہے۔ کھانا پینا اور ہوا زندگی کی ایسی ضروریات ہیں جن سے مفر کی کوئی راہ نہیں، تاہم اگر ان میں بھی ذرا سی کمی بیشی ہو جاتے تو صرف صحت ہی متاثر نہیں ہو جاتی بلکہ زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔

مذہب اسلام نے تو عقائد و اعمال اور "مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" یعنی پیدائشِ انسانی کے مقصدِ اصلی عبادات تک میں افراط و تفریط کو اور معینہ فرائض تک میں حد سے تجاوز اور کمی کو گوارا نہیں کیا، بلکہ ان میں بھی مسلکِ اعتدال اختیار کرنے اور وسطانی راہ پر چلنے کی ہدایت کی اور اعتدال اور درمیانی روش ہی کو "خیر الامور" بتلایا ہے۔ رہبانیت اور عبادت کے ایسے تمام طور طریقے اختیار کرنے کی صاف لفظوں میں ممانعت کر دی جو جسم اور اس کے اعضا کی نشو و نما کے لیے رکاوٹ بن سکیں "لا رھبانیۃ فی الاسلام" داعیِ شریعت ہما کا تو ارشاد ہے۔ ظاہری، محسوس اور خارجی امور میں اعتدال بآسانی محسوس ہوتا رہتا ہے۔ لیکن داخلی امور مثلاً نظریاتی و ذہنی مسائل و اخلاقیات، جن کے گرد اگرچہ انسانی زندگی گھومتی رہتی ہے تاہم ان میں اعتدال و توسط اور خیر الامور کا پتا مشکل سے چلتا ہے۔

آئیے یہاں کچھ دیر ٹھہر کر ہم آپ عالم اخلاق کا قدرے تفصیلی جائزہ لیں اور اس کا تجزیہ کر کے دیکھیں تاکہ "یک کرشمہ دو کار" کے بنیادی مسائل پیشِ نظر ہو جانے کے علاوہ اعتدال کا مفہوم بھی واضح اور منقح ہو جائے۔

انسان کی سرشت کا مطالعہ کرنے کے بعد پتا چلا کہ اس میں قدرت کی طرف سے تین مرکزی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں۔

(۱) قوتِ عقلیہ (۲) قوتِ غضبیہ (۳) قوتِ شہوانیہ

قوتِ عقلیہ

حقائق کائنات کے سمجھنے اور اُن کے معلوم کرنے کا سرچشمہ قوتِ عقلیہ ہے۔ یہ ہر چیز کا انجام معلوم کرنے اور ہر امر کے مفاسد و مصالح میں امتیاز اور اچھے بُرے میں تمیز کے لیے انسان کے جذبۂ شوق کو برانگیختہ کرتی ہے اور ہر معاملے اور ہر مسئلے پر اس کو گہری نظر ڈالنے پر ابھارتی ہے۔ مختلف علوم و فنون کی تحصیل اور اُن میں جدت طرازیوں پر مائل کرتی ہے۔

اس قوت کو نفسِ ملکیہ، نفسِ مطمئنہ اور نفسِ نطقیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

صوفیائے کرام کی اکثریت کا خیال ہے کہ نفسِ مطمئنہ ہی قلب سے کسب نور کر کے انسان کو خصائل ذمیمہ (اطوارِ بد) سے پاک و صاف اور اخلاقِ فاضلہ حمیدہ سے متصف کیا کرتا ہے۔

قوتِ غضبیہ:

یہ قوت افرادِ انسانی کو مہماتِ عظیمہ اور بڑے بڑے معرکے سر کرنے کے لیے اقدام پر مجبور کرتی ہے اس میں غلبہ اور تسلط کا شوق پیدا کرتی ہے۔ اعلا سے اعلا منصب اور بلند و بالا اعزاز و عہدے حاصل کرنے پر تیار کرتی ہے جو امور خلافِ طبع ہوں، ان کے مقابلے کے لیے طبیعت میں جوش و خروش اور انتقام کے جذبات میں ہیجان پیدا کرتی ہے۔ یہ قوت قوتِ سبعیہ (درندگی) اور نفسِ لوامہ بھی کہلاتی ہے۔ یہ نفس بھی روشنی اور نور قلب ہی سے حاصل کیا کرتا ہے، تاہم اس پر کبھی کبھی غفلت طاری ہو جاتی ہے اور غفلت کے ان لمحات میں اس سے کچھ ناپسندیدہ افعال اور نامناسب حرکات سرزد ہو جاتی ہیں مگر وہ فوراً ہی خوابِ غفلت سے بیدار اور چونکتا ہو کر اپنے نفس کو ملامت کرنے لگتا ہے، درپے تلافی ہو جاتا ہے اور بالآخر

"تائب ہو کر گناہ سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے کہ جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔" اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ " تائب ہو جانے کے بعد بشرطیکہ اس توبہ میں آئندہ کے لیے گناہوں سے بچے رہنے کا عزم پوشیدہ ہو۔ اس تائب انسان کو اس انسان کی طرح جو نفسِ مطمئنہ کا مطیع و منقاد اور اُس کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ مِن جانب اللہ ایک بصیرت و حکمت عطا کی جاتی ہے، جس کی روشنی میں وہ کائنات و موجودات کے حقائق کو واقع اور نفس الامر کے مطابق جوں کا توں دیکھنے، جاننے اور سمجھنے لگتا ہے۔ اس کو ایک اور بیش بہا صفت "عفت" بھی میسر آجاتی ہے جو اس کی زندگی کو صاف ستھرا بناتی رہتی ہے۔ مزید برآں اس میں جوہر شجاعت بھی چمکنے اور جگمگانے لگتا ہے۔ غرض نفس مطمئنہ کی بدولت یا نفسِ لوّامہ کی بیداری کے نتیجے میں جو تین اصول فضیلتیں حکمت، عفت، شجاعت انسان کو ارزانی ہوتی ہیں، وہی درحقیقت تمام اخلاق فاضلہ، اوصافِ حمیدہ اور محاسن معنوی کا مرکز و سرچشمہ اور اصل الاصول ہیں۔ اُن کے سوا جس قدر بھی اخلاقِ حسنہ اور قابل مدح و ستائش اوصاف ہیں۔ وہ انھی ہر سہ مرکزی اخلاق کے گرد گھومتے، انھی پر متفرع ہوتے اور انھی کی باہمی ترکیب و امتزاج اور ترتیب کے الٹ پھیر سے ظہور میں آتے ہیں

اخلاق مرکزی اصل الاصول ہوں یا اُن کے امتزاجی برگ و بار، ان میں کا ہر ایک خُلق افراط و تفریط کے اطراف سے گھرا ہوا ہوتا ہے اور یہ دونوں اطراف حد سے کم ہونے ہیں یا زیادہ، اسی وجہ سے مذموم قرار پاتے ہیں۔ اعتدال صرف درمیان ہی میں ہوتا ہے اور وسط ہونے کی بنا پر وہی خیر الامور ہوتا ہے۔ معتدل المزاج و القوام انسان کامل کی لسان صدق نے بھی "خیر الامور اوساطہا" فرما کر وسط کے خیر الامور ہونے کی تصدیق کر دی ہے۔

ان محدود صفات کے کوزے میں اخلاق کے بحرِ بے پایان و بے کراں کو تو کون بند کر سکتا ہے؟ آئیے اصل الاصول اور بنیادی اخلاق حکمت، عفت اور شجاعت کا جائزہ لیتے چلیں

دیکھیے "حکمت" انسان میں ایسی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے کہ وہ اپنی بشری قوت و استطاعت

کے مطابق حقائق موجودات واحوالِ کائنات کو جس نوع کے بھی وہ ہیں اور جیسے بھی ہیں ویسا ہی جاننے لگتا ہے اور مطابق ارشادِ خداوندی من یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً" اس کی ذات مجموعۂ حسنات اور منبع الخیرات بن جاتی ہے۔ یوں بھی "الحکمۃ ضالۃ المومن" کے ارشادِ نبوی کی رُو سے حکمت مسلمان کی متاعِ گم گشتہ ہے، جب اور جہاں سے بھی ملے اس کو لے لینا چاہیے۔ آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ انسانوں کی مجموعی بربادیوں کا راز اور انفرادی تباہیوں کا سبب صرف ایک ہی ہے اور وہ حکمت کی نعمت سے محرومی اور دوری ہے۔ وہ کسی امر اور کسی چیز کی واقعیت کا کھوج لگانے کے لیے اس کی تہ تک پہنچنے کی اور صحیح و غلط اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی زحمت نہیں اٹھاتے اور بڑے سے بڑے امر میں اور دور رس نتائج پیدا کرنے والے مسائل میں بعجلت ایک فیصلہ کر کے بسا اوقات حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھ بیٹھتے ہیں اور نہیں جانتے کہ سیاہ و سفید، حق و باطل اور صحیح و غلط کے مابین فرق و امتیاز نہ کرنے سے اور اصل حقیقت و واقعیت اور نفس الامر کا علم حاصل نہ ہو سکنے کی پاداش میں بڑی بڑی قومیں تہ و بالا اور اگلی امتیں برباد و ہلاک ہوتی رہی ہیں۔ آپ قوموں کے عروج و زوال کے واقعات پڑھیے۔ ان کی ترقی و تنزل کے اسباب کا جائزہ لیجیے۔ آپ کو اُن کے مدوجزر میں حق و باطل کے مابین امتیاز و عدمِ امتیاز اور حکمت کا وجود یا عدم ہی کار فرما نظر آئے گا ؎

ہر ہلاک امت پیشیں کہ بود
زاں کہ بر جندل گماں بردند عود

یہی وجہ ہے کہ عالم انسانیت کے نباضِ مطلق کی زبانِ حقیقت ترجمان بار باران دعائیہ الفاظ کو دہراتی رہتی تھی "اللھم ارنا الحق حقاً وارنا الباطل باطلاً" غور کیجیے حکمت جیسی انمول نعمت بھی اطراف اور افراط و تفریط سے خالی نہیں۔ حکمت کی صرف جہت وسطانی ہی معتدل اور قابلِ ستائش ہوتی ہے۔ اطراف مذموم ہوتے ہیں۔ اسی حکمت کی فراوانی اور زیادتی سے انسان کا دماغ چل جاتا ہے، اور وہ بے قابو اور آپے سے باہر ہو کر دور دراز کی لاحاصل اور بے سود باتیں سوچنے لگتا ہے، متشابہات پر اور ایسے دور از کار

مسائل پر غور و فکر کی قوتیں ضائع کرتا رہتا ہے جو اس کی ذات اور دوسروں کے لیے فائدہ مند ہونے کے بجائے انسانی اعمال و عقائد کے لیے ضرر رساں اور گمراہ کن ہوتی ہیں۔ بعض اوقات وہ حکمت کو کام میں لانے کے بجائے اپنی ذاتی منفعت اور متاعِ قلیل کے لیے اس کی جانب افراط میں چلا جاتا ہے۔

علم و حکمت کے وہ نام نہاد علماء سوء ہی تھے جو عیاش طبع حکمرانوں کی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے کتاب اللہ اور احادیثِ رسول اللہ سے جواز کے حیلے تراش دیا کرتے تھے ان علماء سوء ہی کی بدولت ایسے ایسے دور از کار اور لایعنی اختلافی مسائل عوامی سطح پر اُبھر آئے جن سے وحدتِ ملی پارہ پارہ ہو کر رہ گئی اور مسلمانوں میں مختلف طبقات اور گروہ پیدا ہو گئے۔ جن کے مابین جنگ ہفتاد و دو ملت کا بازار گرم رہتا ہے اور اہل قبلہ کے درمیان نفاق و شقاق سب و شتم اور تفریق بین المسلمین حتیٰ کہ قتل و خونریزی تک کے ایسے اندوہناک و ہوشربا سانحات منظر عام پر آتے رہتے ہیں جن کے ہوتے ہوئے،

ع   آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین

یہ اختلافی مسائل قرونِ اولیٰ میں کبھی زیرِ بحث نہیں آئے بلکہ سرے سے ان کا وجود ہی نہ تھا، ایمان و عقائد اور اعمال سے ان کا ذرہ بھر بھی تعلق نہ تھا۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آج کل اور اب سے پہلے نام نہاد مولویوں نے جن مسائل کو جزوِ ایمان و عقائد قرار دے لیا ہے اور جن کی وجہ سے ملک و ملت کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک مسئلہ بھی ضروریاتِ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ عامۃ المسلمین کو اِن مسائل میں الجھانے کا مقصد صرف حلوے مانڈے کا انتظام ہے۔

اگر آج عامۃ المسلمین جُبّہ و دستار سے متاثر اور منبر و محراب کے ہر رقاص سے مرعوب ہونا چھوڑ دیں اور اختلافی مسائل سننے سے انکار کر دیں تو یہ اختلافات جو جان و مال دونوں کے لیے آفت ہیں خود بخود ختم ہو جائیں۔

اسی حکمت کی تفریط و کمی غباوت کہلاتی ہے۔ اس میں انسان کی فکری قوتیں معطل ہو جاتی ہیں اور وہ علم کی منفعتوں سے اور غور و فکر کے انمول نتائج و ثمرات سے محروم ہو کر رہ

جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ حکمت کے اطراف افراط و تفریط مذموم اور اعتدال محمود ہے۔

اب دوسری بنیادی صفت عفّت کی طرف آئیے۔ عفت کو قوتِ عقلیہ اور نفسِ ناطقہ کا مطیع و منقاد، فرماں بردار اور زیرِ اثر رہنا چاہیے۔ اور اس کے اعمال و مشاغل اور تصرّفات اور اقدامات نفس مطمئنہ یا نفسِ لوّامہ اور عقل کے مطابق ہونے چاہئیں تاکہ نفسانی خواہشات اور شہوانی لذات اس کو مائل بہ افراط، حد سے تجاوز اور بے لگام نہ ہونے دیں۔ ظاہر ہے کہ حد سے تجاوز کے بعد عفّت، عفّت کہاں رہتی ہے۔ وہ تو خلاعت اور فسق و فجور کی گندگی میں جا گرتی ہے اور انسان نفسِ امّارہ کے دامِ تزویر میں الجھ کر رہ جاتا ہے، جو اس کو جہنم کے طبقہ اسفل السافلین میں دھکیل دیتا ہے۔ اس صفتِ عفّت کی تفریط اور کمی جمود اور ساکن کیفیت ہوتی ہے جو پیدائشی نہیں ہوتی بلکہ بر خود غلط اور فریب خوردہ انسان بزعم ایثار اس کو مستحسن سمجھ کر از خود اپنے قویٰ کو معطّل کر لیتا ہے اور ان طبعی خواہشات و فطری لذّات تک سے محروم و کنارہ کش ہو رہتا ہے جن کی شریعت اور عقل دونوں نے صرف اجازت ہی نہیں دی، بلکہ نسلِ انسانی کی بقا کے لیے مناسب حدود و معیّنہ شرائط کے ساتھ اس کو ضروری قرار دیا ہوا ہے۔

اب تیسری بنیادی صفت شجاعت کو دیکھیے۔ جب کبھی انسان خطرات میں گھر جائے اور اس کی جان پر بن آئے تو اب اُس کے لیے شجاعت کو بروئے کار لانا ضروری ہو جاتا ہے۔ شجاعت کی معتدل حالت یہ ہے کہ انسان ہمّت و حوصلے کے ساتھ کسی اضطراب و تشویش کے بغیر خطرات کا مقابلہ اور کامیاب تدارک کر سکے اور اپنے تحفظ کے لیے جو کرنا چاہیے صرف وہی کرے۔ ایسے مواقع پر انسان کی بہیمیت و سبعیت، بزدلی و درندگی کی سوئی ہوئی قوتیں بھی بیدار ہو جاتی ہیں اور وہ اس کو اعتدال سے منحرف کر کے افراط و تفریط کی جانب مائل کر دینا چاہتی ہیں۔ شجاعت کی افراط تہوّر ہے اور تفریط جبن (بزدلی) ہے۔ تہوّر میں انسان جذبات انتقام سے مغلوب ہو کر اور جوش میں آ کر بے تحاشا خود اپنا نقصان کر بیٹھتا ہے اور اپنا سر پیٹنے، اپنے بال اور اپنی بوٹیاں نوچنے لگتا ہے۔ جبن کی حالت طاری ہونے پر انسان ہاتھ پیر چھوڑ دیتا ہے اور لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ افراط و تفریط یعنی تہوّر

بین کی حالت میں انسان اپنے بچاؤ اور حفاظت خود اختیاری کے لیے وہ کچھ نہیں کر پاتا جو اس کو کرنا چاہیے۔

آپ نے دیکھا، یہ تینوں مرکزی اخلاق یعنی حکمت، عفت اور شجاعت تین تین جہتیں رکھتے ہیں اور ہر ایک کے تین اطراف ہیں، افراط و تفریط کے اطراف و جہاتِ مذموم اور ہر ایک کی درمیانی راہ اور وسطانی حالت بر بنائے توازن و اعتدال پسندیدہ ہے اور عدالت ہے، گویا عدالت افراط و تفریط کے مابین ایک معتدل امر ہے، امرِ متوسّط ہے اور خیر الامور ہے آپ جہاں سے چلیں گے اور جس طرف سے چلیں گے، گھوم پھر کر بالآخر اسی مدینۃ العلم کی طرف آنا پڑے گا۔ جس کی درس گاہ سے آپ کو "خیر الامور اوسطہا" کا درس ملا ہے۔

جب بحث اس منزل پہ آگئی تو آئیے کچھ دیر ٹھہر کر یہ بھی دیکھتے چلیں کہ انسانیت کے اعاظم الرّجال میں سے کِن کِن نفوسِ قدسیہ نے عدالت کو کتنا کتنا اپنایا اور اخلاقی اعتدال و توازن کو کس حد تک ملحوظ رکھا۔ انسانی ارواح و قلوب پر اور ان کی الواح ذہن و دماغ پر اپنی اخلاقی تعلیم کے کتنے نقوش ثبت کیے اور اپنی حامل خلق عظیم سیرت اور اسوۂ حسنہ کے کتنے نمونے چھوڑے جو رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے شمع راہ، نشانِ منزل اور سراج منیر بن سکے۔

اسی دنیا میں بڑے بڑے اولوالعزم سلاطین ہو گزرے، کشور کشا فاتحین نے کائناتِ ارضی کو زیر و زبر کر ڈالا، مصلحین نے پند و نصائح کے دریا بہا ڈالے، مرتبین قوانین و دساتیر نے دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے، فلاسفۂ مصر و یونان نے اور ہند کے رشیوں اور مہارشیوں نے حکمت و فلسفہ کے ذریعے کائنات کی گرہیں کھولنے اور گتھیاں سلجھانے میں عمریں تج دیں، فراعنۂ مصر و قیصرانِ روم و کجکلاہانِ ایران اور راجگان و مہاراجگان ہندوستان نے مدتوں کو مِن "لِمَنِ الملکُ الیوم" بجا بجا کر اصولِ حکم رانی و جہاں بانی ایجاد و اختراع کیے، لیکن یہ تو بتائیے کہ ان کی کشور ستانیاں، فاتحانہ ملک گیریاں، پند و نصائح کی سرگرانیاں، حکم رانی و جہاں بانی کی سرگرمیاں، کائنات کی

گرہ کشائیاں اور ذہنی کاوشیں اور دماغی تراوشیں کیا ہوتیں۔ ان کے سارے کارنامے سارے نوشتے، سب کچھ کیا دھرا یا تو صفحاتِ دہر سے حرفِ غلط کی طرح مٹ کر نسیاً منسیاً ہو چکا، یا از کار رفتہ ہو رہا جس کا آج کوئی پتا، نشان اور کھوج تک نہیں ملتا۔ ؎

کہ ہستیش بر دستے زمین یک نشاں نماند

یہ بھی دیکھیے کہ ان کے خود ساختہ و پرداختہ اصول خود اُن کی اپنی ذات کے لیے کار آمد رہے ہوں تو رہے ہوں، عامۂ خلائق کے لیے وہ ادوارِ مابعد تو دور کی بات ہے، خود اُن کے دَور میں بھی کار آمد نہ تھے، نتیجہ یہ کہ انسانی زندگی کے مسائل لاینحل ہی رہے اور ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی تشنۂ رہ نمائی ہی رہی۔

بلاشبہ جو انبیاء و رُسُل من جانب اللہ روحانی طاقتوں سے مسلح ہو کر اور تائیدِ ربانی ساتھ لے کر آئے، اُن کی تعلیم وقتی طور پر کسی نہ کسی خطۂ ارضی میں انسانوں کے لیے راہنما بنی ان کی سیرتِ طیبہ کے کچھ نقوش بھی انسانی ارواح پر اور اس کی الواحِ قلوب پر ثبت ہوئے۔ تاہم ان اولوالعزم پیغمبروں کی تعلیم وقتی تھی۔ کسی مخصوص قوم اور مخصوص سرزمین میں محدود رہتی تھی۔ ان تعلیمی تفصیلات اور اُن کی سیرت کے حالات نہ تاریخی معیار پر پُورے اترتے ہیں، نہ وہ اتنے مکمل ہیں کہ انسانوں کی مختلف ضروریات، متضاد و متصادم حالات اور متعدد ادوارِ زندگی میں اجتماعی یا انفرادی تطہیر و پاکیزگی و اصلاحِ اخلاق و اعمال اور اُن کے امراضِ روحانی کا مداوا اور اُن کے درد کا درماں بن سکیں؛ نہ ان میں دوام و استمرار تھا کہ رہتی دنیا تک قائم و دائم رہ کر ان کی مشکلات حل کر سکیں۔ نہ ان میں نظروں میں کھب جانے اور دلوں میں اُتر جانے والا جامعیت کا تناسب تھا کہ ایک طرف خلقِ خدا ان کے دامانِ عفو و درگذر اور رحم و کرم کی آغوش میں پناہ لے سکے اور دوسری جانب اُن کے مقتضیاتِ عدل و انصاف بھی پورے ہو سکیں اور ظلم و جور کی تلافی کر سکیں۔ کسی شریعت میں محض سخت گیری اور تشدّد آمیز اخلاق کی گرم بازاری تھی تو کہیں صرف عفو و درگذر اور نرم اخلاقی کی برف باری۔ کوئی صاحبِ شریعت انسانوں کی نافرمانیوں سے بددل، بے زار اور مایوس ہو کر ان کے حق میں دعائے بد کر گزرے اور کسی نے ساری قوم

کا بیڑا ہی غرق کر کے رکھ دیا۔ کوئی مصائب و آلام اور آزارِ جسمانی سے اکتا کر بالآخر مَسَّنِیَ الضُّر کا گلہ مند بنایا ہے

آپ نے مَسَّنِیَ الضُّر کہا ہے تو سہی
یہ بھی اے حضرتِ ایوب گلہ ہے تو سہی

بہرحال وہ نمائی کی تلاش میں نگاہیں جب ہر طرف سے مایوس ہو چکیں تو یکایک غیرتِ حق حرکت میں آئی اور منعم و منانِ حقیقی کی جانب سے بڑے احسان و انعام کا اعلان ہوا۔

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا"

مُبدع و خلاقِ عالم کی یہ سب سے پہلی تخلیق تھی جو خاتم النبیین، المرسلین کے پیکر میں رحمۃ اللعالمینؐ بن کر مبعوث ہوئی، جس کی بعثت کو بجا طور پر منت و احسان قرار دیا گیا اور جو لَولاکَ لَما خَلَقْتُ الْخَلْقَ کی رو سے سببِ تخلیقِ خلق بھی ہے جس کے درود مسعود کے لیے انبیاء سابقین فرزندِ آذر خلیلؑ، موسیٰ عمرانؑ، عیسیٰ مریمؑ دعائیں کرتے نویدیں دیتے اور بشارتیں سناتے چلے آرہے تھے

صلوات اللہ علیہم اجمعین

اس ظہورِ قدسی اور مبدع و خلاقِ عالم کی اولین بدع و تخلیق کو تخلیق اوّل قرار دینے میں اہلِ اسلام ہی منفرد نہیں ہیں، بلکہ حکمت و فلسفہ کے موجدین و موسسین اور اساطین فلاسفہ بھی اس حقیقت کو مانتے چلے آرہے ہیں کہ خلاقِ عالم کے امر سے اوّلاً ایک وجود ظہور میں آیا۔ اس وجود سے تعددِ جہات کی بنا پر دو وجود صادر ہوئے اور یوں درجہ بدرجہ دو دو وجود ظہور و شہود میں آتے رہے۔ یہاں تک دسویں وجود یعنی عقل عاشر و فعال نے ساری کائنات کو جنم دیا۔ اساطین حکمت و فلسفہ اس تخلیق اول کو قلم اعلیٰ، برزخ اعظم، خلیفہ اعظم، برزخ کبریٰ اور اسی نوع کے متعدد خطابوں اور ناموں سے مخاطب و نامزد کرتے چلے آرہے ہیں لیکن ان اسما و تعبیرات کے اعیانی مصداق، خارجی وجود اور اس کے تشخص کی تعیین و نشان دہی سے آج تک قاصر رہے ہیں۔ پھر پھر کر ان کی

تعبیرات کا جو مصداق و مسمّیٰ متعین ہوتا ہے اور اُن کی تشریحات و تفصیلات جس ذاتِ قدسی صفات پر منطبق ہوتی ہیں، وہ وہی ذاتِ مقدّس ہے جس کی نشان دہی صراحت کے ساتھ "اوّل ما خلق اللہ نوری" اور کنت نبیًّا وَّ آدمُ بینَ الماءِ والطّین" میں اب سے بہت پہلے کر دی گئی ہے۔ یہ تخلیقِ اوّل سب سے مقدّم ہونے کے باوجود ظہور میں موخر کیوں ہوئی؟ تخلیق و ظہور اور وجود و ورود میں تقدیم و تاخیر کا یہ معمّا ہمارے لیے ایک لمحۂ فکریہ اور دعوتِ غور و فکر مہیا کرتا ہے۔

اچھا غور کیجیے۔ افراد و اشخاص کی طرح بحیثیتِ مجموعی نباتات و حیوانات پر، جماعتوں پر، ملتوں پر اور قوموں پر، انسانوں پر اور انسانیت پر مختلف دور گزرتے رہتے ہیں۔ دورِ طفولیت، دورِ بلوغ اور دورِ شعور نہ صرف افراد کو بلکہ اُن کے مجموعے کو بھی عبور کرنا اور اُن ادوار سے گزرنا ہوتا ہے۔ مثلاً یوں سمجھیے کہ حضرت آدمؑ سے حضرتِ نوحؑ تک، پھر حضرتِ موسیٰؑ، حضرتِ عیسیٰؑ تک دورِ طفولیت و دورِ بلوغ کے مدارج طے ہوئے۔ نبی آخر الزماں (ارواحُنا فداہ) کی عینِ بعثت کے وقت انسانیت کا شعور بھی بیدار ہو چکا تھا۔ اس میں ٹھہراؤ اور پختگی آچکی تھی اور اس میں ایک جامع، مکمل اور ابدی تعلیم کے جذب و قبول کی صلاحیت اُبھر آئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اس احسان و انعام سے نوازی گئی۔ غور و فکر کی راہ میں ایک قدم اور آگے بڑھائیے۔

ابوالآباء آدمؑ سے نوح و ابراہیمؑ خلیل اللہ تک اور اس کے بعد حضرتِ مسیح کی بظاہر رحلت اور فی الحقیقت آسمانی رفعت تک کی تعلیم ربانی کو انسانوں کی صلاحیت و اہلیت کے پیشِ نظر دیکھیے۔ خالقِ کائنات و رب العالمین نے ابتداءً ارواح کی نشو و نما اور تطہیر و تربیت کے لیے جو نظم و انتظام قائم کیا تھا، وہ زمانۂ طفولیت اور دورِ بلوغ ہی کے لیے موزوں ہو سکتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت تک صورتِ حال یہ تھی کہ انبیاء کرام ایک معینہ مدت اور متعین قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے اور ان کا دائرۂ تعلیم و عمل بھی کرۂ ارض کی کسی مخصوص سرزمین تک محدود و محصور رہتا تھا۔ ربع مسکون کے مختلف ٹکڑوں اور حصوں میں بیک وقت متعدد انبیاء کرام مبعوث

ہوتے رہتے تھے۔ ان کی تعلیم نہ جامع ہوتی تھی نہ مکمل، نہ عالمگیر ہوتی تھی نہ ابدی، کیونکہ اس وقت تک انسانیت کا شعور بیدار نہیں ہُوا تھا۔ وہ کسی جامع، ہمہ گیر و عالم گیر تعلیم و تلقین کو برداشت ہی کب کر سکتی تھی؟ کسی ایسی تعلیم کا، جو عالمِ شباب کے ساتھ مختص اور شعور پر موقوف ہو، اس کا متحمل، طفلِ نوخیز اور بے شعور انسان کیسے ہو سکتا تھا؟ لہٰذا دورِ بلوغ و شعور کا انتظام ناگزیر تھا۔

رسولِ اکرم خاتم النبیین کی بعثت سے کچھ قبل یہ دور آچکا تھا، لیکن سابقہ ہدایات کے مسخ و گم ہو جانے اور نئی ہدایات و رہنمائی کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے اسی شعور نے انسانوں کو غلط راہوں پر ڈال دیا تھا اور وہ مختلف اور غلط سمتوں پر چل پڑے تھے۔ لہو و لعب، قمار بازی، شراب خوری، بے حیائی، فحاشی، سفاکی و ستم رانی، جنگ و جدل کا دور و تسلسل قائم ہو چکا تھا۔ بت پرستی، شرک و بدعات و خرافات اُن کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی اور دنیا جہان کی برائیاں اور بداخلاقیاں ان کی طبیعت ثانیہ اور اُن کے معاشرے کا جزو بن کر رہ گئی تھیں اور انتہا کو پہنچ چکی تھیں۔ پھر اس قسم کے درد انگیز حالات عرب ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھے، سارا گرد و پیش اور سارے دُور دراز علاقے اسی قسم کی ابتری اور پستی کا شکار تھے۔ ساری دُنیا اللہ کے سوا ہر چیز کے سامنے سر خم کیے ہوئے تھی۔ سورج، آگ، سانپ، بندر، شجر حجر بھی اس وقت کی اشرف المخلوقات یعنی انسان کے معبود و مسجود بنے ہوئے تھے۔ ساری آڑی ترچھی، ٹیڑھی راہیں کشادہ تھیں، صرف ایک راہ مسدود و گم تھی اور وہ صراطِ مستقیم تھی۔

اِن حالات کی موجودگی میں غیرتِ حق کو حرکت میں آنا ہی تھا چنانچہ اس تخلیقِ اولین اور نورِ پُر تنویر کو اعلیٰ علیین سے پستی کے مکینوں کی رفعت و ہدایت کے لیے ظہور میں لایا گیا اور وادیٔ بطحا کی پہنائیوں سے خیر مقدم کی اُٹھنے والی صدائیں ثنیات الوداع اور جبل بوقبیس سے ٹکرانے لگیں، جن سے "طلع البدر علینا" اور یا حبذا محمدًا کے خوش گوار و سامعہ نواز نغمے نکل رہے تھے اور دشت و جبل کی وسعتوں میں پھیل

چہچہا کر اور تھرا تھرا کر فضاؤں کو نغمہ بار کر رہے تھے۔

صلّوا علیہ و آلہٖ

آپ نے حالات کا تجزیہ کر کے عالم انسانیت کے مقدس و اعظم ترین انبیائے کرام کا اور اُن کی تعلیم و تلقین کا بھی جائزہ لے لیا علم و عمل اور تعلیم و تعلّم کے لحاظ سے اور تاریخی شہادت کے اعتبار سے جامعیت و اکملیت اور ابدیت کے معیار اور اخلاقی توازن و اعتدال اور عدالت کی کسوٹی پر بجز ذاتِ اقدس و مقدس سرور کائنات و خاتم النبیینؐ (ارواحنا فداہ) کے اور کون پُورا اتر سکا۔ صرف یہی ایک سیرت اور حیاتِ طیّبہ ہے، جس میں ہر دور کے مختلف طبقاتِ انسانی کے لیے ان کے گوناگوں واردات، متضاد و متصادم اور متنوّع حالات و مشکلات کے لیے راہِ عمل اور ہدایت و رہنمائی موجود ہے اور وہ آئینۂ خلق ربنا الکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحیح معنی میں "انک لعلیٰ خلق عظیم" کا مصداق و مجسم اور پیکر جمیل ہے۔

ولنعلم ما قال اللہ تعالیٰ "لقد کان لکم فی رسول اللہِ اسوۃ حسنۃ"

پھر ایک بار

صَلّوا عَلَیْہِ وَآلہٖ

۲ــ انسان کامل

تنزلات وجود کی آخری حد تک جس قدر بھی مراتب الٰہیہ اور مدارج کونیہ عقول و نفوس کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ کلّی ہوں، جزوی ہوں اور خواہ مراتب طبیعت ہوں، ان سب کا جامع انسان ہے۔ اسی جامعیت کی وجہ سے انسان کو عمومیت کے ساتھ خلیفۃ اللہ کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ اِسی انسان کے ارتقائی منازل کی آخری حد اور ارفع و اعلیٰ شکل انسان کامل ہے، جو تمام عوالم الٰہیہ اور کائنات و موجودات کے جزو کل کا جامع ہے۔ ایک ایسی منزّل من اللہ کتاب کا مہبط و مورد اور حامل جو تمام کتب الٰہیہ اور کونیہ کی

جامع و نار نخ ہے ۔ جناۓ علیہ۔

انسان کامل کا یہ لقب اور خطاب بجز ذات احمدی سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلّم کسی اور پر سجتا ہی نہیں ۔ اسی انسان کامل (ذات محمدیؐ) کو آپ کی روح و عقل کی جہت سے کتاب عقلی اور ام الکتاب کہہ دیا جاتا ہے اور آپ کے قلب کے لحاظ سے کتاب لوح محفوظ کہا جاتا ہے ۔ اور نفس کے اعتبار سے کتاب محو و اثبات بولا جاتا ہے۔

۳۵ اوّل

اب اسی لفظ اول کے متعلق حکماء و فلاسفہ متقدمین و متاخرین کی خیال آرائیاں ملاحظہ فرمائیں ۔

یہ بحث تشنہ رہ جائے گی۔ اگر پہلے خود حکماء و فلاسفہ کو ممتاز و مشخص نہ کر دیا جائے ۔ علامہ شبلی نعمانی نے "علم الکلام" اور "الکلام" میں ان کو متعین و روشناس کرانا چاہا تھا۔ لیکن علامہ ان کے افکار و مسائل میں اس قدر الجھ گئے اور درمیان میں اتنی بحثیں لے آئے کہ ان کی تشریحات و رد و قدح میں خود حکماء و فلاسفہ کی تعیین و تشخیص پر پردہ ہی پڑا رہ گیا۔

راقم الحروف نے اس کتاب سے اور دوسری متعلقہ کتب سے اور اساتذہ سے جو استفادہ کیا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ

" افلاطون و ارسطو اور ان سے پہلے مصر و یونان میں جو متفکرین گزرے ہیں وہ حکماء و فلاسفہ کہلاتے ہیں ۔"

یہ سب بالعموم کسی مبدع و خلاق عالم کے قائل نہیں تھے ۔

ق عالم کے باب میں وہ انبثاق کے قائل تھے ۔ یعنی جس طرح کسی جگہ آپ سے آپ چشمہ پھوٹ پڑتا ہے اور اس سے پانی جاری ہو جاتا ہے اسی طرح عالم خود بخود بغیر کسی مبدع و خالق کی دخل کاری کے ظہور میں آگیا۔ اور اس سے جو

موادیعنی ہیولیٰ خارج ہوا۔ اُس نے مختلف شکلیں اور جسمی اور نوعی صورتیں اختیار کرلیں۔ گویا ان حکماء و فلاسفہ میں سے اکثر کے خیال کے مطابق عالم زمانۂ قدیم سے خود بخود وجود میں آیا ہوا ہے۔ وہ کسی مبدع و خالق، موجد و صناع اور جاعل یا کسی اول و آخر کا زیرِ منت و تخلیق نہیں ہے۔

البتہ فارابی نے بعض فلاسفۂ قدیم کو جن میں افلاطون بھی شامل ہے حدوث عالم کا قائل بتلایا ہے۔ یہ قائلین حدوث عالم ایک نامعلوم شئے کو اوّل تسلیم کرتے تھے اور نام بتلائے بغیر اس کو چند صفات سے متصف اور تعبیر کیا کرتے تھے۔ مثلاً علت اولیٰ۔ علت العلل۔ واجب الوجود وغیرہ۔ وہ ان صفات سے متصف نامعلوم الاسم شخصیت کو مرتبۂ ذات میں یعنی اس کی ذات بحت و خالص کے اعتبار سے ہر چیز سے حتیٰ کہ وجود سے بھی مقدم مانتے تھے۔

حکمت و فلسفہ کے اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد حکماء و فلاسفہ کا ایک اور گروہ پیدا ہوا۔ جو حکماء اسلام اور فلاسفۂ اسلام کہلایا۔ ان حکماء پر یونانی فلاسفۂ قدیم اور افلاطون ثانی کے فلسفۂ اشراق کا بھی اثر تھا۔ جس کے نمائندے فارابیؒ ابن سینا۔ ابن ماجہ۔ ابن رُشد۔ ابن طفیل۔ یعقوب کندی۔ نصیر الدین طوسی بہمن یار۔ نظام معتزلی۔ جاحظ۔ ابوعلی الجبائیؒ۔ واصل ابن عطا جہم بن صفوان۔ اسحاق ابن حسینی۔ حسینی بن اسحاق۔ شیخ ابوالحسن اشعری۔ شیخ ابومنصور ماتریدی۔ عبدالکریم شہرستانی۔ ابن مسکویہ وغیرہ وغیرہ ہیں۔

ان حکماء و فلاسفۂ اسلام نے فلسفہ اور اسلام کے اصولوں میں ــــ اور بنیادوں میں جو تضاد و تصادم تھا۔ اس کو دفع کرنے کی اور ان میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور دونوں مکاتیبِ فکر کو ایک دوسرے کے ہم آہنگ بنانے میں مصروف ہو گئے۔ کچھ اس میں لچک پیدا کی۔ کچھ اس کو کھینچ تان کر دوسرے کے قریب لائے۔ ان میں سے جس کا رجحان جس طرف زیادہ تھا۔ اُس نے پلڑے کو اپنے رجحان کے مطابق جھکا لیا۔ کسی نے فلسفے کو غالب

کردیا۔ کسی نے اسلام کو غلبہ دے دیا۔ جس کی تفصیلات ان فلاسفۂ اسلام کی تصنیفات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

مولانا لطف اللہ علیگڑھ، حکیم سید برکات احمد ٹونکی (مکتبۂ علم و فکر خیر آباد) علامہ معین الدین اجمیری (مکتبۂ علم و فکر خیر آباد)

مندرجہ بالا متکلمین اسلام میں کا ہر فرد حکمت و فلسفہ کا ماہر تھا۔ مجتہد تھا۔ مصنف تھا۔ اور بجائے خود ایک علمی ادارے کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہر ایک کے گرد ایسے لاتعداد طلباء کا ہجوم رہتا تھا۔ جو دوسرے مدارس سے فارغ التحصیل ہو چکے ہوتے تھے۔

یہ تو راقم الحروف کا مشاہدہ ہے کہ مکتبۂ علم و فکر خیر آباد کے تاجدار چہارم علامہ برکات احمد کے حلقۂ درس سے درجنوں ایسے طلباء فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ جو فضل و کمال کے اعلیٰ درجات پر فائز تھے۔ اور جن کی اکثریت متحدہ ہندوستان کے مشہور علمی مدارس کی صدر مدرسی پر متمکن تھی۔

ان متکلمین اسلام نے اور اس آخری دور میں علماء فرنگی محل اور فضلائے خیر آباد نے جس شد و مد اور جوش و خروش کے ساتھ اسلام کی وکالت کی۔ اور معقولات و منقولات کی مہارت و جامعیت کو اسلامی اصولوں کی بالادستی کے لیے استعمال کیا وہ انھیں کا حصہ اور طرۂ امتیاز تھا۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ فلسفۂ قدیم اور فلاسفہ کے اساسات و نظریات اور دلائل و براہین کس درجہ مستحکم اور جاذب قلب و نظر ہوا کرتے ہیں۔ بیشتر حالات میں انسانی دماغ اور اس کے ذہن و فکر کی ساری قوتیں اس کی گرفت میں آجاتی ہیں جس سے انسان نکل نہیں سکتا۔ فلسفے کے بہت سے مسلمات و نظریات عام ادیان و شرائع خاص کر دین اسلام اور شریعت مصطفویہ (علیہ التحیات) سے جہاں جہاں متصادم ہو گئے تھے اس کا اثر یہ ہوا تھا کہ اسلام اور اس کے بنیادی نظریات میں شکوک و شبہات نے راہیں پا لی تھیں۔ اور بیشتر حالات میں خواص مسلمین تک صراط مستقیم سے بھٹک کر گمراہیوں کی ٹیڑھی ترچھی راہوں پر

پڑ گئے تھے۔ ایسے نظریات و دلائل کا مقابلہ اور سامنا صرف فلسفہ ہی میں مہارت سے اور فلسفہ ہی کے اسلحہ سے مسلح ہو کر کیا جا سکتا تھا اس باب میں قدیم متکلمین کی کاوشیں مستحق تحسین بھی ہیں اور متکلمین مابعد کے لیے شمع راہ بھی چنانچہ ماضی قریب میں فلاسفہ کے خلاف علما رخیر آباد۔ فرنگی محل اور خاص کر فضل حق، برکات احمد۔ معین الدین اجمیری کا تحریری اور تقریری جہاد عالم اسلامی کے علمی حلقوں سے بلکہ عوام الناس تک سے خراج تحسین و تبریک حاصل کر چکا ہے۔ ان حضرات نے فلسفۂ قدیم کی متصادم اساسات کو اسلامی نظریات سے ٹکرا جانے والی ہر بنیاد کو انھیں کے اصولوں سے اور قواعد سے ٹکرا کر پاش پاش کر دیا۔ خاص کر علامہ حکیم سید برکات احمد نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی زندگی کے عشرہ آخیر میں جو کتاب " معارف اسلامیہ" تحریر فرمائی وہ علامہ موصوف کا ایسا زریں کارنامہ ہے جو علم الکلام کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے علامہ نے اس کتاب میں فلاسفہ کے ہفوات کا رد فلاسفہ ہی کی زبان میں انھیں کی اصطلاحات میں انھیں کے اصولوں سے کیا ہے۔ پھر طرز تحریر نہ تو تخریبی ہے نہ جذباتی و منفی بلکہ حد درجہ متین اور تعمیری و مثبت ہے۔ جو اینٹ جہاں سے ہٹائی گئی ہے اس کی جگہ دوسری اینٹ رکھ دی ہے۔ پھر حکمائے مشائیہ ہی کے رد پر بس نہیں کیا ہے بلکہ ان کے ہمنوا اشراقیہ پر بھی ضربات کاری لگا دی ہیں۔ اور ان متکلمین کو بھی معاف نہیں کیا۔ جو فلاسفہ سے مرعوب ہونے کی وجہ سے نادانستہ ان کی ہمنوائی کرنے لگ گئے تھے۔ البتہ متکلمین کے ساتھ اتنی رعایت ضرور ملحوظ رکھی ہے کہ حتی الامکان ان کے مسلک کی تشریح و تاویل کر دیتے ہیں۔ یہ تاویل ان کے مسلک کے مطابق ہو یا نہ ہو لیکن دین حق کے اصول و احکام سے ضرور اقرب و مسلک صوفیہ کے عین مطابق ہوتی ہے۔

الغرض علامہ مرحوم نے جس ہمہ گیری کے ساتھ فلسفے کے متصادم اسلام اساسات کی دھجیاں بکھیری ہیں اور اسلامی اصولوں کی بالادستی کو نمایاں کیا ہے۔ وہ عظیم کارنامہ اسی عظیم فلسفی کے لیے مقدر ہو چکا تھا اور یہ سعادت مکتبۂ علم و فکر خیر آباد کے

اسی تلمیذ کے حصّے میں آئی تھی۔

بہر حال متکلمین کی علمی کاوشوں نے جہاں ہزارہا شیریں ثمرات پیدا کیے وہیں بدقسمتی سے ایک ثمر تلخ بھی رونما ہوگیا۔ کہ اندرونی و داخلی عقائد میں خود یہ لوگ کبھی کبھی مختلف الخیال اور باہم دست و گریباں ہو رہے۔ اس آویزش کے آخری دور میں فرنگی محل اور خیرآباد کے مکتبۂ علم و فکر سے متعلق علمار و فضلار کی جو متین و مصلحانہ روش اور معتدل مسلک رہا۔ وہ خلق سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے

اب اصل مقصد کی طرف آئیے۔ فلاسفۂ اسلام ہوں۔ یا فلاسفۂ قدیم ان دونوں کے نزدیک اول سے مراد۔ علت العلل۔ عقل اول۔ قلم اول وغیرہ ہیں جن کا خارجی مصداق گم ہے۔ یہ دونوں گروہ اس کو متعین و متشخص کر کے بتلانے سے قاصر و ناکام ہو چکے ہیں ان فلاسفہ کی تصریحات کی روشنی میں تخلیق کائنات و موجودات کی ساری صورتحال اور اس کے مدوجزر کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو علت العلل عقل اول قلم اعلیٰ۔ اور ان سے ملتے جلتے تمام الفاظ حُسنِ اتفاق سے جس معنیٰ و مصداق و مسمیٰ پر ٹھیک ٹھیک بیٹھتے اور پورے اترتے ہیں۔ وہ سرور کائنات و سردار موجودات کی ذاتِ گرامی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ فلاسفہ اس نقطہ اور حد پر تو پہنچ گئے کہ مبدع و خلاق عالم نے سب سے پہلے ایک نور پُرتنویر کو وجود بخشا۔ جن کے نام ان فلاسفہ نے عقل اول قلم اعلیٰ انسان کامل۔ خلیفۃ الاعظم۔ خلیفۂ اکبر۔ کتاب عقلی۔ اُم الکتاب۔ لوح محفوظ۔ کتاب محو و اثبات کتاب مبین۔ نفس کلیہ وغیرہ وغیرہ رکھے۔

لیکن ان کی چشم بصیرۃ شپرہ چشم کیوں بنی رہی۔ اور وہ اس تخلیق اول کا مصداق و مسمیٰ کیوں متعین نہ کر سکے۔ اور عین روشنی میں اس مہر درخشاں اور چشمۂ آفتاب کو کیوں نہ دیکھ سکے۔ جس کے جمال جہاں تاب سے کائنات و موجودات کی لاتناہی وسعتوں کا اور ان کی پہنائیوں کا ذرہ ذرہ روشن ہے۔

جہاں روشن است از جمالِ محمدؐ۔ صلی اللہ علیہ وسلم

الغرض اہلِ اسلام اور اس کے برگزیدہ طبقے صوفیائے کرام کی جو رائے تقی حکمار وفلاسفہ کی عقلیں اس بلندی تک تو نہ پہنچ سکیں، وہ اس سے ایک سیڑھی پیچھے ہی رک گئے، ادیان کی تصریحات کی بنا پر جو مصداق متعین ہونا تھا۔ اس کے نام نامی سے بھی گریز کیا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

۴۔ بدعت

دین میں اپنی طرف سے کوئی نئی چیز شامل کر دینا۔ یہ ہوئی بدعت، جس کا خالص امر دینی میں مداخلت، من مانی تاویل اضافے اور التزام سے تعلق تھا لیکن جہاں دینی و دنیوی امور مل جل گئے ہوں یا خالص دنیوی امور ہوں ان میں بعض مخصوص حالات کے ماتحت جدت پیدا کر لینا نہ صرف حدودِ جواز میں آجاتا ہے بلکہ بعض ناگزیر حالات کی بنا پر لازم و مستحسن اور ضروری ہو جاتا ہے مثلاً علوم آلیہ صرف ونحو اور علم الاصول کا پڑھنا پڑھانا جس پر قرآن وحدیث اور دین وشریعت کا سمجھنا اور سمجھانا موقوف ہے یا اس دور میں علوم جدیدہ سائنس ٹیکنالوجی وغیرہ علوم وفنون کی تعلیم جس کے ذریعے ایجادات و اختراعات کی جاسکیں۔ تسخیرِ کائنات کی جاسکے۔ دشمنانِ دین وملت اور معاندین ملک وطن کے مقابلے اور مدافعت میں دورِ جدیدہ کے حسب حال ساز و سامان اور اسلحہ تیار کیے جاسکیں۔ جس کے لیے قرآن حکیم ہم کو صاف صاف حکم دے رہا ہے۔

واعدوا لهم ما استطعتم

بنابریں ہم دشمنوں کے بالمقابل اپنی قدرت وطاقت اور وسعت کے مطابق جس قدر بھی زیادہ سے زیادہ تیاری کر سکتے ہیں۔ ضرور کرتے رہنا چاہیئے۔

دینی اور دنیوی ترقیات، ملت کی رفعت وسربلندی اور تسخیر کائنات

کے ذیل ہیں، مدارس و مکاتیب، اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، اکیڈمیز بیوت الحکمت کا قیام لازماً آجاتا ہے اور ان کے ذریعے تمام علوم وفنون کا اور ہر قسم کی صنعت و حرفت کا سیکھ لینا ضروری ہوجاتا ہے جس سے دینی و دنیوی ترقیات متوقع ہیں تسخیر کائنات اور اس کے ضمن میں غور وفکر کرتے رہنے کا صاف صاف امر اور حکم قرآن میں جگہ جگہ ہے اور اشارات و تلمیحات تو بکثرت موجود ہیں۔

لعلکم تتفکرون۔ لعلکم تتدبرون ۔ لعلکم تعقلون

افلا تعقلون۔ افلاتدبرون ۔ افلا تتفکرون۔

یہ محدثات اور نئی چیزیں اگر بدعت ہوں تب بھی بدعت حسنہ کے درجے میں آجاتی ہیں ان کے ماسوا اور نئی چیزیں بھی ہیں جو خواہ درجہ استحسان ولزوم میں نہ آتی ہوں۔ لیکن دوسری اقوام وملل اور ہم عصر ممالک کے معیار ترقی اور ان سے مسابقت کے پیش نظر ان میں بعض درجہ استحسان اور بعض درجہ جواز میں قطعاً آجاتی ہیں۔ مثلاً۔ درسگاہوں کا علیحدہ قیام وتعمیرات اور فصل خصومات ومقتضیات عدل وانصاف کی تکمیل کے لیے عدالتوں کا عدالت ہائے عالیہ کا اور سرکاری دفاتر کے لیے دوسری حکومتوں کے اعلیٰ معیار ونمونے کے مطابق جدا جدا تعمیرات یا مثلاً کھانے پینے کے لیے جائز لطیف غذائیں، خوشگوار مشروبات، رہنے سہنے کے لیے فرنیچر سے آراستہ پیراستہ مکانات، کوٹھیاں اور بنگلے سواری کے لیے موٹروں، ہوائی جہازوں کا استعمال وغیرہ۔

مذہب صاف صاف کہہ رہا ہے اور بار بار اشارات وتلمیحات کر رہا ہے کہ خلافت ارضی اور دنیا کی تسخیر مسلمانوں کا حق ہے ان کو عالم عناصر کی تنگ نائے عبور کر کے افلاک کی پہنائیوں میں پہنچنا ہے، جو ئے کہکشاں اور نیل آسمان سے بھی گذر جانا ہے لیکن شرط یہی ہے کہ اپنے خالق اور خالق کی تخلیق اول رسول عربی کی متابعت کرتے ہوئے یہ منازل طے کی جائیں انتم الاعلون ان کنتم مومنین عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اسلام کا دینی مزاج جدت طرازی اور دنیاوی

ترقی کے خلاف ہے اور ایجادات واختراعات اور تسخیر کائنات کے ذریعے کی جدوجہد محرمات شرعیہ میں داخل ہے حالانکہ ایسا قطعاً نہیں ہے مسلمان مسلمان رہ کر خالق سے تعلق ورشتہ قائم رکھ کر خدائی احکام کا پابند بن کر ہر قسم کے جائز دنیاوی کاروبار کرسکتا ہے۔ لیکن اگر یہ مشاغل اس کو دین سے غافل کردیں تو بلاشبہ اسلام دنیا کی چند روزہ زندگی کی خاطر آخرت کی حیات دائمی کی قربانی پسند نہیں کرتا۔ اسلام اور دین و مذہب کا لب لباب صرف اس قدر ہے کہ مخلوق کا تعلق خالق سے قائم ہو۔ افراد انسانی انفرادی واجتماعی طور پر اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ سے مزین ومتصف ہوں اور دنیاوی زندگی کے اس سفر میں کامل اتحاد و یکجہتی کے ساتھ ایک دوسرے کے دوش بدوش اور معین ومددگار رہیں۔

۵ بعث بعد الموت

حیات بعد الموت اور اللہ کے سامنے اعمال و افعال کی جواب دہی برحق ہے مسلمان مخبر صادق علیہ السلام کی اس خبر کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، فلاسفہ اس بنا پر اس کے منکر ہیں کہ ان کے نزدیک "اعادۂ معدوم محال ہے"۔

فلاسفہ اس باب میں یکسر غلط ہیں۔ وہ اعادۂ معدوم کو محال تو کہہ دیتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ یہاں اعادۂ معدوم محض کا نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس روپوش معدوم کا اعادہ ہو رہا ہے جو کسی وقت موجود تھا، انہیں یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ اسی موجود کو جب کہ وہ لاشئی اور معدوم محض تھا شیئت اور وجود کس نے بخشا، جس مبدع وخالق نے اس کو لاشئی سے شئی بنایا عدم بحت اور لیس محض سے وجود میں لایا نیست سے ہست کیا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ عدم محض سے وجود میں لائی ہوئی شئی کو کچھ عرصے کے لیے معدوم اور روپوش کر کے پھر سے ایک بار ظہور میں لے آئے، اور اپنی بے پایاں قدرت کا ایک اور مظاہرہ کر دے۔ ابداع اور تخلیق اوّل میں تو وہ شئے لاشئے سے وجود میں لائی جاتی ہے جس کے اجزاء ہی سرے سے موجود نہیں ہوتے، لیکن ایک موجود شئے جو معدوم

ہوتی ہے اس کے معنی یہ ہونے ہیں کہ وہ شکل و صورت اور ہیئت وہیکل باقی نہیں رہی۔ مگر اس کے اجزاء تو کسی نہ کسی شکل میں فضائے بسیط اور اقصائے عالم میں بکھرے پڑے ہیں جس مبدع وخلاق نے بغیر مواد و اجزاء کے اس کو بدع اور خلق کر دیا تھا اس سے یہ کیوں بعید ہے کہ وہ اقصائے عالم اور فضائے بسیط میں بکھرے اور پھیلے ہوئے اجزاء کو ایک بار پھر سے یکجا کر دے۔

اصل کمال اور مشکل کام تو ابداع اور تخلیق اوّل ہے اور لاشئے کا شئے بنا دینا ہے۔ نیست سے ہست کر دینا اور لیسیت کی تاریکی اور ظلمات عدم سے نکال کر وجود کے اُجالے اور ایسیت کی روشنی میں لے آنا ہے۔ منتشر اور بکھرے ہوئے اجزاء کو پھر سے جمع اور یک جا کر دینا تخلیق اوّل اور ابداع کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھتا ہے، جو ذات ہر شئے کی مبدع اور بدیع السمٰوٰت والارض ہے اس کے نزدیک مردے کو زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔

جو فلاسفہ عالم کی تبدیع و تخلیق بلا مواد تسلیم نہیں کرتے بلکہ اجزائے دمیقراطیہ سے مرکّب مانتے ہیں ان کے لیے بھی لمحۂ فکریہ موجود ہے۔ اگر اجزائے دمیقراطیہ سے ایک خاص شکل ایک بار قائم ہو کر پھر وقتی طور پر معدوم اور روپوش ہوئی ہے تو اس کو دوبارہ اُسی شکل و صورت اور ہیئت کذائیہ میں لے آنا اور شرق و غرب اور جنوب و شمال کی پہنائیوں میں بکھرے ہوئے اجزاء سے وہی معین ڈھانچہ اور خاص شکل قائم کر دینا کب مشکل ہے۔

اللہ بدیع السمٰوٰت والارض

اللہ آسمانوں کو اور زمینوں کو بغیر مواد اور میٹریل اور بلا ساز و سامان پیدا کرنے والا ہے۔

۵۶ بلاغت، بلیغ

مقتضائے حال کی مطابقت اور موقع کی مناسبت، بلاغت کی اصل روح ہے آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ کبھی طویل گفتگو موجب وحشت ہو جاتی ہے اور کسی موقع پر گفتگو کا اختصار بدمذاقی اور بداخلاقی سمجھی جاتی ہے مثلاً آپ کو اگر کسی معزز و محبوب قائد یا کسی دل آویز و دل چسپ شخصیت سے گفتگو کے لمحات میسّر آجائیں تو وہاں بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ بات چیت کو زیادہ سے زیادہ طول دیا جائے تاکہ دیر تک معیت اور لطف تکلم حاصل رہے اور یہ پرلذت و قیمتی لمحات جلد ہاتھ سے نہ جاتے رہیں اور اگر کسی کریہہ المنظر رقیب روسیاہ جیسے بے ہنگم سے گفت و شنید میں ناگزیر طور پر انسان پھنس جائے تو یہ موقع اس امر کا مقتضی ہے اور یہاں بلاغت یہ ہے کہ کم سے کم بات اور مختصر جواب دے کر اس صحبت ناجنس کے عذاب الیم سے پیچھا چھڑا لیا جائے۔

دیکھئے بڑی آرزوؤں اور "ارنی" اور "لن ترانی" کے مراحل راز و نیاز سے گذرنے کے بعد حضرت موسیٰؑ کو بارگاہ قدس میں باریابی اور شرف تکلم سے نوازا جاتا ہے، حضرت موسیٰ مع عصائے موسوی باریاب ہیں حق تعالےٰ کی جانب سے سوال ہوتا ہے، "ماتلک بیمینک یاموسیٰ" موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ عام حالات میں اس کا جواب صرف ایک لفظ "عصا" یعنی عصا ہے کہہ کر دیا جا سکتا تھا۔ اگر یہ سوال فرعون کرتا تو صرف مختصر لفظ "عصا" کہہ دینا ہی بلیغ جواب ہو سکتا تھا لیکن اس حریم وصل جاناں میں اس قدر مختصر جواب، بلیغ تو کجا بدذوقی و بدمذاقی کا مظہر و نمونہ بن جاتا۔ ملاحظہ فرمائیے مقتضائے حال اور موقع کی مناسبت کے لحاظ سے حضرت موسیٰؑ اس مختصر سوال کا جواب کس قدر طول طویل دے رہے ہیں، جس میں بلاغت کی روح سمائی ہوتی ہے اور پھر آخری فقرۂ جواب میں، مزید سوال کی گنجائش رکھ دیتے ہیں تاکہ پھر سوال ہو اور سلسلۂ سوال و جواب تادیر جاری رہے فرماتے ہیں

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ۝ (طٰهٰ - آیت ۱۸) یہ میرا عصا ہے

میں اس پر ٹیکا لگاتا ہوں اور اس کے ذریعہ بکریوں کے لئے چارہ فراہم کرتا ہوں اس کے علاوہ بھی دوسرے بہت سے کام لیتا رہتا ہوں۔ قرآن مجید تمام وکمال فصاحت وبلاغت کے اسی اعلیٰ معیار پر نازل ہوا ہے اور اس کا کوئی لفظ اور کوئی جملہ لفظی ومعنوی محاسن سے خالی نہیں ہے۔

۵ـ حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال اور افعال، حرکات وسکنات سب کے سب سنن واحادیث ہیں اور سنت وحدیث خاص کر تشریعی احادیث کے احکام قرآنی اوامر ونواہی کی طرح فرض، واجب العمل، حجت دین اور ماخذ دین ہیں اور ان کا منبع، وحی غیر متلو (وحی مخفی) ہے جو بلا وساطت فرشتہ براہ راست من جانب اللہ رسول اللہ کے قلب اطہر ومصفا پر بشیت والقا ہوتی تھی البتہ غیر تشریعی احادیث درجہ اباحت میں رہتی ہیں۔ پھر بھی اگر کوئی شخص بربنائے غایت محبت رسول ان پر عمل پیرا ہو رہے تو فبہا ورنہ وہ طریق معاشرت، رہن سہن، لباس، کھانے پینے کے معاملے میں مختار وآزاد ہے۔

کتا حرام ہے تیتر حلال ہے۔ یہ قرآن میں کہاں لکھا ہے ان سب کو حرام یا حلال رسولؐ ہی نے تو قرار دیا ہے اگر آپ حدیث کو درمیان سے خارج کردیں گے تو اسلام کی تمام بنیادیں ڈھا دیں گے اور تمام ارکان اسلام کی عمارت زمین پر آ رہے گی بمثلاً نماز کے بارے میں قرآن شریف میں صرف اس قدر وارد ہوا ہے کہ "اقیمو الصلوٰۃ" نماز قائم کرو۔ نماز پڑھو۔ اصل وضع اور لغت کے اعتبار سے صلوٰۃ کے معنی دعا برکت حاصل کرنے۔ آگ تاپنے اور آگ میں گوشت بھون کر کھانے کے ہیں۔ عربی محاورہ ہے صلیت الشاۃ، یعنی میں نے بکری کو آگ پر بھونا۔ اب اگر صلوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واعمال اور احادیث سے قطع نظر کرلی جائے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ نماز کو موجودہ صورت میں ادا کرنے کے بجائے

کوئی من چلا منکر حدیث صرف دعا کر لیا کرے۔ یا آگ سامنے ہو تو ہاتھ تاپ لیا کرے یا گوشت بھون کر کھا لیا کرے۔ لیجیے!! نماز کا قصہ اور اسلام کا بڑا ستون ختم۔ پھر نماز کی ہیئت کذائیہ میں قیام رکوع سجود وغیرہ شامل ہیں ان میں مقررہ آیات وسور اور درود و ادعیہ پڑھی جاتی ہیں رکوع وسجود میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کی تکرار کی جاتی ہے تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کی جاتی ہے ہر نماز کے لیے جداگانہ رکعات کا تعین ہے۔ اگر یہ سب کچھ قرآن میں نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو ہم کو مان لینا چاہیے کہ یہ ہیئت کذائیہ اور تفصیلات وتعینات رسول اللہ نے قرآن کے اجمال کی تفصیل وتشریح کے طور پر مقرر کی ہیں اور یہ سب کی سب احادیث ہی سے ثابت ہیں۔ سجدے کے معنی خود قرآن میں متعدد مقامات پر سامنے کی طرف سر جھکا دینے کے ہیں مسجد کی موجودہ شکل اور زمین پر پیشانی اور ناک ٹیک دینا رسولؐ ہی نے تو بتلایا ہے۔

اب اسلام کے دوسرے رکن روزے کو لیجیے، قرآن میں کتب علیکم الصیام وارد ہوا ہے یعنی تم پر روزے فرض کیے گئے۔ صوم کے معنی بات کرنے سے رک جانے کے ہیں یہ معنی خود قرآن سے ثابت ہیں۔ سیدہ مریم کا قول قرآن میں نقل ہوا ہے انی نذرتُ للرحمان صوماً فلن اکلم الیوم انسیاً " میں نے چپ ہونے کا روزہ رکھا ہے کہ آج کسی بشر سے بات نہیں کروں گی " صوم کے معنی چلتے چلتے رک جانے کے بھی ہیں۔ الفرس صائمٌ الریح صومتہٗ۔ گھوڑا چلتے چلتے رک گیا ہوا بند ہو گئی۔ اب اگر کوئی شخص کچھ دیر کے لیے چپ سادھ لے یا چلتے چلتے کچھ دیر کے لیے رک جائے اور اس چپ سادھ لینے اور چلتے چلتے رک جانے کو فرض روزہ کی ادائیگی سمجھ بیٹھے تو آپ کس دلیل سے اس کو قائل کر سکیں گے۔

اب حج بیت اللہ کی طرف چلیے۔ حج کے لغوی معنی کسی کا دیدار اور زیارت کا قصد کرنے کے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی محبوب کا دیدار یا کسی برگزیدہ شخصیت کی زیارت کے لیے چل پڑے اور سمجھ لے کہ فریضہ حج ادا ہو چکا تو کیا آپ کے پاس اس کو قائل کرنے کے لیے اور اس گمراہی سے اس کو بچانے کے لیے حدیث رسولؐ کے علاوہ کوئی اور دلیل

وذریعہ ہے ۔ حج کے لیے قرآن پاک میں فمن الحج البیت وارد ہوا ہے ۔جس کے معنی گھر کا قصد وارادہ کرنے کے ہیں جو قرآن میں متعدد مقامات پر بیت کے معنی گھر کے لیے گئے ہیں ایک جگہ بیت سے بیت المقدس بھی مراد لیا گیا ہے ۔جو کم وبیش چودہ سال پانچ ماہ تک اسلام کا قبلہ اول بھی رہ چکا ہے ۔ اگر کھینچ تان کر فمن الحج البیت کے لفظ سے بیت اللہ مراد لے لیا جائے تب بھی بات نہیں بنتی اس لیے کہ حج مکہ اور خانۂ کعبہ میں کہاں ہوتا ہے وہ کعبہ سے بارہ پندرہ میل دور جبل رحمت کے قریب میدان عرفات میں ہوتا ہے، جہاں ایک خاص دن میں مقررہ میعاد و وقت تک قیام و وقوف اصل حج اور حج کی روح ہے، اسی طرح منیٰ میں قیام بھی ضروری ہے ۔ اور یہ وقوف عرفات اور قیام منیٰ اور دوسرے تمام مناسک حج وحی متلو قرآن پاک سے نہیں بلکہ وحی غیر متلو حدیث ہی سے ثابت ہیں۔ اگر انسان سالہا سال مکہ میں مقیم اور خانہ کعبہ کے گرد گھومتا ہے اور ۶ فریضہ وقوف عرفات نہ کر پائے تو وہ قطعاً محروم الحج ہے۔ پھر قرآن میں حج کا کوئی ایک مہینہ مقرر نہیں "الحج اشھر معلومات" اشہر جمع ہے جس کا اطلاق دو یا دو سے زیادہ پر ہوتا ہے، تاریخ اور دن کا تعین صرف رسول اللہ کے عمل یعنی حدیث ہی سے تو ثابت ہے ۔

اب زکوٰۃ کو لیجیے۔ زکوٰۃ کے معنی پاک کرنے کے ہیں۔ زکوٰۃ کب دی جائے کن کن اشیاء و اجناس پر دی جائے ان سب کے متعلق قرآن خاموش ہے، اور تفصیلات و تشریحات کے لیے سوائے رسول اللہ کی احادیث کے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ۔ اگر کوئی عمل قرآنی کا مدعی اور حدیث کا منکر اشیاء و اجناس زکوٰۃ کو پانی سے دھو کر پاک کر ڈالا کرے تو کیا اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ؟ ۔

نکاح ۔نکاح کے معنی گرہ لگانے کے ہیں۔ ایجاب وقبول گواہ۔ شاہد کسی کا ذکر قرآن میں نہیں ہے یہ سب کچھ رسول علیہ السلام کے اقوال و اعمال و افعال یعنی احادیث ہی سے ثابت ہو کر آغاز رسالت سے آج تک اور تا قیامت واجب العمل رہا اور رہنے والا ہے۔ اب اگر کوئی شخص نکاح کے معنی گرہ باندھنے کے لیے کر کسی راہ چلتی خاتون کے پلو میں اپنے دامن یا مفلر کی گرہ باندھ دے تو کیا اس کا نکاح صحیح ہو جانا چاہیے ۔

اور آگے چلیے اگر قرآن کے ساتھ تشریحات نبوی یعنی احادیث کو شامل نہ کیا جائے تو شراب کی حرمت کا ثابت ہونا بھی مشکل ہو جائے گا۔ قرآن میں خمر کا لفظ آیا ہے جس کے معنی اوڑھنے اور ڈھانکنے کے ہیں۔ اگر کوئی بدمست شرابی شراب پیتا ہے اور بدن کو ڈھانکتا ہے تو کیا رند کا رند رہے گا۔ اور اس کے ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے گی۔ اسی دلیل سے ایک مادر پدر آزاد خاتون یہ استدلال کر سکتی ہے کہ خمر یعنی بدن ڈھانکنے کو قرآن میں شیطانی عمل کہہ کر گویا بدن ڈھانکنے سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا خواتین کی عریاں لباسی نیم برہنگی اور برہنگی سب کچھ قرآنی احکام کی تعمیل کے ذیل میں کھینچ تان کر لائی جا سکتی ہے۔ الغرض قرآن میں جس قدر احکام ہیں وہ سب کے سب اصول کے طور پر ہیں جزئیات تمام تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمائے ہیں۔ ۲۳ سال تک ان اصولوں پر رسول اللہ کی مقرر کردہ جزئیات و تفصیلات کے مطابق عمل ہوتا رہا اور انہیں اصولوں پر اور جزئیات کے مجموعے پر صحابہ کرامؓ عمل کرتے رہے۔ منجانب اللہ حرف گیری تو کجا بلکہ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" فرما کر خدا کی طرف سے رسول کے مقرر کردہ طریق عبادت پر مہر تصدیق ثبت کر دی گئی۔ اور سب سے آخر میں حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں آخری آیت نازل فرما کر تکمیل دین کا مژدہ سنایا گیا۔ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" ظاہر ہے کہ آغاز نبوت یعنی قرآن مجید کی پہلی آیت اقرا باسم ربک الذی خلق سے لے کر آخری آیت کے نزول "الیوم اکملت لکم دینکم" تک ۲۳ سال کی مدت میں رسول اللہؐ امت کو قرآنی آیات و احکامات کے ماتحت جو تعلیم دیتے رہے اس کو اسوۂ حسنہ کا بہترین نمونۂ عمل کہا گیا اور آخر میں اس کو تکمیل دین قرار دے دیا گیا۔ اگر رسول اللہؐ کی ان تشریحات و تفصیلات میں کوئی کمی یا نقص ہوتا تو ۲۳ سال تک خدا کی طرف سے قرآن نازل ہوتا رہا۔ اس دوران میں من جانب اللہ غلطی کی اصلاح و درستی قطعاً کر دی جاتی جب کہ متعدد مواقع پر "عبس و تولی ۞ ان جاءہ الاعمی ۞" اور "یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ

ندک" اور "ماکان لنبی ان یکون لہٗ اسری حتی یثخن فی الارض"
اور ماکان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا
ذوی القربیٰ" وغیرہ آیات کے ذریعے تنبیہ واصلاح حال کر دی جاتی ہے۔
اگر روزہ نماز حج، زکوٰۃ، نکاح وغیرہ کے سلسلے میں اور فرائض واحکام کے ضمن
میں کوئی کسر اور نبی آخرالزماں کا فیصلہ اور یقین وتشریح قرآن اور حق جل مجدہ کی منشاء
کے خلاف تھی تو تنبیہ کا دروازہ کہاں بند تھا وہ تو کھلا ہوا تھا۔ منجانب اللہ تنبیہ اور
اصلاح کا اقدام نہ ہونا اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ رسول اللہ کی تشریح وتفسیر میں
کوئی کمی اور کسر تھی ہی نہیں۔

اب آئیے اس سلسلے کی آخری بات بھی ذہن نشین کرتے چلیے۔ قرآن میں حق تعالیٰ کا
ارشاد ہے کہ " وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" رسول علیہ السلام اپنی خواہش
اور ذاتی اغراض سے بات نہیں کرتے بلکہ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی ہی ہوا کرتی ہے۔ ظاہر
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت کی پوری ۲۳ سالہ مدت میں بسلسلہ تبلیغ احکام اسلامی
جو کچھ ارشاد فرماتے رہے وہ وحی خفی وجلی (متلو وغیر متلو) دونوں کے ماتحت ہوتا تھا۔
یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ نطق ہمایونی صرف وحی متلو یعنی وحی جلی یعنی قرآنِ
مجید ہی ہوا کرتا ہو۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی پوری زندگی
میں جو ۲۳ سال کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی تھی صرف قرآن ہی قرآن بولتے اور اس کی تلاوت
فرماتے رہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن صرف چند لاکھ الفاظ کا مجموعہ ہے کسی عظیم
ترین انسان بلکہ ابدالآباد اور قیامت تک احکام خداوندی کے مبلغ اعظم کی ۲۳ سال تک
نطق وگفتگو کتنے الفاظ پر مشتمل اور کس قدر الفاظ کا مجموعہ ہونی چاہیے۔ آئیے ماہرینِ
السنہ کے مرتبہ اعداد وشمار کا جائزہ لیں اور اس کی روشنی میں رسول آخرالزماں اور
خاتم النبیینؑ کے لبِ لعلین سے جھڑتے ہوئے موتیوں کا شمار واندازہ کریں۔ ماہرین السنہ کی
رائے ہے کہ ایک عام آدمی شبانہ روز میں ۲۶ ہزار الفاظ بولتا ہے۔ اگر خاتم النبیینؑ
کی تبلیغی حیثیت سے قطع نظر کر کے ۲۶ ہزار الفاظ روزانہ ہی قرار دے لیے جائیں

تو ۲۳ سال میں ان ن تہ اد تقریباً ۳۰ کروڑ تک پہنچ جاتی ہے۔ ان ۳۰ کروڑ میں سے قرآن کے چند لاکھ الفاظ جدا کر لینے کے بعد جس قدر باقی رہیں ان میں سے بھی حذف و اسقاط سے جو بچ رہیں وہ سب وحی خفی کے تحت آنے چاہئیں اور یہ سب احادیث ہیں خاص کر ان احادیث کے وہ احکام جو تشریعی ہیں بالکل قرآن کی طرح واجب الاطاعت جزو دین اور امت کے ہر فرد کے لیے واجب العمل ہیں صرف اس فرق کے ساتھ کہ قرآن کے الفاظ تک محفوظ ہیں اور احادیث صحیحہ کے معانی اور مفاہیم محفوظ ہیں۔

یہ سلسلہ بڑا دراز ہے۔ دور تک جا سکتا ہے اور قرآن کی درجنوں آیات سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ رسول علیہ السلام مطاع ابدی ہیں اور آپ کی احادیث و ارشادات خدائی احکام اور قرآنی اوامر و نواہی کی طرح واجب التعمیل والعمل ہیں ان میں سے

اندکے با تو بگفتم
ورنہ سخن بسیار است

اعدائے اسلام نے اور خاص کر منافقین کی ایک جماعت نے اپنی سیاسی اغراض کی تکمیل اور دین اسلام میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے سنہ ۴۰ھ سے دوسری صدی کے ابتدائی بیس پچیس سال تک وضع احادیث کا سلسلہ اور فتنہ برپا رکھا اسی دوران میں کچھ دین دار افراد بھی مسلمانوں میں دین داری اور نیک عملی کا شوق پیدا کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب کی نئی نئی حدیثیں تصنیف کر کے سنانے لگے تھے۔ بعض افسانہ سرا واعظین زیب داستان کے لیے اور سامعین کی توجہ جذب کرنے اور ان کا استعجاب حاصل کرنے کے لیے موقع محل کے لحاظ سے نئی نئی باتیں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی طرف منسوب کرنے لگ گئے تھے چنانچہ اس اسّی پچاسی سال کے عرصے میں جس قدر احادیث وضع کی گئی تھیں، محدثین نے ان کا پتہ چلا لیا۔ موضوعات کی نشاندہی کر دی اور کھرا کھوٹا الگ کر کے رکھ دیا۔ اس ضمن میں اسماء الرجال کا ایک فن مرتب کر کے چھان بین اور ان پر ایسی جرح اور قدح کی کہ سچ اور جھوٹ نکھر کر اور ابھر کر سامنے آگیا اور معاندین اسلام کی کوششوں پر پانی پھر گیا۔ چنانچہ

آج ایسی کوئی ایک بھی حدیث موجود نہیں، جو موضوع ہو اور اس کو موضوع قرار نہ دے دیا گیا ہو۔

قرون اولیٰ کے ایک مختصر عرصے میں بعض حالات اور قرآن و حدیث کے التباس کے خوف سے بندش احادیث کے متعلق کچھ احتیاط ضرور ہوئی تھی۔ اور یہ فاروقی دور میں اس کی شدت کچھ بڑھ گئی تھی لیکن جوں ہی التباس کا خوف جاتا رہا، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی طرح احادیث نبوی کی تدوین وحفاظت شروع کردی اور قرآن مجید ہی کی طرح اسکو قابلِ عمل جزو دین ماخذ شریعت اور واجب التعمیل قرار دے دیا۔ حدیث کے ساتھ امت کا یہ والہانہ شغف کو دیکھ کر ہی تو واضعین نے اپنے مخصوص سیاسی اغراض کے لئے وضع احادیث کا حربہ استعمال کیا۔ ورنہ اگر دینی اطاعت کے باب میں حدیث قرآن کے مثل وحی نہ سمجھی جا رہی ہوتی تو واضعین حدیث وضع حدیث کا فتنہ ہی کیوں اٹھاتے۔ اس فتنے کے برپا ہونے کی وجہ ہی یہ ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل اور ہر عمل کو قرآنی احکام کا درجہ دیتے تھے۔ قرآن کا اعجاز آیاتِ قرآنی کے معیار کے مطابق کلام تصنیف کرنے سے عاجز و قاصر کرچکا تھا لہٰذا اپنے مقصد و مطلب کے لیے وضع احادیث کا فتنہ ایک منصوبے کے ماتحت برپا کردیا گیا جو زیادہ عرصے تک چل ہی نہ سکا غور کیجیے ہم نے قرآن کریم کو کلام اللہ اور منزل من اللہ کس کے کہنے سے تسلیم کیا، رسول اللہ کے ارشادِ گرامی کی بنا پر رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہی تو حدیث ہے۔

خدائے لایزال ولم یزل جیسی نادیدہ اور برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ہستی کا پتہ ہم کو کیسے چلا۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشان دہی اور ارشاد سے رسول اللہ کی یہ نشان دہی اور خدا کی ہستی کے باب میں آپ کے ارشادات کو آپ حدیث کے سوا اور کیا نام دیں گے۔

ہم آپ نے ارکان اسلام نماز روزہ حج زکاۃ کی تفصیلات کہاں سے معلوم کیں۔ اسلامی احکام اور اوامر و نواہی کی تشریحات کہاں سے لیں، صرف رسول اللہ

کے اقوال و اعمال سے ۔ رسول اللہؐ کے یہی اقوال و اعمال تو حدیث ہیں ۔ اب اگر آپ حدیث کا انکار کرتے ہیں تو اس کا اثر کتنا دور رس اور نتیجہ کس قدر دردانگیز ہوگا ۔ آپ کو خدا کا انکار کرنا ہوگا اور خود قرآن کا انکار کرنا ہوگا قرآن نے صرف بنیادی باتیں اور اصول کلی بیان کیے ہیں ان کی تشریح وتفریح اور ہر اصل بنیاد کو متعین ومقرر کردینے اور شاخ در شاخ پھیلا دینے کا ذمہ اور ان کا دار ومدار رسول اللہؐ کے اقوال و اعمال پر اور عمل کر کے دکھلا دینے پر رہا ہے ۔ قرآن قرآن ہے ۔ یہ خدا کا کلام ہے یہ آپ کو کس نے بتلایا؟ رسولؐ ہی نے تو بتلایا ۔ اگر رسولؐ کے قول کو آپ حدیث سمجھ کر ناقابل تسلیم خیال کرتے ہیں تو کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ قرآن کو قرآن اور کلام الٰہی کو کلام اللہ تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں آپ اس کا انکار نہیں کرسکتے کہ قرآن نے صرف اصول بیان کیے ہیں ان کی تفصیلات و جزئیات (بائی لاز) تمام تر رسول اللہؐ کے اعمال و اقوال یعنی احادیث سے ثابت ہو کر واجب العمل قرار پائی ہیں اور قرآن سے ان جزئیات و بائی لاز کے استخراج کی ذمہ داری خود خدا نے رسول اللہ پر عائد کی ہے ۔ "انا جعلناک علیٰ شریعۃ من الامر" کیا قرآن کی آیت نہیں ہے ۔ کیا اس آیت کے ذریعے حق جل مجدہٗ نے رسول اللہؐ کو قانون ساز یعنی قوانین کلیہ سے استخراج جزئیات و بائی لاز کا مختار و مجاز نہیں بنایا کیا قرآن نے "یحرم علیکم الخبائث و یحل لکم الطیبات" کے ذریعے رسول اللہؐ کو حرمت و حلت کا مجاز قرار نہیں دیا ۔

۴۔ حکمت ریاضیہ

(نوٹ) شیخ الرئیس نے حکمت اور اس کی ہر سہ اقسام الٰہی، ریاضی، طبعی کو چوالیس (۴۴) اصول و فروع پر تقسیم کیا ہے اور منطق کو حکمت طبعی میں شامل رکھا ہے ۔

(اصول حکمت الٰہی) پانچ ہیں :

۱۔ امور عامہ ۔

۲۔ اثبات واجب اور جو اس سے متعلق اور اس کے لائق ہے۔

۳۔ اثبات جوہر روحانیہ۔

۴۔ قوت سماویہ کے ساتھ امور ارضیہ کا ارتباط۔

۵۔ نظام ممکنات کا بیان۔

حکمت الٰہی کے فروع دو قسم کے ہیں۔

"پہلی قسم میں کیفیت وحی۔ معقول کا محسوس ہو جانا۔ الہیات کی تعریف، روح الامین ہیں۔

دوسری قسم میں معیار روحانی کا علم ہے۔

(اصول حکمت ریاضی) چار ہیں:

۱۔ علم العدد،

۲۔ علم الہندسہ،

۳۔ علم الہئیت،

۴۔ علم موسیقی اور نغمات کے حالات و تفصیلات۔

اس کے فروع چھ ہیں:

۱۔ علم جمع تفریق۔

۲۔ جبر و مقابلہ۔

۳۔ مساحت۔

۴۔ علم جرّ الاثقال۔

۵۔ زائچے اور تقادیم۔

۶۔ غناؤں کا علم جو آلات کا اتحاد ہے۔

(اصول حکمت طبعی) آٹھ ہیں:

۱۔ اجسام کے عام امور۔

۲۔ ارکان (عناصر) کا کون و فساد۔

۳۔ ناتمام مرکبات (کائنات الجو)

۴۔ معادن کے حالات

۵۔ نفس انسانیہ

۶۔ نفس حیوانیہ

۷۔ نفس ناطقہ۔

۸۔ نباتات کے حالات۔

حکمت طبعی کے فروع سات ہیں:

۱۔ طب

۲۔ نجوم

۳۔ علم الفراست

۴۔ علم التعبیر۔

۵۔ علم نیرنجات جو قوائے جواہر ارضیہ کا امتزاج و آمیزش ہے۔

۶۔ علم طلسمات جو قوائے سماویہ اور قوائے ارضیہ کی آمیزش اور امتزاج ہے

۷۔ علم کیمیا جو اجرام معدنیہ کی آمیزش سے قوتوں کی تبدیلی کی بناء پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔

منطق حسب ذیل نو ابواب پر مشتمل ہے:

۱۔ کلیات خمسہ

۲۔ تعریفات

۳۔ تصدیقات

۴۔ قیاس

۵۔ برہان

۶۔ خطابۃ

۷۔ جدل

۸۔ مغالطہ

۹۔ شعر

حکمت الٰہی کے اصول
حکمت الٰہی کے فروع
حکمت ریاضی کے اصول
حکمت ریاضی کے فروع
حکمت طبعی کے اصول
حکمت طبعی کے فروع

حکمت الٰہیہ، حکمت ریاضیہ، حکمت طبعیہ کے ماتحت نوٹ کے ذیل میں یہ تفصیلات پڑھو۔

۹
دہر

دہر سرمد اور زمان ایسے الفاظ ہیں جن کا مفہوم متعین کرنا اور ان کے مابین جو دقیق فرق ہے اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے بڑے طویل غور و فکر کے بعد جو چیز منتج ہو سکی ہے وہ یہ ہے کہ سرمد سب سے بلند و بالا اور دہر کا ظرف ہے کہ دہر اس میں در آیا اور سمایا ہوا ہے پھر دہر زمان کا ظرف ہے کہ زمان اس میں سمایا ہوا اور در آیا ہوا ہے اس کے بعد زمانے کا نمبر ہے کہ تمام انقلابات، تمام تبدیلیاں اور ہمہ قسم کے تغیرات و انقلابات خواہ تدریجی ہوں یا دفعی ظرف زمان میں سمائے ہوتے ہیں۔۔۔۔ اور زمانہ ان کا ظرف ہے کم سے کم اور مختصر سے مختصر الفاظ میں ان کی تلخیص و تعیین شاید اس طرح کی جا سکے کہ ثابت کی نسبت ثابت کی طرف جائے تو سرمد ہے متغیر کی طرف ثابت کی نسبت کی جائے تو دہر ہے متغیر کی نسبت متغیر کی طرف کی جائے تو زمان ہے سرمد اور سرمدیت صرف حق جل مجدہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ مختص ہے۔ دہر اور دہریت کا اطلاق عقول پر بھی ہو سکتا ہے۔

اس کے ماسوا جس قدر بھی تغیر پذیر موجودات ہیں وہ سب زمانی اور داخل زمان ہیں بعض تشریحات سے کچھ ایسا بھی مفہوم ہوتا ہے کہ دہر اصل ہے اور ازل و ابد دونوں کو

شامل ہے سرمد اور زمان، ازل اور ابد کے دوزخ اور دو بازو ہیں یہ تشریح دل کو اس لیے لگتی سی ہے کہ حدیث قدسی ہیں ....

لا تسبوا الدھر دانی انا الدھر

تو وارد ہوا ہے لیکن نص یا شریعت کی زبان میں سرمد کا اطلاق حق جل مجدہ، پر نظر سے نہیں گذرا، عام طور پر مسلمان مصنفین کی تالیفات بھی ایک دو مستثنیات کے علاوہ حق تعالیٰ پر اس لفظ کے اطلاق سے خالی ہیں۔

دہر، سرمد اور زمان کے سلسلے میں فلاسفہ و حکماء نے بڑی کاوشیں کی ہیں اور ان کی بڑی طویل بحثیں کتب حکمت و فلسفہ میں درج ہیں یہ بحثیں اس قدر دقیق اور مشکل ہیں، کہ بڑی دقت سے ذہن نشین ہوتی ہیں

بہر کیف عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سرمد دہر کا ظرف ہے اور دہر زمانے کا ظرف ہے اور زمانہ تغیرات کا ظرف ہے خواہ وہ تغیرات دفعی ہوں یا تدریجی ہوں اسکو یوں ذہن نشین کیجیے کہ موجود متحیز کو جب بھی ہویت اور وجود لاحق ہوگا اور وہ ہویت و وجود سے متصف ہوگا تو لامحالہ غیر قار الاجزاء ہوگا یعنی اس کے اجزاء سب کے سب بیک وقت اس میں موجود اور مجتمع نہ ہوں گے بلکہ کچھ اجزاء بعض سے مقدم اور بعض سے مؤخر ہوں گے مثلاً حرکت کو دیکھیے کہ اس کے اجزاء میں تقدم و تاخر بذاتہ موجود ہے اور سارے اجزاء بیک وقت مجتمع نہیں ہیں بنا بریں ہم آپ یہ تسلیم کر لینے پر مجبور ہیں کہ اس اعتبار سے موجود مقدار اور غیر قار امتداد قرار پایا اور یہ موجود اتصالی اس مقدار پر منطبق ہوا اور اس طرح منطبق ہوا کہ اس وجود اتصالی کے اجزاء کا ہر جزو اس مقدار کے اجزاء کے ہر ہر جز کے مطابق اور اس پر منطبق ہے جز مقدم جز مقدم پر اور جز مؤخر جز مؤخر کے مطابق اور اس پر منطبق ہوا ہے۔ یہی مقدار متغیر غیر قار جس کی طرف یہ موجود متغیر غیر قار منسوب ہو رہا ہے یہی تو زمانہ ہے اور اس جیسا موجود جو متغیر تدریجی کہلاتا ہے زمانے پر انطباق کے بغیر پایا نہیں جاتا ...... رہے متغیرات دفعیہ جو آناً فاناً پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ ظرف الزمان ہوا کرتے ہیں ان کا بھی یہ حال ہے کہ وہ بغیر زمان کے نہیں پائے

جاتے۔ اس سے واضح ہو رہا کہ زمان متغیرات کا ظرف ہے، اب رہ گئے ماضی اور حال و مستقبل سو وہ متغیرات تدریجیہ کی نسبت کے لحاظ سے ہیں یا ان متغیرات دفعیہ کے لحاظ سے ہیں جو اس امتداد غیر قار کے اجزاء پر منطبق ہیں جو خود زمان ہے اب آپ کسی امر ثابت کی نسبت زمان کی طرف کیجیے خواہ اس امر ثابت کا ثبوت واجب تعالیٰ کی طرح بالذات ہو یا جواہر مجردہ اور افلاک کی طرح کسی علت کی بنا پر ہو یہ نسبت کون اور حصول کی نسبت کے بغیر ممکن نہیں ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ نسبت زمانے کے ساتھ موجود ہے بالکل اسی طرح کہ جس طرح زمانہ موجود ہے ....

یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ زمانے کی طرف ثابت کی نسبت حصول کی نسبت نہیں ہے یعنی زمانہ اس امر ثابت کا ظرف نہیں ہے کیونکہ اگر زمانہ کسی شئے کا ظرف ہو تو یہ شئے ذی اجزاء ہوگی کیونکہ اس کے اجزاء زمانے کے اجزاء پر منطبق ہوں گے اور لا محالہ یہ انطباق اجزاء کے تغیر اور گذران پر موقوف ہوگا اور اس کی لیے یہاں تک پہنچے گی کہ اس کے اجزاء غیر قار اجزائے زمان غیر قار پر منطبق ہوں گے جس کا انجام یہ ہوگا کہ زمانہ متناہی ہو کر رہ جائے گا۔ اور اس حقیقت سے تم باخبر ہو کہ جو چیز بھی کسی دوسری چیز کے ساتھ پائی جاتی ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ اس میں حاصل و داخل بھی ہو اور اس شئے کی مظروف بن کر دوسری شئے کو اپنا ظرف بنا دے۔

افلاک خردلہ (رائی کے دانے) کے ساتھ موجود ہیں اور وہ خردلہ افلاک میں نہیں ہے لہذا یہ امر ثابت اپنی ذات کی حد تک زمانے سے مستغنی ہے اس طرح کہ جب بھی ہم اس کی ذات پر نظر ڈالیں تو اس کا امکان ہے کہ وہ زمانے کے بغیر موجود ہو۔

بنابریں زمانے کی نسبت یہ امر ثابت صرف حصول اور کون محض کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں ہونے سے مجرد لاتعلق اور مستغنی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کون و حصول کا ظرف کیا ہے جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ظرف "دہر" ہے دہر کی دستیابی کے بعد اب ہم کو سرمد کی تلاش میں بادیہ پیمائی کرنی ہے۔

گذشتہ سطور میں صراحت کے ساتھ بتلایا جا چکا ہے کہ امر ثابت دو طرح کا ہوتا ہے۔

ایک ثابت بالذات دوسرا ثابت بالغیر یا ثابت بالعلت، اب آپ ثابت بالذات کو ثابت بالغیر یعنے ثابت بالعلت کی طرف نسبت کرکے دیکھیں گے تو جیسا کہ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں اس امر ثابت کو ایسا کون اور ایسا حصول حاصل ہو چکا ہو گا جو امر ثابت بالغیر کے حصول و کون سے ارفع واعلیٰ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ امر ثابت بالذات واجب الوجود حق جل مجدہ، کی ذات ارفع واعلیٰ ہے، جب آپ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں گے تو حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ بھی ہے، وہ ہلاکت و بطلان کے سوا کچھ نہ ہو گا، ظاہر ہے کہ اس نظر سے اور اس معنیٰ کرکے اس کون ارفع واعلیٰ کا وعاء (سرپوش) اور ظرف صرف اور خالص سرمد ہی ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر سرمد اور سرمدی وجود کو صرف واجب الوجود حق جل مجدہٗ کے ساتھ مختص قرار دے دیا گیا ہے۔ بناءً علیہ سرمد وعاء المکنون بھی ہے اور وعاء دہر بھی ہے کون ارفع صرف حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور کون دہری جواہر مجردہ اور تمام ثابت بالغیر امور کے لیے ہے جواہر مجردہ اور ثابت بالغیر امور کے لیے ہے جو کون ہے وہ سرمدی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ سرمدی صرف حق تعالیٰ کے ساتھ مختص ہو چکا ہے ظاہر ہے کہ کون دہری بذات خود اور اپنی ذات کے حدود و لحاظ کی حد تک فانی اور معرض ہلاکت میں ہے۔

دہر کا جو مفہوم مندرجہ بالا سطور میں متعین ہو سکا ہے اس سے آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا۔ کہ وہ (دہر) زمانے کا سرپوش اور ظرف ہے جس میں زمانہ سمایا اور در آیا ہوا ہے اسی طرح ظاہر ہے کہ زمانہ تغیرات کے لیے وعاء و ظرف ہے۔ وہ تغیرات خواہ تدریجی ہوں یا دفعی ہوں۔ یہی حال ان تمام زمانیات کا ہے کہ جن کا وجود اور متقرر ہونا زمانوں سے اور متعینہ آنات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ یعنی کہ تمام اکوان اور تمام زمانے اور زمانوں کے تمام اجزاء اور جس قدر بھی زمانی و آنی حوادث ہو سکتے ہیں وہ بیک وقت اور دفعتاً دہر میں موجود ہیں، اس طرح کہ ان کو ماضی مستقبل اور حال سے کوئی تعلق اور واسطہ تک نہیں ہے اور نہ انتقال و زوال کے عارض ہونے کا ان کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔ اس لیے کہ پورا زمانہ اور اس کے اجزاء اور اس کے حدود حصول یا گذران کے لحاظ سے قطعاً مختلف نہیں ہو جاتے۔ جب کہ ان کو ثابت محض کی بہ نسبت قیاس کیا جائے۔ لہٰذا اس صورت حال کے

ہوتے ہوئے زمانے کا کل اور اس کے اجزاء سب کے سب دہر میں حصول کے لحاظ سے یک جا اور ساتھ ہوں گے اگر وہ کل اور اس کے اجزا ساتھ ساتھ اور یک جا نہ ہوں تو دہر میں گذران اور تجدد ذات پیدا ہو رہیں گے جن کی وجہ سے لازماً زمانے اور اس کے اجزاء میں امتداد (پھیلاؤ) پیدا ہو جائے گا جس کا خلاف توقع یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ دہر اپنی پوزیشن تبدیل کر لے گا اور وہ زمانے کا روپ دھار لے گا۔ جو خلاف منشاء اور انہونی بات ہے لہٰذا جن کو حصول کہا جاتا ہے وہ اکوان اور زمانوں کا حصول ہے یہی صورت حال سرمد میں بطریق اولیٰ جاری ہوگی۔

متغیرات تدریجیہ زمانے پر منطبق ہوئے بغیر پائے ہی نہیں جا سکتے یہی حال تغیرات دفعیہ یعنی دفعتہً حادث ہو جانے والے تغیرات کا ہے کہ وہ آن میں پیدا ہوتے ہیں جو طرف الزمان ہے لہٰذا ان کو بھی بغیر زمانے کے نہیں پایا جانا چاہیے اور یہ ظاہر ہے کہ امور ثابتہ جن کے لیے تغیر تدریجی اور دفعی کی کوئی راہ اور گنجائش نہیں ہے وہ بھی اگرچہ زمانے کے ساتھ معیت رکھتے ہیں تاہم وہ اپنی ذات خالص کی حد تک زمانے سے مستغنیٰ ہوتے ہیں۔

یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ جب متغیر کی نسبت متغیر کے ساتھ معیت یا قبلیت کے لحاظ سے کی جائے گی تب تو وہاں دونوں جانب زمانہ ہوگا اور جب ثابت کی نسبت متغیر کی طرف ہوگی تو زمانہ صرف ایک جانب ہوگا، لیکن جب ثابت کی نسبت معیت کے ساتھ ثابت کی طرف کی جائے تو باوجود دونوں کے متقارب وہمنشین ہونے کے دونوں زمانے سے مستغنیٰ اور لاتعلق ہوں گے۔

اب آیئے زمانے کے متعلق حکما و فلاسفہ کے نقطہائے نگاہ کو بھی معلوم کرتے چلیں شاید کہ ان مختلف نقاط نگاہ سے اصل بحث پر مزید روشنی پڑ سکے حکماء مشائیہ کے مسلک پر زمانہ کم متصل ہے غیر قار (غیر مجتمع الاجزاء) اور فلک الافلاک کی حرکت کا مقدار ہے، دوسرے حکماء اور متکلمین کے نزدیک زمانہ معدوم متجدد سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے دوسرا موہوم متجدد "کم" متقدر ہوتا ہے بعض حکماء زمانے کو مطلقاً معدوم کہتے ہیں، بعض

اس کے ثبوت کو عینی نہیں بلکہ وہمی مانتے ہیں بعض اس کو واجب الوجود قرار دیتے ہیں بعض فلک کو زمانہ سمجھتے ہیں بعض مطلقاً حرکت کو زمانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعض اس کو فلک الاعظم یعنی فلک محدّد للجہات کی حرکت کا مقدار خیال کرتے ہیں یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ زمانہ مقولہ "متیٰ" سے ہے جس کو سال، ماہ اور دن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہم نے سرمد، دہر اور زمانے کی جو تشریحات و تفصیلات پیش کی ہیں وہ فلاسفہ محققین کے اس اشارے میں مندرج ہیں۔

"نسبت المتغیّر الی المتغیر زمانٌ۔ ونسبت الثابت الی المتغیر دھرٌ۔ ونسبت الثابت الی الثابت سرمدٌ۔ واللہ اعلم۔

۳۱ روح

جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ روح ایسی شئے ہے جس کو حق تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہے اس کی نسبت ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ وہ موجود ہے اور بس۔ جمہور متکلمین قاضی باقلانی وغیرہ کا خیال ہے کہ وہ جسم نورانی، علوی، سبک، اور متحرک ہے جواہر اعضاء میں اس طرح گھلا ملا ہے جیسے پانی میں گلاب۔ متکلمین میں سے بعض کا خیال ہے کہ روح عرض ہے اور ایسی حیات ہے کہ جس کی وجہ سے بدن زندہ رہتا ہے۔ فلاسفہ محققین کی رائے ہے کہ وہ جوہر ہے، قایم بالذات متحیّز ہے۔ مادے سے مجرد ہے خود جسم نہیں لیکن متحیّز بدن کے قرین ہے۔ وہ ایسا عرض بھی نہیں ہے جو دوسرے میں قایم ہوا کرتا ہے، اس لحاظ سے اس کو بدن میں داخل اور بدن سے خارج بھی نہیں کہہ سکتے۔ وہ نہ متصل ہے نہ منفصل نہ جسم ہے نہ جسمانی بلاشبہ اس کو بدن کے ساتھ تدبیر و تصوف کا تعلق ہے اور کسب کمالات میں مادے کا ضرورت مند ہے۔ امام حجۃ الاسلام کا بھی یہی خیال ہے اور ارباب کشف کے مشاہدات بھی اسی حد پر ختم ہو جاتے ہیں۔ محققین کا یہی خیال ہے کہ روح کی ازلیّت و ابدیّت کے باب میں بھی اختلاف رائے ہے۔ صوفیہ کی ایک کثیر جماعت کا کہنا ہے کہ روح سرمد ہے، ازلی ہے، ابدی ہے، انسانی بدن کے خراب یا معدوم ہو جانے سے خراب

اور معدوم نہیں ہو جاتی محققین کے مابین صوفیہ، امام حجۃ الاسلام اور اشراقیہ مشائیہ اس کی ابدیت کے تو قائل ہیں لیکن ازلی نہیں مانتے۔ پھر ان سب کے مابین اس کی ماہیت کے باب میں اختلاف ہے کہ جنسی یا نوعی ہے ارسطو اور ابو علی اس کو ماہیت نوعیہ قرار دیتے ہیں دوسرے حکماء و متکلمین میں سے امام رازی اور ابوالبرکات بغدادی کی رائے ہے کہ وہ ماہیت جلیہ ہے ان حضرات کے مابین ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ روح کا عروج فساد و انہدام بدن کے بعد شروع ہوتا ہے یا اس سے بھی پہلے شروع ہو سکتا ہے اس باب میں بڑی خیال آرائیاں اور نکتہ آفرینیاں کتابوں میں درج ہیں۔

۱۱۱ سحر

سحر کی بعض صورتیں کرامت و معجزے سے ملتی جلتی ہیں جس کی وجہ سے ان کے مابین امتیاز مشکل ہو جاتا ہے لیکن حسب ذیل امور پیش نظر ہوں تو ان کے مابین تفریق کی جا سکتی ہے۔

۱۔ جس شخص سے خلاف عادت امر ظاہر ہو اس کے عام حالات اور خصائل و عادات پر نظر ڈالنی چاہیے، اگر وہ طبعاً شریر اور خبیث النفس ہے، اچھائیوں سے گریزاں اور برائیوں سے ملوث رہتا ہے تو جادوگر ہے اگر کریم النفس اور اچھے خصائل سے آراستہ و پیراستہ اور اچھائیوں کی طرف مائل اور برائیوں سے بچتا رہتا ہے تو نبی یا صاحب کرامت ولی ہے۔

۲۔ جادو کے کچھ معین و مخصوص مذموم کرتب ہیں جن کے ارتکاب سے وہ حاصل ہوتا ہے اور سر پر چڑھ کر بولتا ہے۔ برخلاف کرامت کے کہ اس کے لیے کوئی خاص عمل مخصوص نہیں ہے وہ تو احکام شریعت پر عمل پیرا رہنے سے اور پھر بھی اللہ کا فضل شامل حال ہونے سے نصیب ہوتی ہے۔

۳۔ جادو کے لیے سیکھنا اور کسی جادوگر کی شاگردی لازمی ہے اور کرامت کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔

۴۔ سحر کے لیے ضروری نہیں کہ طالبین کے مطالب کے مطابق و موافق ہی ہو اس کے

تو محدود اور معین مطالب ہیں کرامت لامحدود ہیں اور طالبین کے مقاصد کے موافق ظہور میں آجایا کرتی ہے۔

۵۔ جادو ایک مقررہ زمانے میں اور کسی معین مکان میں مخصوص شرائط کی ساتھ جگایا جاسکتا ہے اور کرامت کے لیئے زمان و مکان اور شرائط کی کوئی پابندی نہیں۔

۶۔ جادو میں جادوگر ایک دوسرے کے بالمقابل اظہار فخر کے لیئے باہم ایک دوسرے کا توڑ کرتے رہتے ہیں کرامت میں اس قسم کی نفسانی اور تفاخر کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۷۔ جادو جگانے اور اس کے کرتبوں کے مظاہرات کے لیے بڑی محنت و مشقت کی ضرورت پڑتی ہے اور کرامتیں بلا جہد و مشقت ہزاروں از خود ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

۸۔ ساحر علانیہ فسق و فجور میں مبتلا اور نجاست میں لتھڑا رہتا ہے بسا اوقات وہ غسل جنابت بھی نہیں کرتا اور نہ استنجا کرتا ہے اور نجاست آلود کپڑے تک پاک و صاف نہیں کرتا اس لیے کہ اس قسم کی ناپاکیاں اور نجاست میں آلودگی جادو جگانے کے لیئے بڑی موثر ثابت ہوتی ہیں۔

۹۔ جادوگر عموماً خلاف شرع مطالبات کرتا رہتا ہے اور صاحب کرامت جو بھی امر کرتا ہے وہ شریعت کے عین مطابق ہوتا ہے جب کرامت اور سحر کے مابین اس قدر وجوہ فرق موجود ہیں تو اب سمجھ لو کہ جادو اور معجزے میں بھی بدرجہ اولیٰ اس قسم کے فرق موجود ہیں (دیکھو خارق عادت)

۱۲ سیرۃ النبیؐ

بنی نوع انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی ہزاروں پیچیدہ مسائل کا مجموعہ اور ان مسائل کے سلسلے کی لاکھوں الجھنوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے چاروں طرف سے اور زمین و آسمان سے اس پر مصائب و آلام کے تیر برستے رہتے ہیں اور اس کے جسم و روح میں پیوست ہوتے رہتے ہیں۔ کرب و اذیت کے اس عالم میں وہ قدرتی اور طبعی طور پر چاہتا ہے کہ اس کو کسی طرف سے ایسی ہدایت و رہنمائی ملے جس کی روشنی میں وہ ان مشکلات سے نجات پا سکے

اور زندگی عافیت و آسانی کے ساتھ گزار سکے اور دوسرے عالم میں جو دائمی زندگی ملنے والی ہو، وہ بھی خوش گوار بن سکے۔

ان مقاصد کے ماتحت عامۃ الناس کی مضطرب روح اور متلاشی نگاہیں ادھر ادھر بھٹکتی ہیں۔ ایک طرف ان کو اساطین حکمت و فلسفہ سقراط، بقراط، دیمقراطیس، بطلیموس، فیثاغورث، دیوجانس کلبی، جالینوس، افلاطون، ارسطو اور سولن زمین و آسمان کے قلابے ملاتے اور عالم عناصر و افلاک کی پیمائش کرتے نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف سکندر و دارا، نپولین، فراعنۂ مصر، قیصران روم و خسروان ایران جیسے اولوالعزم سلاطین و کشور کشا فاتحین دکھائی دیتے ہیں جو رات دن دنیا کو ادھر سے ادھر اور تہ و بالا کرتے رہے ہیں اور با ایں ہمہ خلق خدا کی فلاح و بہبود کے دعویدار بھی ہیں۔ تیسری جانب راجہ اشوک، رام چندر، گوتم بدھ، زردشت جیسے رشی و مہرشی، ریفارمر اور مصلحین پیش نظر ہو جاتے ہیں جن کے اصلاحی اصول و کارنامے بڑے ہی محیّر العقول اور عظیم الشان تھے۔ یہ عظیم المرتبت انسان اپنے علم، عقل، ہمت اور بخت و اتفاق کے سہارے افق عالم پر آفتاب و مہتاب بن کر چمک رہے تھے لیکن عامۃ الناس نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ ان کی حکمت، ان کا فلسفہ اور ان کے مرتب کردہ دساتیر و قوانین ان کی فاتحانہ کشور کشائیاں اور ان کی اصلاحات انسانی زندگی کی گتھیاں سلجھانے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی تطہیر و پاکیزگی اور اصلاح اعمال و اخلاق کے سلسلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہو سکتے۔

اصول خواہ کیسے ہی دل کش کیوں نہ ہوں اور کتنی ہی شیریں زبانی اور زور قلم سے ادا کیے جائیں قلوب و ارواح کے لیے کوئی پائدار جذب و کشش اور اپیل نہیں رکھتے جب تک کہ ان کی پشت پر عملی زندگی اور کسی سیرت کا خوش نما اور جاذب قلب و نظر نمونہ نہ ہو سوال یہ ہے کہ یہ بلند پایہ مصلحین اپنے مرتبہ بلند اصولوں کو خود بھی اپنا سکے تھے اور کیا وہ ان پر عمل کر سکے تھے؟ جب ان میں سے کسی ایک کی ساری زندگی کے واقعات ہمارے سامنے نہیں ہیں تو کیسے باور کر لیا جائے کہ وہ اصول قابل عمل ہو سکتے تھے جب خود واضعین اصول ان اصولوں کو نہ اپنا سکے تو عوام الناس کے لیے ان پر عمل کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہو سکتا ہے بہر حال جیسے جیسے وقت گذرتا گیا ان کی ذہنی کاوشیں اور دماغی تراوشیں از کار رفتہ

ہو ہو کر نسیاً منسیاً اور ضائع ہوتی چلی گئیں تا آنکہ آج ان کے بتائے ہوئے اصول اور سارے طور طریق داستان پارینہ بن کر "نقش و نگار" طاق نسیاں ہو گئے۔

اب ہدایت و رہنمائی کی تلاش میں نگاہیں ان انبیائے سابقین و ہادیان برحق کی طرف اٹھتی ہیں جو روحانی طاقتوں کے حامل اور خلق اللہ کی ہدایت و رہنمائی کے لیئے من جانب اللہ مامور ہو کر آئے تھے اور وقتی طور پر اپنے اپنے محدود دوائر میں کامیاب تھے ان کی تعلیم اور ان کی تلقین اور ان کی عملی زندگی کے کچھ نمونے دنیا کے سامنے تھے اور دنیا والے ان کے قدم بہ قدم منزل مقصود کی جانب رواں دواں تھے لیکن ان انبیائے سابقین کی تعلیم و تبلیغ کا جو سلسلہ تھا وہ عہد طفولیت کی دنیا کے لیے تھا وہ سلسلہ نہ تو دائمی تھا اور نہ عالمگیر و ہمہ گیر ان کی زندگی کے واقعات نہ تو سلسلہ وار سامنے تھے اور نہ وہ تاریخی معیار پر پورے اترتے تھے ان میں جامعیت و اکملیت بھی نہ تھی کہ انفرادی و اجتماعی ادوار زندگی کے ہر تقاضے اور ہر ضرورت کے مطابق اور ہر حالت پر حاوی ہوتے مزید برآں مفاد پرستوں اور اقتدار کے پجاریوں نے ان کی تعلیم کو مسخ کر کے اپنی اپنی منشاء کے مطابق ڈھال لیا تھا اور اس کی اصل صورت ہی بگاڑ کر رکھ دی تھی۔ لہٰذا عین اس وقت جب کہ انسانی زندگی دور طفولیت عبور کر چکی تھی اس میں بلوغ و پختگی اور ایک ٹھیراؤ پیدا ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ سب سے بڑی نعمت خداوندی کے جذب و قبول کے لیے صالح اور راہ پر آ چکی تھی ہدایت کی تلاش میں تھی رہنما کے لیئے بے تاب اور رہنمائی کی پیاسی تھی "دعائے خلیل اور نوید مسیحا کا ظہور ہوا اور وہ جامعیت کبریٰ ابر کرم کی طرح برسی اور خاتم النبین کے خلعت زیبا سے مزین ہو کر مبعوث ہوئی جو "اوّل ما خلق اللہ نوری" کے مطابق سب سے اقدم "لولاک لما خلقت الخلق" کے اعتبار سے سبب تخلیق عالم اور نبوت و رسالت کے لحاظ سے مصداق حدیث "کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین" تھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چشم براہ دنیا نے تسلیم کر لیا کہ "لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ"۔

(یعنی بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر احسان کیا کہ ان کے درمیان انہیں میں سے رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کے نفس کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو قرآن اور حکمت یعنی حدیث کی تعلیم دیتا ہے) یہ جامعیت کبریٰ آخری بھی اور قیامت تک کے لیے بھی اس لیے اس کو ہر نہج کمل عالمگیر اور دائمی نمونہ بننا تھا اسی وجہ سے اس کے ہر قول، ہر جنبش، ہر ادا، ہر نقش قدم بلکہ پوری حیات طیبہ کو مختلف، متضاد اور متصادم حالات اور اجتماعی و انفرادی زندگی کی ہر منزل اور ہر مرحلے میں قابل تقلید مثال بنا کر بطور نمونہ پیش کیا گیا زندگی کے جو نکتے نکتہ وروں سے حل نہ ہو سکے اور اس کی وہ الجھنیں اور گرہیں جو فلسفیوں سے سلجھ اور کھل نہ سکیں اس کو تلمیذ "علیم الحکیم" نے چند اشاروں میں سلجھا دیا اور حل کر کے رکھ دیا۔

اسی لیے اس زندگی کا ہر پہلو از مہد تا بہ لحد تاریخی حیثیت رکھتا ہے ہر طرح کمل ہے اور اس کا کوئی فعل کوئی عمل دوست تو دوست دشمن تک سے مخفی اور اوجھل نہیں رکھا گیا جامعیت کے لحاظ سے از آدم تا عیسیٰ یہ سیرت " آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کی مصداق تسلیم کی جا چکی ہے اور تنہا یہی ایک سیرت ہے جو عمل کے معیار پر کانٹے کی تول پوری اترتی ہے اور طبقات انسانی کی ہر انفرادی و اجتماعی حالت کے لیے سراج منیر کا کام دیتی ہے۔ اس جامعیت کبریٰ کی لائی ہوئی شریعت حقہ اسلامیہ نے عملی زندگی یا حکمت عملی کو انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے اتنے مفصل کمل اور ہمہ گیر طریق پر اپنے دائرے میں لے لیا ہے کہ اس کا کوئی پہلو تشنہ اور ادھورا نہیں چھوڑا بلکہ ہر گوشہ اجاگر اور روشن کر کے رکھ دیا۔

قرآن کریم کے ایک ایک لفظ میں اصول و کلیات اور اخلاق کے گنج ہائے گراں مایہ پنہاں ہیں صاحب القرآن علیہ التحیات کی لسان صدق "ماینطق عن الھویٰ" سے نکلا ہوا ایک ایک حرف اخلاق و تہذیب اور تطہیر اعمال انسانی کے لیے اور عملی زندگی میں پیش آنے والی مشکلات کے حل کے لیے حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے پھر قرآن اور احادیث کے ذخائر میں جو کچھ ہے اس کے ایک ایک حرف پر عمل کر کے دکھا دینے والی خود بہ نفس نفیس ذات اقدس ارواحنا فداہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والے اصحاب کرام ہیں، رضوان اللہ علیہم اجمعین" اگر" وحی متلو" (قرآن) میں اور "وحی غیر متلو" (تشریعی احادیث) میں کہا

گیا کہ افرادِ انسانی کو یوں کرنا چاہیئے اور ایسا ہونا چاہیئے تو اس "شارع آئین شناس خوب و زشت" اور معلم القرآن والحکمت نے وہی کرکے اور ویسا ہی ہو کر بتا بھی دیا۔ قرآن و احادیث اگر الفاظ ہیں تو ذاتِ اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معانی کا بحر مواج قرآن علم ہے اور اس علّمہ شدید القوی " اور " اوحی الی عبدہ ما اوحی" کا مایۂ نازش کائنات وجود از سرتا بہ پا مرقع عمل۔

قرآن قانون ہے تو ذاتِ مقدس نبوی "انا جعلناک علیٰ شریعۃ من الامر" اور یحرم علیکم الخبائث ویحل لکم الطیبات۔ " کی بناء پر قانون سازی کے اختیارات کی حامل اور نفاذ و تشریع کی مجاز اور حرام و حلال کی مختار و مجوز قرار دی گئی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن قوانین کلیہ اور دستوری اصول پیش کرتا ہے تو یہ ہمہ گیر و ہمہ دان ذات اقدس جزئیات و فروعات (بائی لاز) کا استخراج کرکے مشکلات حل کر دیتی ہے اور "الدین یسر" کی بشارت سنا دیتی ہے۔

قرآن اجمال ہے اور اس "راز دان جزو کل ختم الرسل" کا پیکر نورانی اس کی تفصیل، قرآن متن ہے اور وہ "امی و دقیقہ دان عالم" از سرتا بہ قدم اس کی تفسیر و تشریح۔ قرآن کنایہ ہے اور اس "کشاف رموز ما زاغ البصر" کی برتر از چرخ بلند ذات اس کی تصریح۔ کتاب اللہ اگر قرآن صامت ہے تو یہ مقصود حرف "کن فکان" اور سبب تخلیق عالم قرآن ناطق۔

تاریخی حیثیت سے آپ سیرت محمدی کا جائزہ لیجیے اس وقت سے لے کر جب کہ عبداللہ کے دُرِّ یتیم اور آمنہ کے لال کو پیدائش کے فوراً بعد آپ کے جدِ امجد عبدالمطلب مولد النبی کے گہوارۂ خلوت سے نکال کر خانۂ کعبہ کے جلوت (اسٹیج) پر لائے تھے اور خوش نصیب نگاہوں نے یہ جمال جہاں آرا دیکھا تھا آخری لمحات حیات ظاہری تک یہ ذات قدسی ایک لمحے کے لیئے بھی انسانی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو سکی اس کے حرکات و سکنات اس کے دن، اس کی راتیں، اس کی صبحیں، شامیں، بچپن سے لے کر جوانی تک اور جوانی سے زندگی کے آخری سانس تک منظر عام پر رہیں اور بایں ہمہ ہر قسم کی حرف گیری سے محفوظ رہ کر تا قیام قیامت راہ نوردوں کے لیے نشان منزل بنی رہیں گی، صلوٰ علیہ وآلہ۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر نگاہ ڈالیں

گئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ اس ایک مقدس زندگی میں مختلف طبقات انسانی اور انسانی حالات کے متضاد و مختلف مظاہر کے لیے مکمل ہدایت و رہنمائی موجود ہے اور دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود اسی انسان کامل کی اتباع و پیروی میں مضمر ہے جسمانی راحت ذہنی سکون اور قلب و روح کی تسکین کے سارے گر اسی مدینۃ العلم" کی درس گاہ سے سیکھے جا سکتے ہیں۔ ایک بادشاہ وقت اور اقتدار اعلیٰ کا حامل حکمران سلطان عرب سے طریق جہاں بانی اور حکمرانی کے اصول سیکھ سکتا ہے اور عدل و انصاف کے مقتضیات پورے کر سکتا ہے۔ ایک فاتح انسان، فاتح مکہ اور سپہ سالار بدر و حنین کے نقش قدم پر چل سکتا ہے اور جان و مال و عزت کے درپے رہنے والوں پر اور سالہا سال مسلسل ہدف جور و ستم بنانے والے ظالموں، سفاکوں اور قاتل دشمنوں پر قابو پا لینے اور ان کے دست و پا شکستہ کر دینے کے بعد جب کہ دوست دشمن کسی بڑے ہی ہولناک فیصلے کے منتظر تھے وہ فاتح و سالار اعظم دفعتہً "رحمۃ اللعالمین" کا مظاہرہ کر گزرتا ہے اور پکار پکار کر عفو عام کا اعلان کر دیتا ہے۔

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء

"آج کے دن تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

ایک دولت مند انسان بحرین کے خزینہ دار اور مکے کے تاجر کی تقلید کر سکتا ہے جاگیر کے کاروبار کو ترقی دینے کا خواہش مند بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کا کاروبار اور نظم و نسق دیکھ سکتا ہے۔ اگر بسلسلۂ تجارت سفر میں ہے یا تاجر ہے تو بصریٰ کے تجارتی کارواں سالار کے طور طریق اپنا لے اور خدیجۂ طاہرہ کے معتمد اور ان کی جانب سے مامور تجارت سے تجارتی ڈھنگ سیکھ لے۔ اگر کوئی عدالت کا منصف، مجسٹریٹ، جج اور پنچایت کا ثالث ہے تو خانۂ کعبہ میں حجر اسود کو نصب کرنے والے اور مدینے کی خام مسجد کے ریتیلے فرش پر بیٹھ کر فصل خصومات کرنے والے منصف، جج اور ثالث کے فیصلوں کو پڑھ لے۔ اگر معلم اور استاد ہے تو صفّہ کی درس گاہ کے معلم قدس کی بارگاہ سے سند تلمذ حاصل کر لے۔

اگر شاگرد اور طالب علم ہے تو روح الامین کے ساتھ بیٹھ کر استادِ ازل (علمِ ربّی) سے درس لینے والے طالب علم کے طریق آداب پر نظر رکھے اگر ناصح اور واعظ ہے تو مدینے کی مسجدِ نبوی کے منبر پر وعظ کہنے والے پند و نصائح سنے۔ اگر کوئی یتیم ہے تو دیکھے کہ عبداللہ اور آمنہ خاتون کا دُرِ یتیم دورِ یتیمی کی تلخیاں کس خوش گواری سے گوارا کر گیا! اگر بچہ ہے تو اس کو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کے نقش قدم پر چلایا جاسکتا ہے۔ اگر بھائی ہے تو شیمہ اور انیسہ کے دودھ شریک بھائی حبیب لبتے اور بہنوں کی زبان سے "ھذا اخی" (یہ ہمارا بھائی ہے) کے میٹھے بول اور شیریں نغمے سنے۔ اگر کوئی مزدوری سے جی چراتا ہو اور محنت و مشقت کے کام سے اس کو عار ہو تو سرورِ کائنات ؐ کو غزوۂ خندق میں مزدوروں کی ہیئت و حلیے میں پھاوڑا چلاتے، گڑھے کھودتے، پتھر توڑتے اور ڈھوتے دیکھ لے اور اس اروا حنا فداہ کے بازوؤں پر جمی ہوئی گرد اور مقدس و شفاف شرح کردہ سینہ کو خاک و دھول سے اٹا ہوا دیکھ لے! اگر کسی کو اپنی حیثیت سے کمتر درجہ کے کام سے عار آتی ہو تو مکے کی چراگاہوں میں، چرواہوں کے جھرمٹ میں شہنشاہِ کونین کو عین عالم شباب میں بکریاں چراتے اور ان کی گلہ بانی کرتے دیکھ لے۔ اگر کوئی مسلسل ناداری و افلاس اور تنگ دستی کا شکار ہو تو مہاجرین مدینہ اور ان کے سردارِ اعظم ؐ پر عام الحزن کے طویل دور میں جو بیت گئی اس کے حالات پڑھ لے۔ اگر فاقہ کشی سے کوئی بدحال ہے تو تاجدارِ مدینہ اور آپ ؐ کے جاں نثاروں کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے دیکھ لے۔ اگر کسی کے اعزہ قتل کیے گئے ہوں تو وہ حضرت حمزہ کے قاتل، وحشی اور محرکِ قتل ہندہ کے ساتھ رحمتِ عالم و عالمیان کا محیّر العقول عفو و کرم اور سلوک دیکھ لے۔ اگر کسی کو مسرت و شادمانی کے لمحات میسّر آجائیں تو عین عالم مسرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ صمدیت میں سجدہ ریز اور غرقِ تشکر دیکھ لے اگر کوئی رعیت کا بے کس مظلوم فرد ہے تو قریش جیسے ظالموں اور جابروں کے ظلم و جبر میں دبے ہوئے مظلوم کی حالت سے اپنی بے بسی کا موازنہ کرلے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

اگر کوئی غریب فاقہ کش اور بے سہارا ہے تو مدینے کے مہمان اور شعب ابی طالب کے اسیر ظلم و ستم کی حالت سے سبق لے اور عام الحزن (سال غم و اندوہ) کے طویل دور

میں شہنشاہ کونین اور آپ کے رفقا کی حالت پر نگاہ عبرت ڈال لے۔ اگر کوئی لڑائی میں شکست کھا چکا ہے تو اس کے لیے معرکۂ احد میں درس عبرت اور نمونۂ عمل موجود ہے۔ اگر کسی کو جادۂ حق اور صراط مستقیم سے ہٹانے کے لیے دھمکیاں دی جا رہی ہوں تخویف و ترہیب کے حربے استعمال کیے جا رہے ہوں ترغیب و تحریص کے جال بچھائے جا رہے ہوں تو سرداران قریش اور سربراہان مکہ کے حربوں اور جالوں سے دامن بچا کر صاف نکل جانے والے مبلغ حق کے واقعات سے ثابت قدمی کا سبق سیکھ لے۔ اگر عالم بے کسی و کس مپرسی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دینا اور حق ادا کرنا ہو تو مکہ اور طائف کے بازاروں اور گلی کوچوں میں پھر پھر کر سب و شتم کے طوماروں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں حق کا اعلان کرنے والے بے یار و مددگار نبی آخر الزماں کا اسوہ اور انتہائی مظالم و شدائد پر صبر و برداشت کی مثال اور نمونہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم میں سے کوئی مہاجر اور کوئی انصار ہے تو اس کی رہنمائی کے لیے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کی مواخات کے صدہا واقعات اور درجنوں مثالیں اوراق تاریخ پر بکھری پڑی ہیں اور تم کو دعوت مطالعہ دے رہی ہیں۔ شوہروں کو خدیجۃ الکبریٰؓ اور عائشہؓ صدیقہ کے مقدس شوہر کی حیات طیبہ اور اس کے سلوک کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہر صاحب اولاد کو فاطمۃ الزہراؓ کے باپ اور حسینؓ کے نانا کا اسوہ اپنا لینا اور ان کی شفقت و محبت کے تیور دیکھتے رہنا چاہیے اگر کسی کا لاڈلا بچہ فوت ہو جائے تو وہ ابراہیم جیسے نونہال جانِ ما کے لاشہ پر دل فگار باپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے الفاظ سن لے۔ اندرونی کرب و اذیت کے باوجود صبر و شکر کے آنسو بہتے دیکھ لے۔

ان العین لتدمع وان القلب لیحزن وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون۔

اگر کسی سے کوئی معاہدہ اور وعدہ کیا ہے تو اس کی پابندی اور ایفا کے ہزارہا واقعات احادیث و سیر کی کتابوں میں درج ہیں اور تم کو دعوت مطالعہ دیتے رہتے ہیں الغرض کوئی شخص بھی ہو کسی حال میں ہو کسی دور میں ہو اس کو اپنی زندگی سنوارنے اور اخلاق و کردار و اعمال کی درستی و استواری کے لیے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل جامع تاریخی اور عملی زندگی سے اور آپ کی سیرت طیبہ سے روشنی مل سکتی ہے جس خوش نصیب انسان کے سامنے یہ پیکر عمل اُمد

نمونۂ سیرت موجود ہے اس کی نگاہ میں بیک وقت نوح، ابراہیم ایوب، یونس، یعقوب یوسف موسیٰ، عیسیٰ علیہم السّلام اور تمام اولوالعزم پیغمبروں کی سیرتیں موجود ہیں کیونکہ یہ اکیلی سیرت تمام سیرتوں کی جامع ہے۔ ؎

حسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری
آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

نوٹ: صاحب کتاب کا یہ مضمون ہمدرد صحت ڈائجسٹ جون ۱۹۶۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ویسے علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کی شہرہ آفاق تالیف سیرۃ النبیؐ اور سید سلیمان ندوی کے خطبات مدراس پر مبنی ہے۔ (ادارہ)

عقل

درحقیقت عقل نفس اور ذہن ایک ہی شئی کے مختلف روپ ہیں مدرک ہونے کے لحاظ سے عقل کہہ دیا جاتا ہے۔ متصرف ہونے کی بنا پر نفس کہا جاتا ہے ادراک کے لیے مستعد ہونے کے اعتبار سے ذہن کہہ دیتے ہیں۔ عقل کا مقام و محل بعض کے نزدیک دماغ ہے اور بعض کے خیال میں قلب ہے۔

حکماء جن عقول عشرہ کے قائل ہیں یعنی عقل اول سے لے کر عاشر تک دس عقلیں مانتے ہیں یہ عقل بھی ان ہی کی جنس یا نوع میں سے ایک ہے۔ یہ دس عقلیں اپنی ذات اور اپنے افعال و کمالات کے سلسلے میں مادے سے مجرد ہوتی ہیں اور ان عقول کو عقول مجردہ کہا کرتے ہیں۔ شریعت کی زبان میں عقول کو ملائکہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
معلم اول ارسطو ان عقول کی تعداد پچاس بتلاتا ہے۔ شیخ الرئیس عقول کے لاتعداد ہونے کا قائل ہے وہ کہتا ہے کہ حقائق کی کثرت اس امر کی مقتضی ہے کہ عقول بھی لاتعداد ہوں۔ بعض حکماء کا یہ خیال ہے کہ جوہر عقل اپنی ذات کے اعتبار سے تو مادے سے ضرور مجرد ہے لیکن افعال و کمالات حاصل کرنے کے لیے مادے کا قرین اور اس کا محتاج ہے۔ ظاہر ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے عقل انسانی جو مدرک کلیات ہے نفس ناطقہ قرار پاتی

ہے۔ حالاں کہ لغت اور شہرت عامہ کے لحاظ سے عقل اور نفس ناطقہ ایک دوسرے سے متاثر نہیں جس پر دلیل یہ ہے کہ عقل مدرک کا اطلاق جس طرح اس قوت پر کیا جاتا ہے جو سبب ادراک ہے ایسے ہی اس جوہر مجرد پر کیا جاتا ہے جو مادے سے اپنی ذات کے لحاظ سے مجرد ہو اور اکتساب کمالات و افعال میں مادے کا محتاج ہو۔ عقل و نفس کے باہمی تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ جس طرح بصارت نورِ شمس سے کسب نور کرتی ہے اسی طرح نفس عقل کی روشنی سے معقولات کا ادراک کرتا ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ عقل نفس ہی کی ایک قوت ہے جس کے ذریعے نفس اکتساب علوم اور ادراکات کے قابل ہو جاتا ہے بشرطیکہ اسباب و آلات صحیح و سالم میسّر آجائیں۔

عقل کے متعلق ایک خیال یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے بدن میں ایسا نور اور ایسی روشنی ہے جس کی وجہ سے وہ دور دراز کی راہیں روشن ہو جاتی ہیں جہاں پہنچ کر آگے بڑھنے سے حواس قاصر رہ جاتے ہیں اسی وجہ سے یہ فقرہ زبان زد ہو چکا ہے کہ محسوسات کی انتہا معقولات کی ابتداء ہے۔

"بدایت المعقولات نہایت المحسوسات"

مثلاً ایک انسان نے ایک عالیشان عمارت دیکھی عمارت دیکھ لینے کے بعد حسِ بصر کا کام ختم ہو گیا۔ اب یہاں عقل کی روشنی آئی اور اس نے استدلال قائم کیا کہ شاندار عمارت ظاہر ہے کہ خود بخود تو بن کر کھڑی نہیں ہو گئی ضرور کوئی نہ کوئی اس کا صانع اور بنانے والا ہے اس طرح جب حس بصر زمین و آسمان کو ان کی وسعتوں اور پنہائیوں کو ان کے عجائب و غرائب کو دیکھتی ہے تو متحیر رہ جاتی ہے۔ اس کے تحیر کو عقل کی روشنی دور کر دیتی ہے وہ بتلاتی ہے کہ ان سب کا خالق و صانع ضرور ہے جو مدبر ہے قدیم ہے حکیم و قادر ہے اور اس صانع میں یہ ساری صفات ہونی چاہئیں بغیر ایک ایسے جامع الصفات صانع کے یہ عظیم و محیر العقول کارخانہ قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ اب آئیے اس باب میں ہم حکماء و فلاسفہ اور سید ولدِ آدم خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا جائزہ لیتے چلیں حکماء و فلاسفہ خلّاق عالم کی پہلی تخلیق عقل اول کو قرار دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس سلسلے میں

حسب ذیل ہیں "اول ماخلق اللہ القلم" "اول ماخلق اللہ نوری" یہ اقوال باہم متعارض نہیں بلکہ ان کا مصداق ایک اور صرف ایک ہی ہے دیکھیے معلول اول اور تخلیق اول چونکہ مجرد ہے اور اس کو اپنی ذات اور مبدء کا ادراک ہے اس لحاظ سے وہ عقل ہے اور چونکہ وہ دوسرے تمام موجودات کے صدور کا باعث اور علوم کے نقوش کے لیے ذریعہ اور واسطہ ہے اس لیے قلم بھی ہے۔ اور چونکہ وہ انوار نبوت کے فیضان کا سبب و وسیلہ ہے اس لیے وہ سید الانبیاء کا نور ہے۔

حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۷۷ فصاحت

فصاحت کے سلسلے میں جہاں تک نامانوس مغلق خلاف قیاس الفاظ اور متنافر کلمات کی بھرمار کا تعلق ہے، عربی زبان کے ایک ماہر و قادر الکلام ادیب کے غیر فصیح سامعہ خراش الفاظ و کلمات بھی سن لیجیے جو آپ کی زبان گوہربار سے اس وقت تراوش کر گئے تھے جب کہ سر بازار آپ سواری سے گر پڑے تھے اور وہاں کے باشندے جوق درجوق ہجوم کر کے ان کے گرد جمع ہو گئے تھے جن کا خیر مقدم آپ نے جھڑکیاں دے کر ان الفاظ میں فرمایا تھا۔ "مالکم تکاکاتم علی کتکاکؤکم علی ذی جنۃ افرنقعوا عنی"۔ جس کی سیدھی سادی عربی یوں ہے۔ "مالکم اجتمعتم علی کاجتماعکم علی ذی جنۃ فابعدوا عنی" یعنی تم مجھ پر اس طرح ہجوم کر کے کیوں آ گئے ہو جس طرح کہ تم کسی پاگل پر چڑھ دوڑتے ہو۔ مجھ سے دور ہو جاؤ۔ اور لوگ یہ کہتے ہوئے الٹے پیر لوٹ گئے تھے کہ "دعوہ فان شیطانہ یتکلم بالھندیۃ" یعنی اس کو اس کے حال پہ چھوڑ دو اس کا ہمزاد تو ہندی بول رہا ہے۔"

اب آئیے فصاحت کے ضمن میں ماسبق و مالحق کے مابین ربط معیار کی یکسانیت متوازن معتدل اور موزوں الفاظ کے استعمال پر غور کریں۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس دو معیار ہیں؛ ادبائے عرب کی شاعری اور قرآن مجید، آخر الذکر کی فصاحت و بلاغت اور معجز نمائیاں نقل اور عقل کی رو سے مسلم ہیں اور ادبائے عرب اس کے مثل کلام پیش کرنے سے عاجز و درماندہ

ہو کر بالاعلان اعتراف کر چکے ہیں کہ " ماھذا قول البشر (یہ کسی بشر کا تو قول نہیں ہے)۔

بلاشبہ اہل عرب کی زبان دانی اور ان کی فصاحت و بلاغت بھی شہرۂ آفاق بن چکی تھی اور اس کی وسعت و ہمہ گیری میں بادیہ نشین اور ان کے بچے اور بچیاں تک آچکی تھیں اور سارا ملک عرب فصاحت و بلاغت کے زمزموں سے گونج رہا تھا اور عرب کے علاوہ ساری دنیا " گویا کہ عجم (گونگی) تھی۔

اس ضمن میں عرب کے ایک مشہور فصیح البیان نامور شاعر " امرؤالقیس " کی لڑکیوں کا دلچسپ واقعہ روشنی ڈالنے کے لیے غالباً کفایت کرے گا۔

متعدد وجوہ کی بنا پر کچھ لوگ امرؤالقیس کے دشمن اور اس کے قتل کے درپے ہو گئے تھے' اور موقع کی تاک میں لگے رہتے تھے' بدقسمتی سے ایک بار صحرا میں دو بدوی دشمنوں سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہ اکیلا اور نہتا تھا' دشمن دو اور مسلح دشمنوں نے اس کو للکارا اب قتل سے مفر اور گریز کی کوئی راہ نہ تھی۔ اس نے التجا کی کہ قتل کے بعد میری دونوں لڑکیوں تک میرا ایک پیغام پہنچا دیا جائے' پیام صرف ایک مصرع تھا۔

یا بنتا امرأ القیس اِنّ اباکما

(اے امرأالقیس کی دونوں بیٹیو تمہارا باپ)

ظاہر ہے کہ کلام (مصرع)، ناتمام و ناقص تھا۔ اور کسی خاص مفہوم کی جانب مشعر نہ تھا۔ چنانچہ قتل کر چکنے کے بعد دونوں قاتل مقتول کے قبیلے میں پہنچے لڑکیوں سے کہا کہ تمہارے باپ نے یہ مصرع بطور پیام تم کو بھیجا ہے۔

یا بنتا امرأ القیس انّ اباکما

لڑکیوں نے مصرع کے ذریعے پیام سنا' قدرے تامل کیا اور دونوں نے جھپٹ کر دونوں پیام بر قاتلوں کے ہاتھ پکڑ لیے۔ اور نالہ و شیون کا طوفان برپا کر دیا۔ شور سن کر تمام پڑوسی اور سارا قبیلہ وہاں سمٹ آیا۔ لڑکیاں رو رو کر اور سر پیٹ پیٹ کر الزام دھر رہی تھیں کہ یہ دونوں پیام بر ہمارے باپ کے قاتل ہیں' ہم ان سے قصاص لیں گے' بالآخر دونوں مستغیث و ملزم فصل خصومات کرنے والی قبیلے کی پنچایت میں پیش ہوئے' لڑکیوں نے

قتل کا استغاثہ دائر کیا، ملزم انکاری ہوئے۔ استغاثے کی دلیل یہ تھی، ملزم پیام لے کر آئے ہیں کہ ـــــ

یا بنتا امراؤ القیس ان ابا کما

یہ پیام نامکمل اور مصرع ناتمام ہے، اس پیام اور مصرع کی تکمیل و تتمیم کسی ایسے ہی دوسرے مصرع کے ذریعے ہونا چاہیئے جو فصاحت میں اس کے لگ بھگ اور اسی کے معیار کا ہو۔

اس مصرع کے ساتھ بجز اس کے کوئی دوسرا مصرع لگا کھاتا ہی نہیں کہ ـــــ

قد قتل و قاتلاہ لدا کما

یعنی اے امراؤ القیس کی دونوں بیٹیو خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا باپ فی الحقیقت قتل کر دیا گیا ہے اور اس کے دونوں قاتل تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔

لڑکیوں کی اس دلیل کے خطوط پر تحقیقات ہوئی جرح و قدح کے بعد ملزموں کو اقرار کرتے بنی اور دونوں قصاص میں مار دیئے گئے۔

اس ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عرب کی فصاحت و بلاغت کس نقطۂ عروج پر تھی۔ اب ایک قدم آگے بڑھایئے اور غور کیجیے فصاحت و بلاغت کے ایسی طغیانی دور میں قرآن مجید انہیں کے اسلحہ سے مسلح اور فصاحت و بلاغت ہی کا مدعی بن کر آتا ہے اور چیلنج کرتا ہے "ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ" (اگر تم کو ہمارے اپنے رسول پر نازل کردہ قرآن پر شک و شبہ ہے تو بھلا دیکھیں تم تو کوئی اس جیسی ایک آدھ سورت موزوں کر کے پیش کرو)، پھر دیکھیے قرآن اس چیلنج ہی پر بس نہیں کرتا بلکہ ان کو ایک رعایت اور سہولت بھی دے دیتا ہے۔" وادعوا شہداءکم " (تم جس کو چاہو اپنی مدد کے لیے بلا بھی لو اور اپنے ساتھ شریک کر لو)، پھر چیلنج اور چیلنج کے بعد یہ ظاہر رعایت و سہولت اور فی الحقیقت ان کے سمند ناز پر ایک اور تازیانے کے بعد ان غیرت و حمیت کے پتلوں کو ناکام رہ جانے کا طعنہ دے کر جھنجوڑتا بھی ہے۔ " فان لم تفعلوا ولن تفعلوا" پھر اگر تم فصاحت و بلاغت کے معیار پر پوری اترنے والی کوئی سورت نہ بنا سکو اور کہنے سننے کی کیا بات ہے حقیقت و اصلیت یہ ہے کہ تم بنا ہی نہ سکو گے تو پھر تم جہنم کی اس آگ کے لیے تیار ہو جاؤ جس کا ایندھن

انسان اور کنکر پتھر بننے والے ہیں جو تم ہی جیسے منکرین حق کے لیے تیار کی گئی ہے۔

"فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ" یہ تو قرآن کا مخصوص و محدود چیلنج تھا جو صرف فصحاء عرب کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کرکے دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ساری دنیا کے لیے عام چیلنج بھی موجود ہے۔ جس میں قرآن کے حقیقی مورد و مہبط اور اصلی مخاطب حضور اقدس سرور عالم و عالمیان سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "آپ ساری دنیا سے واشگاف الفاظ میں فرما دیجیے کہ "اگر سارے جن اور تمام انسان کسی میٹنگ میں یکجا ہو کر اس جدوجہد میں لگ جائیں اور اس امر کے درپے ہو جائیں کہ قرآن جیسا فصیح و بلیغ کلام تیار کریں تو اس کے مثل کلام قطعاً تیار نہ کر سکیں گے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار اور پشت پناہ ہی کیوں نہ بن جائیں

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل، آیت ۸۸)

اس کے ماسوا قرآن میں جگہ جگہ اس چیلنج کو دہرایا جاتا رہا ہے:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ (ھود، آیت ۱۳)

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ (یونس، آیت ۳۸)

قل فاتوا بکتٰب من عند اللہ ، فلیاتوا بحدیث مثلہ۔

قرآن جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ قرآن جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ اللہ جیسی کتاب تو بنا لاؤ۔ اس جیسی ایک ہی بات بنا لاؤ"

اس پیراگراف کا تعلق فصاحت کے اس جزو سے تھا، جس میں ماسبق کے ساتھ یا لحق کے ربط اور معیار کلام کی یکسانیت کی جانب اشارہ کیا گیا تھا۔ اب متوازن و موزوں، اور معتدل معانی پر مشتمل الفاظ کے استعمال کا تعلق فصاحت کے ضمن میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ بحث عشق کی اصطلاح کے سلسلے میں بڑی وضاحت کے ساتھ آنے والی ہے۔ اس لیے اس کی تفصیل یہاں قلم انداز کی جاتی ہے، البتہ اس قدر اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علمی الفاظ و مصطلحات میں دو لفظ علم اور عشق ہی ایسے ہیں کہ جن کے معانی و مفاہیم اور

تعبیرات کثرت سے ہیں، علم کی تعبیرات کو پھر بھی دائرہ حصر و شمار میں لایا جا سکتا ہے۔ لیکن عشق کی تعبیرات اور اس کے معانی و مفاہیم کی کوئی حد ہے نہ شمار۔ لا یقف علی حد لا یمکن لبدہ، پھر علم و عشق کی تعبیرات مختلف مراکز سے چلتی ہیں، مختلف راہوں سے گذرتی ہیں، علم کی ساری تعبیرات تو ایک مشترک منزل اور ایک ہی آخری نقطے پر پہنچ جاتی ہیں لیکن عشق کی سیمابیت اس کو ایک منزل ایک نقطے اور ایک منتہا پر نہیں پہنچنے دیتی اس کی منازل مقصود اور نقاط منتہا مختلف ہی نہیں باہم متضاد و متصادم بھی ہو جاتے ہیں اور بے حد و نہایت اور لاتعداد بھی ہیں۔

عشق سے جو مفہوم مراد لیا جاتا ہے، اس کے مدارج ہیں، تعارف، انس، محبت، عشق، اور اس کی ایک شور انگیز کیفیت جس کو آپ دل" والہانہ عشق" سے تعبیر کر سکتے ہیں تعارف و انس تو حب کے ابتدائی مدارج ہیں، محبت ایک درمیانی حالت ہے، جو متوازن متوازی اور معتدل ہے نادر عقل و تدبر اور تفکر اس کی باگیں تھامے رہتے ہیں، عشق ایک حد سے متجاوز، غیر متوازن، اور نانسنس (NON SCENCE) جذبہ ہے جو حدود اعتدال کو توڑ دیتا ہے اور تدبر و تفکر اور تعقل کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی ایک جگہ بھی محبت کے معنی میں عشق کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا اور حب و محبت کے جذبے کو اپنانے کی تلقین کے ساتھ ہی ساتھ، جگہ جگہ تدبر، تفکر اور تعقل پر زور دیا گیا ہے۔

لعلکم تتدبرون، لعلکم تتفکرون، لعلکم تعقلون

اب یہ سوال ابھر کر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ کہ پھر ہمارے شعرا نے علمی حلقوں نے صوفیائے کرام نے خاص کر ان کے سرخیل مولانا رومی نے اور علی الخصوص ہماری فطرت کے نباض حکیم الامت علامۃ المشرق اقبال نے عشق کے لفظ کو کیوں اپنایا اور اس کو سب کچھ کیوں قرار دیا۔ اس کی دلچسپ تفصیلات اور توجیہات عشق کے ضمن میں پڑھیے، جہاں ہم قرآن و احادیث اور اصحاب کرام کے طرز عمل سے استشہاد کریں گے۔

کچھ ابھی دل کی لگی ہم نے اٹھا رکھی ہے

دگرہا بخواندستی ایں ہم بخوان

اور

داستان عشق و مستی ہم زغازی می شنو
دیگراں آشفتہ تر گفتند ایں افسانہ را

۱۵۔ قربانی

عوام و خواص سب جانتے ہیں کہ یہ سنت ابراہیمی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین وصحابۂ کرام نے تابعین و تبع تابعین نے عمل کیا ہے اور اسی تعامل کی متابعت و پیروی میں آج تک ہر دور ہر ملک میں اور ہر اس سرزمین میں جہاں شمع اسلام روشن ہے فرزندان اسلام اس شعار اسلامی اور سنت ابراہیمی پر مسلسل و متواتر عمل پیرا رہے ہیں، اس قربانی کے سلسلے میں غریب مسلمانوں کی رقم کے ضائع ہونے کا جو خیال ظاہر کیا گیا ہے وہ محض تخیل کی جولانی ہے اس لیے کہ :۔

۱۔ قربانی صرف صاحب زکوٰۃ سرمایہ داروں اور مالداروں پر واجب ہوتی ہے۔

۲۔ مالداروں کی جیب سے صرف سال میں ایک بار ایک محدود رقم نکل کر جانور بیچنے والوں کو مل جاتی ہے جو عموماً غریب دیہاتی ہوتے ہیں۔

۳۔ غریب قصابوں کو بھی کھال اتارنے اور پارچے بنانے کی کچھ اجرت حاصل ہو جاتی ہے

۴۔ عام حالات میں قربانی کے گوشت سے کچھ حصہ ان نادار اور غریب غربا کو ضرور پہنچ جاتا ہے جو گوشت کے لیے ترستے اور ایام قربانی کی راہ تکتے رہتے ہیں۔

۵۔ قربانی کی کھالیں لازماً رفاہ عام کے مرکزوں کو دی جاتی ہیں اور مساجد، دینی مدارس، یتیم خانے، غریب طلبہ اور صدہا مذہبی اداروں کے مصارف کھالوں کی رقوم سے پورے ہو جاتے ہیں اور ان کا سالانہ آمد و خرچ برابر اور بجٹ کسی حد تک متوازن ہو رہتا ہے۔

جہاں تک قربانی کا تعلق ہے اس میں ایک پیسہ بھی نہ تو فضول خرچ ہوتا ہے نہ اس کا کوئی حصہ ضائع جاتا ہے کوئی شخص بھی جس کے ہوش وحواس درست ہوں قربانی کے

مصارف کو رقم کی بربادی سے تعبیر نہیں کرسکتا اب جو لوگ قومی رقوم کی بربادی کے وہم میں مبتلا دبلے ہوتے چلے جارہے ہیں ہم ان کی توجہ ایسے فضول، نامشروع، خلاف دین و مذہب، خلاف اخلاق وانسانیت مصارف کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں جو انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ملک وملت کے لیے تباہ کن اور مہلک ہیں۔ آیئے اعداد و شمار کی روشنی میں تبلایئے کہ شراب جیسی ام الخبائث اور حرام مشروب پر روزانہ ماہانہ اور سالانہ کس قدر روپیہ ضائع ہوتا ہے اور وہ روپیہ امیر و غریب سب کی جیبوں سے نکل کر کہاں جاتا ہے کیا وہ غیر ممالک کے عیسائیوں، پارسیوں اور یہودیوں کی جیبوں میں تجوریوں اور بنکوں میں نہیں جاتا۔ پھر کیا اس لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں روپیہ میں کا بیشتر روپیہ اسلامی ممالک پر قبضہ کی اسکیموں پر مسلمانوں کی مقدس سرزمینوں کو پامال کرنے پر اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے پر، اور اسلام کا نام و نشان صفحۂ دہر سے مٹانے پر صرف نہیں ہوتا۔ اب آیئے کچھ دیر کے لیے رشوت کی گرم بازاری اور بلیک مارکیٹ کی ہماہمی بھی دیکھتے چلیے۔

ان مدات پر روزانہ کس قدر رقم غریبوں کی جیبوں سے نکل کر امیروں اور سرمایہ داروں کی تجوریاں بھرتی اور ان کے بینک بیلنس میں روز افزوں اضافہ کرتی رہتی ہے کیا اس کے اعداد و شمار آپ کی توجہ کے محتاج نہیں ہیں اور ذرا آگے بڑھیے دیکھیے عیاشی کے اڈوں میں، فحاشی و عریانی کے معصیت کدوں میں، نام نہاد ہوٹلوں میں جو پارٹیاں عصرانے ظہرانے عشائیے اور برہنہ نیم برہنہ رقص و سرود کے جو ہنگامے آئے دن برپا رہتے ہیں کیا ان کے محرکات کے لیے کوئی جواز اور ان میں ہونے والے مصارف کی کوئی حد اور انتہا ہے اندریں حالات کیا قومی دردمندی کا یہی مقتضیٰ ہے کہ مسلمانوں کو شریعت کے واضح و واجب احکام سے توبرو کا یا بدل کیا جائے اور نامشروع و ناجائز اور قطعاً حرام افعال سے چشم پوشی کرلی جائے اور ان کے خلاف زبان اور قلم کو ذرا بھی جنبش نہ دی جائے۔

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

۱۶ قضاو قدر

قضاءوقدر اور صوفیاء کرام کا مسلک بعض صوفیاء کرام کا مسلک بظاہر اس متفقہ فیصلے کے خلاف معلوم ہوتا ہے ان حضرات نے باب قضاء میں تو متفقہ فیصلے کو تسلیم کیا ہے لیکن قدر کے ضمن میں یہ کہا ہے کہ "قدر کی وہ صور علمیہ جو قوابل کے اقتضاء سے تعلق رکھتی ہیں ان میں بھی رد و بدل اور تغیر نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ اگر قوابل سے تعلق رکھنے والی صور علمیہ کو بھی تغیر و تبدیلی سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو پھر قدر اور قضاء مبرم و معلق کے سلسلے کا کوئی فرد، کوئی جز اور کوئی امر ایسا باقی نہیں رہ جاتا جس میں تغیر اور تبدیلی ہو سکے جہاں تک سطحی نظر اور اس طرح صوفیاء کے مسلک پر قضاء کی چاروں قسمیں اور قدر ایک ہو جاتے ہیں اور ان کے مابین کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔

آیئے ہم آپ اس مسئلہ میں صوفیائے کرام کے مسلک پر غور کریں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ عالم میں جو تغیرات ہوتے رہتے ہیں اور حالات میں جس قدر تبدیلیاں محسوس ہوتی ہیں ان کو یہ حضرات تغیر اور تبدیلی تصور ہی نہیں کرتے ان کے نزدیک دم بدم اور لحظہ بہ لحظہ ہونے والے تغیرات اور ساری تبدیلیاں تنوعات و تصورات ہیں کبھی وجود کے ایک طور کا ظہور ہوتا ہے کبھی دوسرے طور کا۔ بہار ہستی کبھی ایک رنگ میں جلوہ گر ہوتی ہے کبھی دوسرے رنگ میں۔ ہم اس رنگا رنگی کو جو درحقیقت یک رنگی ہی ہے تبدیلی اور تغیر سمجھ لیتے ہیں یہیں سے ایک دوسرے کے نقاط نگاہ اور زوایائے نظر مختلف ہو جاتے ہیں اور اختلاف کے لیے بنیاد بناتے ہیں صوفیائے کرام ذوات قوابل کو بذات خود کسی تغیر و تبدیلی کے تبعل کا صالح ہی نہیں گردانتے کیونکہ وہ مقتضیات قوابل کو بھی تقاضائے صفات الٰہیہ کا عکس اور پرتو قرار دیتے ہیں اور مبدء فیاض کی جانب سے انصباغ (رنگ پذیری) اور اس کی طرف افتخار و احتیاج ان کی فطرت اور لازمی خصوصیت ہے بنا بریں ان کے سارے تقاضے مبدء فیاض ہی کے رہین منت ہوتے ہیں ایک ظاہر بیں اور سطحی نظر رکھنے والا، عروج و زوال کو،

شاہی و گدائی کو بہار و خزاں کو مختلف روپ میں دیکھ کر ان کی حقیقت کو مختلف سمجھ لیتا ہے اور ایک کو دوسرے کی ضد کہنے لگ جاتا ہے حالانکہ یہ سب کچھ فیضان وجود کی کرشمہ سازیاں اور حسن ازل کی نیرنگیاں ہیں جو درحقیقت ہم رنگیاں بھی ہیں اور آئینہ ممکنات پر ان کی صلاحیتوں کے لحاظ سے منعکس اور جلوہ ریز ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کبھی نہ بھولیے کہ قوابل عالم دائرہ ممکنات سے باہر نہیں ہیں۔ ان میں ضدین کی صلاحیت اور نقیضین کے تقاضے موجود ہیں تاثیر صفات سے کبھی ایک ضد رونما ہوجاتی ہے کبھی دوسری ضد بروئے کار آجاتی ہے برقی رویانی اور عناصر کو کبھی ٹھنڈا کردیتی ہے اور کبھی گرما دیتی ہے موجودات عالم کبھی جامۂ ہستی پہن لیتے ہیں اور کبھی اتار پھینکتے ہیں اس سے نہ ممکنات و قوابل کی صلاحیت بدلتی ہے نہ صفات الٰہیہ کے اثر و تاثیر میں کوئی فرق اور تغیر پیدا ہوجاتا ہے عالم میں جو کچھ ہوتا رہتا ہے وہ سب تاثیر صفات اور قابلیت ممکنات کے تقاضے اور مظاہر ہیں تاثیر کی ان نیرنگیوں کو اور صلاحیت کی ان رنگا رنگیوں کو مجازاً تغیر و تبدل کہدیا اور سمجھ لیا جاتا ہے مزید برآں تقاضوں کو بروئے کار لانا خود قوابل کے بس میں نہیں ہوتا کیونکہ قوابل بذات خود موثر نہیں ہوتے بلکہ احتیاج و افتقار ان کی عین فطرت اور سرشت ہے۔

تقدیر کے اس دقیق اور لاینحل مسئلے کو علامہ اقبال نے بڑے دل نشین انداز میں حل کردیا ہے اور تقدیر کا مفہوم واضح کر کے ایک سیدھا سادہ عملی راستہ بھی بتلادیا ہے جس پر چل کر ہر شخص اپنے حالات کو استوار اور اپنی زندگی کو بدل سکتا ہے۔

علامہ فرماتے ہیں ؎ ارضیان نقد خودی در باختند

نکتۂ تقدیر را نشناختند

یعنی ساری مصیبت یہ ہے کہ زمین کے باسی اپنی حقیقت اور خودی کی قدر و قیمت بھول گئے ہیں وہ خود شناس و خود آگاہ نہیں ہیں انھوں نے تقدیر کے نکتے کو سمجھا ہی نہیں ہے حالانکہ ؏ رمز باریکش بحرفے مضمر است۔ تقدیر کا باریک نکتہ صرف ایک حرف کی اوٹ میں چھپا ہوا ہے ایک ہی حرف کے الٹ پھیر اور طرز عمل کی ذرا سی تبدیلی سے اس کی گرہ کھل

سکتی ہے علامہ اس امر خفی کے چہرے سے نقاب الٹ کر خود ہی اس گرہ کو کھول دیتے ہیں۔

تو اگر دیگر شوی او دیگر است

تم اپنے آپ کو بدل ڈالو تقدیر آپ سے آپ بدل جائے گی اس کی علت ظاہر ہے قدرت ہر فرد کو اور ہر شے کو خود اس فرد اور اس شے کی صلاحیت وظرف کے مطابق اور اس کی استطاعت کے بقدر اسلحہ سے مسلح کر دیا کرتی ہے ؎

خاک شو نذر ہوا سازد تُرا
سنگ شو بر شیشہ اندازد تُرا

تم نے اپنے کو خاک کا ڈھیر سمجھ رکھا ہے جبھی تو ہوا کے ایک جھونکے میں ادھر سے اُدھر ہوتے رہتے اور مارے مارے پھرتے ہو۔ تمہیں پتھر کی طرح سخت ہو جانے سے کس نے روکا تھا۔ اگر تم اپنے میں سنگ خارا کی سی سختی پیدا کر لیتے تو تم شیشوں کو توڑ سکتے تھے بتوں کو چور کر سکتے تھے۔ آخر وہ بھی تو تمہارے ہی اسلاف تھے جو بت شکن کہلائے جنہوں نے بت خانوں اور سومناتوں میں توحید کے ڈنکے بجا دیئے تھے اور بیک وقت تین سو ساٹھ بتوں کو ریزہ ریزہ کر کے

خاشاک بتاں از کعبہ رُفت

کعبے کو بتوں کے کوڑے کرکٹ سے جھاڑ و بہار کر پاک وصاف کر دیا تھا۔

شبنمی افتندگی تقدیر تست
قلزمی پائندگی تقدیر تست

تم نے اپنے کو شبنم سمجھ لیا اس لیے ہر نشیب اور پستی میں گرنا تمہارا مقسوم بن گیا اگر تم بحر ذخار اور دریائے ناپیدا کنار بن جاتے تو تم کو قیام ودوام کی لازوال نعمت مل جاتی اب غور طلب امر یہ ہے کہ کیا تقدیر بدل سکتی ہے کیا ہم اپنے حالات کو تبدیل کر سکتے ہیں علامہ اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ حق تعالے سے تقدیر اور حالات کی تبدیلی کے لیئے التجاء کرو اور پکے مومن اور سچے مسلمان بن جاؤ تو تقدیر کی تبدیلی تو کیا چیز ہے تم خود تقدیر الٰہی بن جاؤ گے۔ ع

مومن ہے تو ہے آپ ہی تقدیر الٰہی

اور سہ

گر زیک تقدیر خون گردد جگر

خواہ از حق حکم تقدیر دگر

اگر ایک تقدیر تمہارے حسبِ حال نہیں ہے اور اس کی ناموافقت سے تمہارا جگر پانی پانی ہوا جا رہا ہے تو تم حق تعالےٰ سے دوسری نئی تقدیر کیلیے درخواست کرو حق تعالےٰ کے خزانے میں کمی نہیں ہے وہاں تو بے حد و نہایت تقدیرات کے لاتعداد ذخائر موجود ہیں تم ان ذخائر میں سے اپنے لیے دوسری نئی تقدیر کا مطالبہ کرو گے تو یہ تمہارا جائز حق ہو گا۔

تو اگر تقدیر نو خواہی رواست

زانکہ تقدیرات حق لا انتہا است

ایک اور موقع پر علامہ بڑے وثوق سے فرما گئے ہیں۔ ع

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر

پھر قدرے خشمگیں اور تاسف کے لہجے میں استفسار فرماتے ہیں۔ ع

تو تقدیر الٰہی کیوں نہیں ہے۔

اس کے بعد بڑی حسرت سے مسلمانوں کے طرزِ عمل پر طنز کر جاتے ہیں۔

تن بتقدیر ہے آج اُن کے عمل کا انداز

تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

مزید بلند پروازی اور جرأت افزائی ملاحظہ ہو۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

آپ نے دیکھا علامہ نے دوسروں کی طرح اس مسئلہ میں علمی موشگافیاں نہیں کیں بلکہ تحقیق حقیقت پر سرسری نگاہ ڈال کر اس کے عملی پہلو پر توجہ کی اور اس کو ایسا روشن اور اجاگر کر دیا کہ ہر کس و ناکس تقدیر کا شکوہ سنج ہونے کی بجائے علامہ کی بتلائی ہوئی راہ

پر چل کر اپنے حالات میں حسب خواہش خوشگوار تبدیلیاں کر سکتا ہے اور ایک ہوش مند ملت ان رموز کو روبعمل لاکر ایک نئی تعمیر کھڑی کر سکتی ہے اور اس کے قوائے عمل حرکت میں آکر ہزاروں برکات و ثمرات حاصل کر سکتے ہیں۔ علامہ کی تعلیم و تلقین کا یہی وہ امتیازی وصف ہے جو ہمیں دوسرے مکاتیب فکر میں دور دور تک نہیں ملتا اگر کوئی مسیحا ہے تو ہوا کرے ہمیں تو اس چارہ گر کی ضرورت ہے جو ہمارے دکھ درد کا مداوا کر سکے۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

۱۵ مزاج انسانی

اولیاء کرام اور علماء محققین کے حلقوں میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ از آدم تا ایں دم جس قدر بھی انسان پیدا ہو چکے ہیں ان سب میں مزاج کے اعتبار سے بجنت واتفاق کی بناء پر یا بہ تقاضائے حکمت الٰہی آنحضرت سرور عالم و عالمیان نبی آخر الزماں کا مزاج سب سے زیادہ معتدل تھا۔ اور آئندہ قیامت تک بھی اس قسم کا مزاج تخلیق پذیر نہ ہو سکیگا آپ کی ذاتِ گرامی جن کمالات و فضائل کی حامل تھی۔ اور سیرت طیبہ جن اخلاق و صفات سے متخلق و متصف تھی۔ اس کے پیش نظر یہ شہرت چنداں بعید از قیاس بھی نہیں ہے شیخ الرئیس جیسے عظیم فلسفی اور طبیب اعظم نے بڑی کاوش و تحقیق اور چھان بین کے بعد رائے ظاہر کی ہے اور فیصلہ دیا ہے کہ جسمانی اور طبی نقطۂ نگاہ سے اعتدال کامل کے معیار پر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس پوری اتر سکی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر شئے اور ہر انسان کی شکل و صورت، ہیئت، بناوٹ، ساخت وضع قطع، رنگ، وزن، طول، عرض، عمق، اندرونی و بیرونی قوام۔ دل و دماغ۔ جگر معدہ، پٹھے متحرک و ساکن رگیں۔ حواس ظاہری و باطنی۔ طبیعت و اخلاق۔ عادات، خصائل و شمائل امیال و اذواق اور مزاج سب کچھ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اور کوئی ایک فرد دوسرے فرد سے بظاہر کتنا ہی ملتا جلتا اور مشابہ کیوں نہ ہو، لیکن اس کے ظاہر و

باطن میں کوئی نہ کوئی دقیق فرق ضرور نکل آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شئے اور ہر انسان کو ڈھالنے کے لیے ایک سانچہ تیار کیا جاتا ہے جو اس کے ڈھل جانے کے بعد بے کار سمجھ کر توڑ دیا جاتا ہے۔

حسن اتفاق سے یا قدرت کی مشیئت کے زیر اثر آں حضرت سرور دو عالم و عالمیان کے ظہور و شہود کا شرف جس سانچے کو ملا۔ اس میں مزاج معتدل قائم ہوگیا۔ جس کی وجہ سے اس پیکر میں وہ سارا حسن و جمال اور وہ تمام ظاہری و معنوی محاسن ابھر آئے جو اس مزاج معتدل کا لازمی نتیجہ اور اس کی خصوصیت خاصّہ ہو سکتے تھے اور جن کو طبیعت ثانیہ بن کر اس پیکر جمیل میں سما جانا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے معتدل القوام اور متوازن الاخلاط انسان کو فلاسفہ اور صوفیاء کے الفاظ و تعبیرات میں:

انسان کامل۔ نبی۔ رسول۔ روح۔ روح اعظم۔ ام الکتاب۔ کتاب مبین۔ سربراہ عوالم الٰہیہ۔ قلم اعلیٰ۔ خلیفۃ اللہ۔ خلیفۃ الاعظم۔ کتاب عقلی۔ کتاب محو و اثبات۔ نفس واحدہ حقیقت اسمائیہ۔ نور۔ سرّ۔ سرالسرّ۔ خفا۔ قلب۔ فواد۔ مقصود حرف کن فکان۔ جاعل مطلق کا مجعول اول۔ مبدع و خالق کی اولین بدع و تخلیق۔ تعیّن اول۔ برزخ الجامع۔ خلیفہ اکبر، مظہر ذات الٰہ، جوہر نورانی، نفس کلیہ، لوح محفوظ، ظل الاول، ظل اللہ، عالم علم لدنّی، سید الکونین، حامل قوت قدسیہ، تلمیذ العلیم العلام، لسان الحق، مظہر ذات و اسما و صفات الٰہی، فائز مقامات قرب و رفعت، افق اعلیٰ۔ مقام دنیٰ۔ مقام تدلّٰی، مقام قاب قوسین، مقام او دنیٰ۔ خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، خلق مجسم، خواجہ گیہاں، سرور عالم۔ راز دان جزو کل، ختم الرسل مولائے کل، نازش کائنات۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور حد یہ ہے کہ

بعد از خدا بزرگ

ہونا ہی چاہیئے تھا۔ اور انتہا یہ ہے کہ ییلائے قدم کے ساتھ اس سلمائے حدوث کے تعلق قبلیت و بعدیت کی نوعیت کچھ اسی طرح کی سی ہونی چاہیئے کہ زمانے اور زمانیات کا واسطہ بیچ میں نہ ہو اور اس کے تقدم و تاخر کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکے۔ بلکہ ہاتھ اور کنجی کی حرکت کا سا ذاتی تقدم و تاخر بدقت محسوس کیا جا سکے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بلاشبہ حق تعالیٰ کے دوسرے برگزیدہ انبیاء و رسل اور ان کے متبعین اولیاء کرام تک میں مزاج معتدل اور اس کی خصوصیات قدرے تغیر و تفاوت کے ساتھ ہوا کرتی ہیں۔ بلکہ نظر غائر اس نتیجے پر پہنچ جانے میں حق بجانب ہے کہ کائنات و موجودات کی ہر شے جس پر شیئت کا اطلاق ہو سکتا ہے بجائے خود عدیم النظیر اور ممتنع النظیر ہے۔ لیکن عدیم النظیر اور ممتنع النظیر ہونا "فی حد ذاتہ" کوئی خوبی اور کمال نہیں ہے۔ البتہ اعتدال و توازن کے اس تناسب کے ساتھ کسی شخصیت کا عدیم المثال اور ممتنع النظیر اور معدوم النظیر ہونا اصل خوبی اور کمال ہے اس لحاظ سے صرف ذاتِ اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مع ان تمام محاسن و مکارم کے بے عدیل و ممتنع النظیر ہے۔ ؎

روزے کہ شمر دند عدو پلش زمحالات
تاریخ تولد بنوشتند عدم را

عامۃ خلائق کا تو ذکر ہی کیا۔ دنیا کے اعاظم رجال میں انبیاء کرام کو بہر حال تفوق و برتری حاصل ہے اس کے پیشِ نظر آپ زمرۂ انبیاء و رسل میں سے چند برگزیدہ حضرات کو نظر میں لائیے۔ مثلاً۔ نوح۔ ایوب۔ موسیٰ۔ عیسیٰ۔ علیہم السلام۔ قطع نظر اس کے کہ ان حضرات کی تعلیم وقتی اور کسی ایک خطۂ ارضی میں محصور و محدود تھی۔

دیکھیے :۔

حضرت نوح اپنی قوم کے مظالم کا تحمل نہ فرما سکے اور اس قوم کا بیڑا غرق ہو کر رہا
حضرت ایوب آخری مرحلے میں "مسنی الضر" پکار اٹھے

آپ نے مسنی الضر کہا ہے تو سہی
یہ بھی اے حضرت ایوب گلہ ہے تو سہی

حضرت موسیٰ کا پورا دور شجاعانہ اخلاق سے بھرپور ہے وہاں عفو و درگزر اور حلم و برداشت کی کمی صاف صاف محسوس کی جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ کی زندگی کے جس قدر واقعات صفحاتِ تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں۔ ان میں حلم و برداشت، نرمی۔ نرم خوئی کی بلاشبہ بہتات ہے۔

ع مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ

لیکن توانین عدل اور مقتضیاتِ انصاف کے لیے جس احتساب وسخت گیری کی ضرورت ہے۔ اس کا فقدان ہے۔

اب آپ اول الخلائق اور آخر النبیین کے اخلاق فاضلہ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کا جائزہ لیجئے۔ آپ بلا تامل بیک نظر اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ اس گرانمایہ ہستی کی تعلیم و تلقین جامع۔ کامل۔ دائمی۔ جن و بشر سب پر حاوی اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اخلاقی وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ اس کی لائی ہوئی شریعت میں کس قدر اعتدال، کس قدر توازن اور متضاد و متصادم حالات و امور میں کیسا توافق اور کتنا خوشگوار امتزاج ہے اور جس قدر اچھائیاں جگہ جگہ بکھری ہوئی، پھیلی ہوئی اور منتشر ہیں وہ اس ذات ہمایونی میں کس قدر خوبی کے ساتھ یک جا و مجتمع ہیں۔

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

غالباً اس دلیل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے عدیل و بے مثال اور معدوم النظیر ہونا بھی ثابت ہو چکا کہ ان خصوصیات و صفات کا کوئی حامل نہ اب تک پیدا ہوا ہے۔ نہ آئندہ پیدا ہو سکتا ہے۔

ع گر دو صد عالم بود خاتم یکے است

اگر صورتحال کا یہ تجزیہ صحیح ہے۔ تو پھر اس مسئلہ امکان نظیر میں قدرت کا زیر بحث لانا اور پھر اس کو قدرت کے احاطے سے نکال کر مشیت کے محل اور دائرے میں بتکلف لے جانا۔ یہ سب تخیل آرائیاں اور دماغ پاشیاں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس کو ان خیال آرائیوں کا ہدف اور جولانگاہ کیوں بنایا جائے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا